فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❋❋❋ تنبیہ ❋❋❋

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

كتابُ الضحايا والعقيقة

جلد ۱۳

ترتیب: ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال فون ۳۱۷

مراجع فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳

نمبر	کتاب	مقام	نمبر	کتاب	مقام
۱۔	فتاویٰ نذیریہ	دھلی	۷۔	رسالہ ایام النحر	
۲۔	فتاویٰ ثنائیہ	〃	۸۔	اخبار تنظیم اہل حدیث	لاہور
۳۔	فتاویٰ اہل حدیث	روپڑ	۹۔	اخبار اہل حدیث	دہلی
۴۔	فتاویٰ غزنویہ	امرتسر	۱۰۔	اخبار اہل حدیث	لاہور
۵۔	فتاویٰ ستاریہ	کراچی	۱۱۔	اخبار الاعتصام	〃
۶۔	ارشاد السائلین عمرپوری		۱۲۔	ماہنامہ ترجمان اہل حدیث	〃



نام کتاب ________ فتاویٰ علماء حدیث جلد ۱۳

نام مرتب ________ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

کتابت ________ محمد نذیر خوشنویس چک ۵۴۳/ای بی وہاڑی

تاریخ اشاعت ________ ۱۴۰۶ھ محرم الحرام

مطبع ________ حفیظ پرنٹنگ پریس کبیر والا

تعداد ________ ایک ہزار ۱۰۰۰

ناشر ________ مکتبہ سعیدیہ خانیوال

ملنے کا پتہ ________ 〃 〃 〃

قیمت ________

پاکستان

مفتیان فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳

۱:۔ ابو محمد عبد الستار دہلوی کراچی
۲:۔ ابو محمد عبد الغفار دہلوی کراچی رحمہ
۳:۔ عبد الجبار بن مولنا عبد اللہ الغزنوی رحمہ
۴:۔ حافظ محمد گوندلوی رحمہ
۵:۔ مولنا عبد الرحمٰن مبارک پوری رحمہ
۶:۔ حکیم عبد الرزاق از رنگون رحمہ
۷:۔ مولنا عبد السلام بستوی دہلوی رحمہ
۸:۔ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ
۹:۔ مولنا عبد القادر حصاری رحمہ
۱۰:۔ حافظ عبد القادر روپڑی
۱۱:۔ مولنا محمد یوسف بکھوی فیروز پوری رحمہ
۱۲:۔ مولنا عطاء اللہ صاحب حنیف لاہور
۱۳:۔ مولنا سید داؤد غزنوی رحمہ
۱۴:۔ مولنا محمد علی جانباز سیالکوٹ
۱۵:۔ مولنا عزیز زبیدی لاہور
۱۶:۔ مولنا انیس رحیم آبادی۔ عظیم آبادی
۱۷:۔ مولنا عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند
۱۸:۔ مولنا محمد عبد الحق صاحب
۱۹:۔ ابو محمد عبد الوہاب
۲۰:۔ مولنا امیر الدین دہلوی
۲۱:۔ ابو القاسم عبد الرحمٰن
۲۲ محمد طاہر رحمہ

۲۳:۔ مولنا تلطف حسین دہلوی رحمہ
۲۴:۔ مولنا سید عبد السلام رحمہ
۲۵:۔ مولنا سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ
۲۶:۔ سید اقتدار احمد علیگڑھ رحمہ
۲۷:۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی رحمہ
۲۸:۔ محمد اسماعیل صاحب علیگڑھ رحمہ
۲۹:۔ مولنا لطف اللہ رحمہ
۳۰:۔ محمد اسد علی اسلام آبادی رحمہ
۳۱:۔ مولنا محمد منفعت علی دیوبند
۳۲:۔ مولنا عنایت اللہ صاحب
۳۳:۔ مولنا خلیل احمد رحمہ
۳۴:۔ مولنا محمد اشرف علی رحمہ
۳۵:۔ مولنا محمد امین الدین رحمہ
۳۶:۔ مولنا عزیز الرحمٰن دیوبندی
۳۷:۔ مولنا محمود حسن دیوبندی
۳۸:۔ مولنا محمد ناظر حسن رحمہ
۳۹:۔ سید ابو الحسن دہلوی رحمہ
۴۰:۔ سید عبد الوہاب رحمہ
۴۱:۔ سید عبد الحفیظ دہلوی رحمہ
۴۲:۔ ابو الخیر محمد انور حسین رحمہ
۴۳:۔ مولنا عبد الجبار کھنڈیلوی رحمہ
۴۴ مولنا محمد علی لکھوی رحمہ
۴۵ مولنا عبید اللہ خان لاہور

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳

عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت

جماعت اہل حدیث کے فاضل حضرت مولانا محمد عبید اللہ خاں صاحب عفیف تدریسی اور علمی تحقیقی میدان میں منفرد مقام رکھتے ہیں وسعت مطالعہ اور استحضار کا یہ عالم ہے کہ جب قلم اٹھاتے ہیں تو متعلقہ موضوع کے ہر گوشے پر روشنی ڈالتے ہیں کتاب وسنت پر ان کی نگاہ گہری ہے۔ صحابہؓ، تابعینؒ، اور فقہائے امت کے افکار نظریات اور اقوال مجمل اور طلاقات سے خوب واقف ہیں۔ زیر نظر مضمون موصوف مدظلہ نے قلم اٹھا کر حسب روایات تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے "ترجمان الحدیث" میں کئی قسطوں میں شائع ہوا۔

فتاوی علمائے حدیث میں ہم تشریحات کے عنوان پر قارئین کی خدمت میں گرانقدر اضافہ پیش کر رہے ہیں تاکہ جویان حق بھی اس سے مستفیض ہو سکیں

(سعیدی، خانیوال

از مولانا محمد عبید اللہ خان صاحب عفیف لاہور

عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت

بسلسلہ

کیا اسلام میں قربانی جائز ہے

جو اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتے ؟- تشکیلِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے ملک میں اسلام دشمن گروہوں نے آپس میں اس امر کے لئے گٹھ جوڑ کر لیا ہے، اور اس کے لئے مسلسل پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو۔ وہ تین گروہ یہ ہیں۔

(۱) کیمونسٹ (۲) منکرین حدیث (پرویزیہ پارٹی) (۳) مرزائی

یہ تینوں ٹولے اسلامی نظام اور اس کی تعدی یا بندیوں اور اخلاقی اصولوں سے لرزاں اور ترساں ہیں، انہیں قطعاً گوارا نہیں کہ پاکستان میں کوئی ایسا نظامِ زندگی قائم ہو جو خالص کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ ان کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے مسلمان اپنی تمام تر عملی کمزوریوں کے باوصف اسلامی نظامِ زندگی اور کتاب و سنت کے ساتھ بے پناہ محبت رکھتے ہیں، اس لئے یہ تینوں ٹولے اسلامی عقائد اور احکام کا برملا انکار کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے۔ بلکہ اسلامی عقائد و اعمال پر مختلف بہانوں سے حملہ کرتے ہیں، اور ان کی اہمیت گھٹانے میں کوشاں اور ان کا مذاق اڑانے میں جتے ہوئے ہیں۔ پاکستان کا خواندہ طبقہ مرزائیوں کے علم کلام اور طریقہ واردات سے اب ناواقف نہیں رہا۔ لیکن انہیں یہ پتہ نہیں کہ کیمونسٹ اور پرویزیہ پارٹی مرزائیوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

کیا عقیقہ جاہلی رسم ہے ؟- جن مسائل شرعیہ کو ان دونوں نے اپنی مزعومہ تحقیق و ریسرچ کی آماج گاہ بنا رکھا ہے۔ ان میں عقیقہ اور قربانی کے مسئلے بھی شامل ہیں ان نام نہاد محققین کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ عقیقہ جاہلی رسم ہے عید قربان کے موقعہ پر قربانی کا اہتمام کرنا معاذ اللہ قومی اموال کا بے محابا ضیاع ہے اور قومی دولت کا یہ اسراف ان کے مطابق قومی خیانت کا ارتکاب ہے، جہاں تک اس تحقیق زدہ لوگوں کے دلائل کی معقولیت کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ مرزائی ٹولے کی طرح ان کے ہاں بھی بس چند مغالطے اور مفروضے ہیں، جنہیں نمک مرچ لگا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی طرح کا ایک مضمون ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں " کیا عقیقہ دورِ جاہلیت

کی رسم تھی " کے عنوان سے جناب ایم اشرف صاحب اعظم کلاتھ مارکیٹ کا شائع ہوا ہے۔ جو دراصل جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے، جو گزشتہ سال پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ اس مضمون میں عقیقہ کے عدم جواز کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ کی آڑ لے کر قربانی جیسے مسلمہ شعار اسلام اور چار ہزار سال سے رائج سنت متواتر کی اہمیت اور مشروعیت کو چیلنج کر کے ملتِ اسلامیہ پاکستان کے ذہنوں میں تشکیک کا زہر گھولنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے بہت سے احباب نے ہمیں اس مضمون کے تراشے اور فوٹو اسٹیٹ بھیج کر اس کا تحقیقی اور علمی جائزہ لینے کی فرمائشیں کی ہیں مزید برآں جنگ کے ادارتی نوٹ میں بھی اس موقف پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے، چنانچہ پیشِ نظر مقالہ میں اسی مضمون کا تحقیقی اور علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، واللہ الہادی۔

وجہ مغالطہ:۔ پروفیسر رفیع اللہ صاحب کے مترجم ایم اشرف صاحب لکھتے ہیں، "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش پر کوئی قربانی نہیں ہو گی بدائع الصنائع ج ۵ ۱۲۷۔

جواب:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ بوجوہ غلط ہے۔

احناف کا نظریہ عقیقہ سنت ثابت ہے:۔ وجہ اول۔ یہ کہ اگرچہ امام حسن بصری، امام لیث بن سعد داؤد ظاہری، ابنِ حزم، ابوزناد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقیقہ واجب ہے، لیکن فقہاء محدثین جمہور علماء امت اور ائمہ اہلبیت کے نزدیک عقیقہ سنت ہے، ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷، محلی ابن حزم ج ۷ ص ۵۲۸ وسبل السلام ج ۴ ص ۹۷، اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔

ہمارے نزدیک جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ ثابتہ سے عقیقہ کا سنت ہونا متبادر ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

عقیقہ اور احادیث

۱:۔ حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، ہر لڑکے کے ساتھ اس کا عقیقہ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے عقیقہ کرو، اور اس کے بال بناؤ۔ صحیح بخاری باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقہ ج ۲ ص ۸۲۲ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۲ و ابوداؤد مع شرح عون المعبود ج ۳ ص ۶۶۔ محلی ابن حزم جلد ۷ ص ۵۲۴، نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۴۹۔

۲:۔ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے اپنے

عقیقہ میں مرہون (گروی) ہوتا ہے۔ اس کی ولادت کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے، اور اس کا نام رکھا جائے رواہ احمد والاربعۃ وصححہ الترمذی، سبل السلام ج ۴ ص ۹۸، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۲۴۔

۳:۔ لڑکا اور لڑکی کے عقیقہ کی تفصیل:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رض کو فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرنی چاہیئے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ام کرز۔ بریدہ، سمرہ۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ انس۔ سلمان اور ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ، کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۳۶۲۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ۴ ص ۹۷ اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹۔

۴:۔ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک ذبح کرنی ہو گی خواہ عقیقہ کے مویشی مذکر ہوں یا مؤنث دونوں جائز ہیں۔ رواہ احمد والترمذی وصحیح، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹ عون المعبود ج ۳ ص ۶۶ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۲ وسبل السلام ج ۴ ص ۹۸۔

اول اور دوم دونوں صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ سنت ثابت ہے، اور سوم چہارم دونوں صحیح احادیث سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ دو بکریاں اور لڑکی کی ولادت پر ایک بکری ذبح کرنی سنت ہے ہاں اعسار (مالی تنگی ترشی) کی وجہ سے لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکری بھی کفایت کر سکتی ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ عقیقہ سنت ثابتہ ہے اور معلق ہے کہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں کسی امام کا قول اور فتویٰ نہ حجت ہے نہ قابل اعتبار۔ کیونکہ حجت فقط کتاب وسنت ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ پھر اگر تم کسی بات پر جھگڑ پڑو تو اس جھگڑے کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جاؤ، (سورہ نساء ۵۹)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام نے صاف صاف لفظوں میں اپنی تقلید کے علی الرغم حدیث پر عمل کرنے کی وصیت فرمادی ہے۔

۱:۔ امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں:۔ اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ ردالمختار ج ۱ ص ۶۸۔ جب حدیث مل جائے تو وہ حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

۲:۔ امام مالک رح فرماتے ہیں:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا قول وفتویٰ رَد اور اخذ کی زد سے باہر ہو۔ حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۷۔

۳:۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں:۔ جو کچھ حدیث میں ہے بس میرا وہی مذہب ہے۔ حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۷۔

۴:۔ امام احمد بن حنبل:۔ اپنی اور دوسرے مجتہدین کی تقلید سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احکام ومسائل کتاب وسنت سے اخذ کرو۔ ایضاً۔

۵:۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:۔ اگر ہمیں صحیح حدیث مل جائے جو ہمارے امام کے مذہب کے خلاف ہو اور ہم اس حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قیاس وتخمین کی پیروی پر ڈٹے رہیں۔ تو اس صورت میں تو کوئی شخص ہم سے زیادہ ظالم ہوگا اور نہ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے ہماری کوئی معذرت قبول ہوگی۔

۶:۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں لا حجة فی قول احد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۶۶۔ و ص ۳۷۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں کسی بھی اُمتی کا قول حجت نہیں۔ ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا مجتہد اور امام بھی اتھارٹی (سند) نہیں۔ خواہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہوں یا کوئی اور صاحب خواہ ایک ہوں یا سینکڑوں۔ بغرضیکہ چونکہ امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ احادیث صحیحہ غیر منسوخہ کے سراسر خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں تعجب ہے کہ پروفیسر صاحب ایک طرف تو نبی معصوم کی احادیث صحیحہ محکمہ کا انکار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے غلط نظریہ کی تقویت وترویج میں غیر معصوم امتی (امام ابوحنیفہؒ) کے ایک مشکوک فتویٰ کا سہارا لینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

وجہ دوم:۔ اس فتویٰ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان احادیث صحیحہ کا علم نہ تھا، ورنہ وہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر یہ غلط فتویٰ کبھی صادر نہ فرماتے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس فتویٰ کا نوٹس لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولم یعرف ابوحنیفہؒ العقیقة فکان ماذا؟ لیت شعری اذلم یعرفها ابو حنیفةؒ ماهذا بنکرة فطالما لم یعرف السنن۔ محلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۵۲۹۔

عقیقہ والی صحیح حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم میں نہ تھیں اور ان کو ان احادیث صحیحہ ثابت کا علم نہ ہونا کوئی ان ہونی بات نہیں آپ کو اور بھی بہت سی سنتوں کا علم نہ تھا۔

امام شوکانی اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وهذا ان صح عنه حمل علیٰ انها لم تبلغه الوارد فی ذالک۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔ کہ

اگر واقعی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا، تو ان کا یہ فتویٰ مذکورہ احادیث صحیحہ سے بے خبری پر محمول کرنا چاہیئے۔

ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں۔ وفی الباب احادیث کثیرة تدل علی مشروعیتها واستحبابها بل بعضها یدل علی الوجوب۔ فلا اقل ان یکون مستحبا بل سنة۔ لعلها لم تبلغ اماما حیث قال انها مباحة التعلیق الممجد ص ۲۸۹۔ عقیقہ کے بارے میں بکثرت احادیث منقول ہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، بعض تو اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، وجوب نہ سہی عقیقہ کا سنت اور مستحب ہونا تو بلاشبہ ثابت

ہے، ہمارے امام ابوحنیفہ رحؒ نے عقیقہ کو جو مباح کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ احادیث نہیں پہنچی ہوں گی۔
اور یہ قرین قیاس بھی ہے ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عقیقہ کا انکار نہ کرتے واللہ تعالیٰ اعلم
وجہ سوم عقیقہ اور علماء احناف :۔ جہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، جیسے ائمہ مجتہدین، فقہاء، محدثین اور جمہور امت نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے عقیقہ کو سنت قرار دیا ہے۔ وہاں تمام علماء احناف نے بھی امام صاحب کے اس فتویٰ کو مسترد کر کے عقیقہ کو بعض نے سنت اور اکثر احناف نے مستحب کہا ہے۔

۱۔ علامہ بدرالدین عینیؒ :۔ امام صاحب کی طرف اس فتویٰ کی نسبت کو چیلنج کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ جھوٹ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عقیقہ کو بدعت (جاہلی رسم) کہا ہے، انہوں نے تو اس کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے، حاشیہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۱۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی :۔ عقیقہ کو سنت قرار دیتے ہیں، سفر سعادت بحوالہ فتاوی عبدالحی ص ۳۸۸

۳۔ علامہ شامی حنفی کا فتویٰ :۔ فرماتے ہیں جن کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں روز بچے کے بال بنائے جائیں۔ اور اس کا عقیقہ ذبح کیا جائے، جیسا کہ الجامع المحبوبی میں لکھا ہے۔ ردالمختار ج ۶ ص ۲۳۶۔

۴۔ علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی کا وضاحتی بیان۔ فرماتے ہیں کہ جس روایت کی بنیاد پر عقیقہ کو

عقیقہ کی مخالف روایت

جاہلی رسم کہا گیا ہے، وہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کے دو راویوں مسیب بن شریک اور عقبہ بن یقظان استاد شاگرد دونوں کو فن اور ائمہ جرح و تعدیل نے ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی وجہ سے عقیقہ کو جاہلی رسم کہا جائے، علاوہ ازیں اگر عقیقہ منسوخ ہو چکا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ نہ کرتے۔ اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بعد اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے، جیسا کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ میرے والد عروہ بن زبیر اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ کیا کرتے تھے، خلاصہ کلام یہ کہ عقیقہ کی مشروعیت اور اس کے استحباب پر متعدد احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ضعیف روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ التعلیق الممجد ص ۲۹۱۔

موصوف ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے چاہئیں، تاہم استطاعت اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ایک پر بھی اکتفا درست ہے۔ فتاویٰ عبدالحی ص ۳۹۵۔

۵۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی :۔ لکھتے ہیں بدائع الصنائع والی روایت سے نفس عقیقہ کا نسخ مراد نہیں بلکہ عقیقہ کے وجوب کا نسخ مراد ہے۔ کیونکہ قربانی ۲ھ میں شروع ہو گئی تھی۔ اور حضرت حسن اور حسین کا عقیقہ ۳ھ اور ۴ھ میں ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت ام کرز کعبیہ سے بھی عقیقہ کی صحیح حدیث مروی ہے، اور اس بی بی

نے یہ حدیث صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اور صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آخری جگر گوشہ سیدنا ابراہیم بن محمد کا عقیقہ کرنا بھی ثابت ہے، اور یہ واقع ۹ھ کا ہے۔ لہٰذا اگر عقیقہ منسوخ ہو گیا ہوتا۔ جیسا کہ اس فتویٰ میں دعویٰ کیا گیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تین عقیقے کرنا اور ام کرز کعبیہ کو عقیقہ کا مسئلہ بیان کرنا ناقابل فہم بات ہے، کیونکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے متاخر ہونا ضروری شرط ہے۔ فافہم ولا تکن من القاصرین۔ کشف المغطا حاشیہ موطا امام مالک ص ۴۹۴۔

۶۔ **مولانا عزیز الرحمان دیوبندی کا فتویٰ**:۔ صحیح یہ ہے کہ مذہب حنفیہ میں عقیقہ مستحب ہے، جواب سوال ۱۲۹۶ عزیز الفتاویٰ المعروف فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۶، ج ۱۔

۷۔ **حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی** متوفی ۱۱۷۶ھ رسم عقیقہ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے تھے۔ اور اس کو لازم اور سنت موکدہ سمجھتے تھے۔ چونکہ اس میں بہت سی مادی، مدنی اور روحانی مصلحتیں کارفرما ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو قائم رکھتے ہوئے، خود بھی اس پر عمل کیا اور امت کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۴۔ ان سات شہادتوں سے معلوم ہوا کہ خود علماء احناف کے ہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ صحیح نہیں۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ عقیقہ سنت ثابت ہے، کہ بکثرت احادیث صحیحہ ثابت اس پر شاہد عدل ہیں سلف صالحین اور جمہور علماء امت قرناً بعد قرن اس سنت پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ رح کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ کی آڑ میں اس کو جاہلی رسم قرار دے کر منسوخ ٹھہرانا نہ صرف حق و انصاف کا خون کرنا ہے بلکہ انکار حدیث کے لئے راہ ہموار کرنا ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

قربانی بالاجماع مشروع عمل ہے: مغالطہ ۲ پروفیسر رفیع اللہ شہاب لکھتے ہیں۔ اس نظریہ امام ابو حنیفہ رح کا عقیقہ کو منسوخ کہنے کی وجہ سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے متعلق کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

جواب:۔ پروفیسر صاحب اور ان کے ہم مشربوں کو قربانی کی مشروعیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو اور بات ہے کہ تحقیق گزیدہ حضرات نے انکار سنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے اسلام کے ان مسائل و احکام میں بھی تشکیک پیدا کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جن میں مسلمانوں کے درمیان ابتداء سے لے کر آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملتِ اسلامیہ کی صحیح خیر خواہی بس یہ رہ گئی ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی نہ کسی طریقہ سے اختلافی بنا دیا جائے۔ اور دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہ چھوڑا جائے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہو کہ سب مسلمانوں کے نزدیک یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ خوش قسمتی سے قربانی کا مسئلہ بھی انہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے ۲ھ کی پہلی عید الاضحیٰ سے آج تک مسلمان اس پر متفق چلے آ رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشروع، مسنون اور شعائر اسلام میں سے ہونے میں پوری امت متفق ہے، اس میں آئمہ اربعہ اور فقہا، محدثین متفق ہیں، مجتہدین متفق نظر آتے ہیں

شیعہ اور سنی متفق ملتے ہیں حتیٰ کہ آج کے تمام اسلامی فرقے بھی اس کی مشروعیت پر اتفاق رکھتے ہیں، چند تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

اقوال ائمہ:۔ (۱) علامہ یحییٰ بن محمد ابن ھبیرحنبلی متوفی ۵۶۰ھ تصریح فرماتے ہیں۔ واتفقوا ان الاضحیۃ مشروعۃ باصل الشرع۔ الافصاح علی مذاھب الاربعۃ ج ۱ ص ۳۰۵۔ کہ ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ اصل شرع کی رو سے قربانی مشروع عمل ہے۔

۲:۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں، متوفی ۸۵۲ھ ولاخلاف فی کونھا من شرائع الدین الخ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۔ ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

۳:۔ امام محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں۔ ولاخلاف فی کونھا من شرائع الدین نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶۔ کہ اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

۴:۔ شیخ اسماعیل انصاری فرماتے ہیں ولاخلاف انھا من شعائر الدین۔ الالمام شرح عمدۃ الاحکام ج ۲ ص ۱۷۰۔ ائمہ دین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شعار دین میں سے ہے۔

۵:۔ علامہ عبدالرحمان جزیری لکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۷۱۶۔

۶:۔ سید محمد سابق مصری لکھتے ہیں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور تمام مسلمان کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ فقہ السنۃ ج ۳ ص ۲۷۴۔

ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ قربانی سنت مؤکدہ شعار دین اور شرائع اسلام میں سے ہے اور ۲ھ سے لے کر آج تک کسی اہل علم کو اس کی مشروعیت کے بارے میں نہ صرف کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

مغالطہ ۳:۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اعلان کیا کہ قربانی کے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں۔

امام ابن حزم کا نظریہ:۔ جواب:۔ یہ امام ابن حزم ایسے جلیل القدر امام اور محدث پر صریح بہتان عظیم ہے کہ انہوں نے قربانی کے متعلق تمام احادیث ضعیف کہہ دیا ہے جیسا کہ ان کی دو کتاب محلی ابن حزم کی کتاب الاضاحی پروفیسر صاحب کے اس ادعاء کی تکذیب و تردید کے لئے شاہد عدل ہے "المحلی" کی کتاب الاضاحی ج ۷ ص ۳۵۵ تا ۳۸۸۔ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے ان چونتیس صفحات میں اپنے مخصوص علمی اسلوب اور محدثانہ انداز میں قربانی کے سترہ احکام و مسائل پر زوردار بحث فرمائی ہے، اس علمی بحث میں آپ نے قربانی کے بعض مسائل میں ائمہ اربعہ اور محدثین کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا موقف علیحدہ اختیار کیا ہے اور اپنے موقف کے اثبات میں جا بجا احادیث صحیحہ سے استدلال فرمایا ہے۔ پوری بحث قابل قدر اور دیدنی ہے چند مثالیں یہ

۱:۔ مسئلہ:۔ احناف کے ہاں کھیرے مینڈھے کی طرح کھیرے بکرے کی قربانی جائز ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک مینڈھے اور بکرے کا دو دانتا ہونا ضروری ہے تاہم دو دانت نہ ملنے پر جمہور صرف کھیرے مینڈھے کی قربانی کے قائل ہیں، کھیرے بکرے کی قربانی کے قائل نہیں. جب کہ امام ابنِ حزم کے نزدیک بوقت مجبوری بھی کھیرا جانور قربانی کرنا جائز نہیں نہ بکرا اور نہ مینڈھا۔ وہ دو دانت جانور کی شرط عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ احناف اور جمہور کے خلاف حجت قائم کرتے ہوئے صحیحین کی درج ذیل احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں۔

۲:۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ میرے خالو ابو بُردہؓ نے نماز عید سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر ڈالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک قربانی اور ذبح کرو، تو میرے خالو نے عرض کیا کہ حضرت! اب تو میرے پاس ایک کھیری پٹھیا ہے جو دو بکریوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ نے فرمایا چلو وہی ذبح کر دو، لیکن کھیرا مینڈھا آپ کے بعد کسی اور کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ محلی ابنِ حزم ج ۷ ص ۳۶۲، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۴، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ صحیح مسلم ج ۲ ۱۵۵۲۔

مسئلہ ۲:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قربانی کو واجب کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جو شخص نمازِ عید سے پہلے قربانی ذبح کرے تو وہ ایک اور قربانی ذبح کرے، امام ابنِ حزم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال سے اختلاف کرتے ہوئے نفس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ محلّیٰ جلد ۷، ص ۳۵۷۔

مسئلہ ۳:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مسافر اور حاجی کو قربانی کی چھوٹ دیتے ہیں، جبکہ امام ابنِ حزم مسافر اور حاجی کے لئے بھی قربانی کو سنت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ امام ابوحنیفہ رح کے مسلک پر نکیر کرتے ہوئے اپنے مؤقف کے ثبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث لائے ہیں جو صحیح بخاری میں مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حجۃ الوداع سے واپسی پر سرف کے مقام پر فروکش تھیں تو میرے پاس گائے کا ڈھیر سارا گوشت لایا گیا۔ تو میں نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے۔ تو لانے والوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی ہے، محلّیٰ ابن حزم ج ۷، ص ۳۷۳ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲، لہٰذا ثابت ہوا کہ حاجی اور مسافر کے لئے بھی قربانی سنت ہے اسی طرح اور مسائل میں بہت سی صحیح احادیث لائے ہیں، جنہیں اختصار کے پیش نظر قلمزد کیا جاتا ہے، غرضیکہ ان پانچ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ پروفیسر صاحب کے اس ادعا میں پشہ کے پر کے برابر بھی صداقت نہیں کہ امام ابن حزم نے قربانی کے متعلق تمام احادیث کو ضعیف کہا ہے، ہاں آپ نے ان پانچ احادیث کو ضرور ضعیف کہا ہے، جن کے قائلین وجوب نے وجوب قربانی پر استدلال کیا ہے اور آپ ان احادیث کو ضعیف کہنے میں متفرد بھی نہیں ہیں۔ دوسرے تمام محدثین شارحین حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے بھی ان احادیث کو یا تو ضعیف قرار دیا ہے، یا پھر وجوب کے استدلال سے اختلاف کیا ہے، ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۰ ص ۲، ۳، سبل السلام ج ۴ ص ۹۱، اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶۔ ویسے امام شوکانی کا اپنا

۲ اس حدیث میں لفظ عتود کا آیا ہے عتود کا اطلاق بکرے پر آتا ہے۔

رجحان قربانی کے وجوب کی طرف ہے، تفصیل آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

وضاحت:۔ ان پانچ احادیث کو ضعیف کہنے کا یہ مطلب ہونا صحیح نہیں کہ امام ابن حزم سرے سے ہی قربانی کے قائل نہیں جیسا کہ پروفیسر صاحب نے قارئین کو یہ غلط تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے، کیونکہ امام موصوف نہ صرف قربانی کو سنت مانتے ہیں بلکہ یہ ان کے نزدیک سنت حسنہ ہے فرماتے ہیں۔ **الاضحیة سنة حسنة۔** محلی شرح کتاب الاضاحی ج ۷، ص ۳۵۵۔ کہ قربانی سنت حسنہ یعنی سنت مؤکدہ ہے، اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ندوی ج ۲ ص ۱۵۳ عمدۃ القاری للعینی الحنفی ج ا ص ۱۴۴۔ اور فتح الباری ج ۱۰ ص ۲، ۳ پر مرقوم ہے۔ یعنی جمہور اور امام ابن حزم کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے، جمہور قربانی کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں جبکہ امام صاحب اسی مفہوم کو سنت حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ:۔ پروفیسر صاحب نے امام ابن حزم کے حوالہ سے حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کو گمنام شخصیت لکھا ہے، جو صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مخنف رضی اللہ عنہ صحابی ہیں لہٰذا امام ابن حزم الیسا راسخ العلم اور وسیع المطالعہ شخص انہیں کس طرح گمنام شخصیت لکھ سکتا ہے اصل واقعہ یہ ہے آپ نے ان کے بیٹے حبیب بن مخنف کو گمنام شخصیت لکھا ہے، لہٰذا پروفیسر صاحب اور ان کے فاضل مترجم ایم اشرف صاحب اپنا ریکارڈ درست کرلیں تاکہ انہیں پھر کبھی یہ سبکی نہ ہو۔

مغالطہ ۴:۔ ان فقہاء نے اپنے اپنے مؤقف کی تائید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے عملی کردار سے بھی مدد لی ہے۔ ان کے نزدیک اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو قربانی کا حکم فرمایا ہوتا تو وہ کبھی اس حکم کی تعمیل میں ہچکچاہٹ نہ کرتے۔

ایک اور مغالطہ:۔ ہمارے فاضل پروفیسر صاحب نے اپنے اس مغالطہ میں دو دعوے کئے ہیں (۱) کچھ فقہاء ایسے بھی ہیں جو قربانی کے قائل نہیں۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہا کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔

جواب:۔ ان کا یہ دعویٰ کہ بعض فقہاء قربانی کے قائل نہیں۔ نرا مغالطہ اور سراسر خلاف واقعہ ہے، کیونکہ ہمارے علم و مطالعہ کے مطابق تمام فقہاء اسلام قربانی کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اگر ان کو اپنے اس ادعا پہ ناز ہے تو پھر ہمیں بھی بتلائیں کہ وہ فقہاء کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سنی ہیں یا شیعہ ہیں، سنی ہیں تو فقہاء اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہاء مذاہب اربعہ میں شمار ہوتے ہیں؟ اور اگر شیعہ ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی چوکٹا کیسا ہے؟ اور ان کا وہ کون سا فقہی سرمایہ ہے؟ جس میں انہوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے۔ تاکہ ہم بھی ان کی تحقیق سے روشناس ہو سکیں مگر ؎

ہم جانتے ہیں تم کو اور تمہاری زبان کو — وعدوں ہی میں گزار وگے موسم بہار کا

یہاں اس پر اکتفا کرتے ہیں، اس کا تفصیلی جواب دوسرے دعویٰ کے جواب کے ضمن ملاحظہ فرمائیے۔

جواب دعویٰ ثانی :- یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا، بوجوہ باطل ہے، اول اس لئے کہ یہ دعویٰ قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے ثانی اس لئے کہ یہ ان احادیث کثیرہ محکمہ کے خلاف ہے جو کتب صحاح میں صحیح اور متصل اسانید کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام رضی سے مروی ہیں جو یہ تصریح کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی قربانی کا صحابہ کو حکم دیا خود مسلسل دس سال سفر و حضر میں اس پر عمل فرمایا اور امت میں اس کو سنت اسلام کی حیثیت سے جاری فرمایا ثالث یہ دعویٰ ان احادیث مرفوعہ متصلہ کے بھی خلاف ہے جو عہد صحابہ میں قربانی کے عام رواج اور شیوع پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان تینوں کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

قربانی اور قرآن مجید :- قرآن مجید میں جس مخصوص انداز میں جہاں دوسرے مسائل زندگی کا بیان موجود ہے، وہاں قربانی کی مشروعیت، تاریخ اور تفصیل بھی موجود ہے چنانچہ سورۂ حج میں ہے، اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے مویشیوں پر اس کا نام ذکر کریں۔ الحج ۳۴۔

مفسرین کی تصریحات :- امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر بعد کی تمام امتوں میں قربانی مشروع چلی آرہی ہے اور مَنْسَكٌ زبر کے ساتھ قربانی کے معنیٰ میں ہے۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۳۲۔

امام ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہا ہے کہ اس کے نام قربانیاں ذبح کرنا اور خون بہانا تمام امتوں میں ایک مشروع عمل چلا آرہا ہے، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۱۔

امام شوکانیؒ ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں :- المنسك ههنا المصدر من نسك ينسك اذا ذبح القربان والمعنى وجعلنا لكل اهل دين من الاديان ذبحا يذبحونه ودما يريقونه فتح القدير ج ۳ ص ۲۲ کہ مَنْسَكٌ یہاں نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے جس کا معنیٰ ہے قربانی ذبح کرنا۔ اور آیت مقدسہ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تمام اہل ادیان پر قربانی ٹھہرائی جو وہ ذبح کرتے تھے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل تصریح کر دی کہ یہاں منسک کے معنیٰ قربانی ہی ہیں۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی رقمطراز ہیں، جتنے مویشی ہیں ان کا حق یہی ہے کہ کام لے لیجئے پھر کعبے کے پاس لے جا کر نیاز چڑھا دیجئے۔ یہ بات دشوار ہے تو یہاں بسم اللہ، اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا یہ نشانی ہے کہ اللہ کی نیاز کعبے کو چڑھایا دور ہویا نزدیک، موضح القرآن ص۔

شاہ صاحب نے اس مختصر سی تفسیر میں قربانی کی پوری حقیقت سمو کر رکھ دی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م۔ قربانی کے اسرار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الذبح لا يكون قربة الا تشبها بالحاج. حجۃ اللہ ج ۱ ص ۹۹۔ یہ قربانی حاجیوں سے عملی تشابہ کیلئے ہی تو ہے۔

دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں۔ يوم الاضحى فيه تشبه بالحاج وتعرض لنفحات الله تعالىٰ المعدة لـ

حجۃ اللہ ج ١ ص ٩٩۔ مکہ مکرمہ سے باہر دوسرے اکناف کے مسلمانوں کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ حاجیوں سے مشابہت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے اس فیضان سے مستفیض ہوں جو ان کے لئے تیار فرمایا گیا ہے۔

قربانی کا یہ طریقہ جس طرح پہلی امتوں کے لئے ہے اسی طرح ہماری شریعت محمدی میں بھی مقرر کیا گیا ہے۔

٢۔ **آیت نمبر ٢:**۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے میں سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔ سورۃ انعام ١٦٢ و ١٦٣۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ مشرکین پر واضح کر دیں کہ تم جو غیر اللہ کی نماز پڑھتے ہو، اور غیر اللہ کے نام قربانی کرتے ہو میں اس طریق عبادت کے سخت مخالف ہوں کہ میری نماز بھی خالصۃ اللہ کے لئے ہے اور میری قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ١٩٨ و فتح القدیر ج ٢ ص ١٨٥۔

٣۔ **مفسرین کے ارشادات:**۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ الکوثر ٢۔ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

تقریباً تمام قدیم وجدید مفسرین کے نزدیک "النحر" سے مراد دس ذوالحجہ کی قربانی ہے چنانچہ مفسر فخر الدین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ٦٠٦ھ، امام ابن کثیر ٧٧٤ھ، مفسر شوکانی ١٢٥٠ھ مفسر محمود الوسی حنفی ١٢٧٠ھ، مفسر قرطبی مالکی ٦٧١ھ نواب سید صدیق حسن اور شیخ احمد مراغی ١٩٤٥ء وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ مفسرین نے اس کے علاوہ اور معنیٰ بھی کئے ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ ان دلائل قاطعہ اور نصوص ساطعہ سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ قربانی بلاشبہ مشروع اور شعار اسلام میں سے ہے۔ بلکہ مسئلہ قربانی کے منکرین کے اس مغالطہ کی بھی قلعی کھل گئی کہ قرآن میں جس قربانی کا تذکرہ ہے وہ تو صرف مکہ میں منیٰ کے میدان میں حاجی کے ساتھ خاص ہے، اب یہاں پر تو کوئی حج وغیرہ کا ذکر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ساری امت کو قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا عید الاضحیٰ کی قربانی کا انکار اصل میں قرآن نافہمی کی بات ہے، اعاذنا اللہ منہ

قربانی کے متعلق حضورؐ کے ارشادات وتعامل:۔ قرآن مجید کی تین آیات مقدسہ سے قربانی کا ثبوت بہم پہنچانے کے بعد اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے کیا کچھ ارشادات فرمائے ہیں۔ یوں تو مسئلہ قربانی اور اس کے مفصل احکام تفسیر وحدیث کی کتابوں میں درج ذیل انیس صحابہ کرام سے مروی ہیں جضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت براءؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت جبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت مخنفؓ بن سلیم، حضرت بریدہؓ، حضرت ابورافعؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت جندبؓ، حضرت عویمر بن اشقر وغیرہ۔ تاہم اختصار کے پیش نظر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے صرف دس فرامین مقدسہ حوالہ قرطاس کیے جاتے ہیں۔ پڑھیئے اور پروفیسر صاحب کو ان کی ہمہ دانی کی داد دیجئے۔

۱۔ عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام الخ رواہ احمد وابن ماجۃ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۲۲۱ ومشکوٰۃ ص۱۲۹ ونیل الاوطار ج ۵ ص۱۲۳۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا یہ قربانیاں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔

۲۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ما عمل ادمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم الخ رھذا حدیث حسن غریب، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۲ ص۳۵۲ وابن ماجہ ص۲۳۳۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے دن کسی شخص کا کوئی عمل اللہ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ خون بہائے۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وجد سعۃ فلم یضحی فلا یقربن مصلانا۔ ابن ماجہ ص۲۳۲ رواہ احمد، نیل الاوطار ج ۵ ص۱۲۳۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صاحب حیثیت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

۴۔ حضرت براء بن عازب کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن خطبہ ارشاد فرمایا:۔

انّ اوّل ما نبدأ بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا الخ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۴ وصحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۴ ومحلّی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۳۔

آج کے دن ہم پہلے نماز عید پڑھتے ہیں پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں، لہٰذا جس نے اس طریقہ کے موافق عمل کیا اس نے ہماری سنت پا لی۔[۱]

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ من ذَبَحَ قَبْلَ الصلوٰۃِ فَلْیُعِدْ کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔

۶۔ حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فلیعد مکانھا اُخْریٰ۔ کہ جس نے نماز سے قبل قربانی کر لی ہو وہ اس کے بدلے دوسری قربانی کرے۔ رواھما بخاری ص ۸۳۴ جلد ۲۔

۷۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال قحط کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔ اگلے سال جب ہم نے پوچھا تو فرمایا کلوا واطعموا وادّخروا۔ کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرلو۔ صحیح بخاری ج ۲ ص۸۳۵ اور موطا امام مالکؒ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی

۱؎ ذخیرہ کرلو۔ بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ابتداء میں صحابہ کی حالت نازک تھی۔ کئی کئی دن فاقے پڑتے تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (باقی اگلے صفحہ پر)

ایسا ہی مروی ہے۔ مؤطا ص ۴۹۶ ۔

۱۸۔ ان عویمر بن اشقر ذبح اضحیتہ قبل ان یغدو یوم الاضحی وانہ ذکر ذالک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرہٗ ان یعود باضحیۃ اخریٰ۔ موطا امام مالک ص ۴۹۵ ۔

جناب عویمر رضی اللہ عنہ نے عید قربان کے دن نماز عید کو جانے سے قبل قربانی کرلی۔ اور پھر اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔

۱۹۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الاضحی یوم تضحون۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۷۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ الاضحی یوم یضحی الناس ہیں تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۱ ۔

الاضحیٰ (عید قربان) وہ دن ہے جس میں لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔

۱۰۔ عن حنش قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہٗ۔ ابو داؤد مع شرح عون المعبود ج ۳ ص ۵۰۔ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۴۔ حنش کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی دیتا رہوں۔ چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیا کرتا ہوں۔

تلک عشرۃ کاملۃ وھل فیھا کفایۃ لمن لہٗ ادنیٰ درایۃ۔

قربانی کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا دس سالہ عمل مبارک۔ (۱) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکفاء الی کبشین اقرنین املحین فذبحھما بیدہٖ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز عید کے بعد) چتکبرے بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی طرف لپکے اور ان کو اپنے ہاتھ سے قربان کیا۔

۲۔ عن ابن عمر قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال مقیم رہے، اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

۳۔ عن نافع ان ابن عمر اخبرہٗ قال کان رسول اللہ یذبح وینحر بالمصلی۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳، عون المعبود ج ۳ ص ۵۶ و ۵۸ وابن ماجہ ص ۲۳۵۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ ہی میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے۔

عن ابی رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین ثم یقول ھذا عن محمد وال محمد فیعطیھما جمیعا للمساکین ویاکل ھو واھلہ منھما رواہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نے اس کو رواج دیا تھا، لیکن یہ بات محل نظر ہے ذخیرہ کرنے کی اجازت سے پتہ چلتا ہے کہ اب فاقوں والی بات نہیں رہی۔ اس سے پہلی امتوں میں بھی قربانی رائج تھی، کیا وہ سب بھوکوں مر رہے تھے۔ ؟ (زبیدی)

احمد وابن ماجۃ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۲۔

۴:۔ حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی دیا کرتے تھے۔ تو دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے دنبے خریدا کرتے تھے۔ جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہو چکتے تو ایک دنبہ آپ کے پاس لایا جاتا جسے چھری سے خود ذبح کرتے، پھر دوسرا پیش کیا جاتا تا اُسے بھی آپ ہی ذبح فرماتے اور فرماتے یہ محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرف سے ہے توان سے خود بھی کھاتے، گھر والے بھی کھاتے اور مسکینوں کو بھی کھلاتے۔

۵:۔ عن عقبۃ بن عامر الجھنی قال قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہٖ ضحایا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲۔ عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے۔

۶:۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ازواجہٖ بالبقر۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲ و محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے سفر میں گائے کی قربانی کی۔

۷:۔ عن جابر بن عبداللہ قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید بکبشین۔ ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے قربانی کئے۔

۸:۔ عن ابی بکرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ثم نزل فدعا بکبشین فذبحھما ھذا حدیث صحیح تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کا خطبہ پڑھا پھر منبر سے اترے اور دو مینڈھے منگوائے اور ان کی قربانی کی۔

۹:۔ عن بریدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغدو یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی فیأکل من اضحیتہٖ رواہ احمد والترمذی وصححہ ابن حبان سبل السلام ج ۲ ص ۶۵۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ عیدالفطر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے بغیر نماز عید کے لئے نہیں نکلتے تھے، اور عیدالاضحی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھاتے تھے، اور واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔

۱۰:۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہٗ قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیتہٗ ثم قال یا ثوبان اصلح لحم ھذہٖ فلم ازل اطعمہٗ منھا حتی قدم المدینۃ۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۹۔ حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اپنی قربانی ذبح فرمائی، پھر مجھے فرمایا کہ اس قربانی کا گوشت سنبھال رکھو میں آپ کو برابر اس کا گوشت کھلاتا رہا تا آنکہ آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

عہد نبوی میں قربانی کا عام رواج:- ۱- حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے لیے صحابہ رضؓ میں جانور تقسیم فرمائے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲/۱ور ترمذی کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ قربانی کے لیے بکریاں تقسیم فرمائیں تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶

۲- عن البراء قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فی یَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا یَذْبَحَنَّ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُصَلِّیَ۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۹۔ حضرت براء بن عاذب رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ نماز عید ادا کرنے سے پہلے کوئی شخص قربانی نہ دے۔

۳- عن ابن عباس قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فی سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰی فَذَبَحْنَا البقرۃ عَنْ سَبْعَۃٍ وَالْبَعِیْرَ عَنْ عَشَرَۃٍ رواہ الخمسۃ الا ابا داود وحسنہ الترمذی ویشھد لہ ما فی الصحیحین من حدیث رافع بن خدیج انہ صلی اللہ علیہ وسلم قَسَمَ فَعَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِیْرٍ۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۵ و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ تو سفر ہی میں عید قربان آگئی۔ تو ہم نے گائے میں سات سات اور اونٹ میں دس دس آدمیوں نے مل کر قربانی دی۔

۴- قَالَ ابو ایوب کان الرجل فی عَہْدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُضَحِّی بِالشَّاۃِ الْوَاحِدَۃِ عَنْہُ وَعَنْ اَہْلِ بَیْتِہٖ فَیَاْکُلُوْنَ وَیُطْعِمُوْنَ۔ رواہ الترمذی وصححہ وابن ماجۃ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۴۔ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۷۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتا تھا۔ تو اسی سے کھاتے اور کھلاتے تھے۔

قربانی کا صحابہ رض سے ثبوت:۔ ۱۔ عن محمد بن سیرین قال سالت ابن عمر عن الضحایا اواجبة، قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون من بعدہ وجرت به السنة ابن ماجة ص ۲۳۲۔ حضرت محمد بن سیرین تابعی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور آپؐ کے بعد والے مسلمانوں نے قربانی کی اور قربانی کی یادگار جاری ہے۔

۲۔ قال یحییٰ بن سعید سَمِعتُ اَبا اُمامَةَ بنَ سَهلٍ قَالَ کُنَّا نُسَمِّنُ الاُضحِیَّةَ بِالمَدِینَةِ وَکَانَ المُسلِمُونَ یُسَمِّنُونَ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳۔ وابن کثیر ج ۳ ص ۲۱۹۔ کہ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں میں نے حضرت ابو امامہ رض سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم (یعنی صحابہ) مدینہ میں قربانیاں موٹی کرتے تھے۔ اور سب مسلمان بھی یہی کرتے تھے۔

۳۔ عامر شعبی ف ۱۰۴ھ جیسے کبیر تابعی جنہیں پانچ سو صحابہ رض سے ملاقات کا شرف حاصل ہے فرماتے ہیں ادرکت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھم متوافرون کانوا یذبحون البقرة والبعیر عن سبعة۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۸۲۔۔۔۔ میں نے بہت سے صحابہ رض کو پایا ہے کہ وہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی مل کر قربانی دیتے تھے۔

۴۔ ابراہیم نخعی تابعی ف ۹۶ھ فرماتے ہیں۔ کان اصحاب محمد صلعم یقولون البقرة والجذور عن سبعة محلی ج ۷ ص ۳۸۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ، گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔

۵۔ امر ابوموسیٰ بناتِہِ ان یضحین بایدیھن۔ صحیح بخاری ج ۲۔ص ۸۳۴۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی ذبح کریں۔

۶۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں عید اور قربانی کے مسائل بیان فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ ومسلم ج ۲ ص ۱۵۷۔

۷۔ عن نافعٍ ان عبداللہ بن عمر ضحّٰی مَرَّةً بِالمَدِینَةِ قَالَ نَافِعٌ فَاَمَرَنِی اَن اَشتَرِیَ لَهُ کَبشًا فَحِیلًا اَقرَنَ ثُمَّ اَذبَحَهُ یَومَ الاَضحٰی فِی مُصَلَّی النَّاسِ قَالَ نَافِعٌ فَفَعَلتُ ثُمَّ حُمِلَ

عن عبداللہ بن عمر وکان مریضا لم یشھد العید مع المسلمین۔ موطا امام مالک ص ۴۹۵۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نے مدینہ میں قربانی کی نافع رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں چنانچہ مجھے حکم دیا کہ میں حضرت کے لیے موٹا تازہ سینگ دار مینڈھا خریدوں پھر اسے عیدالاضحیٰ کے روز عیدگاہ میں ذبح کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ ذبح کیا ہوا مینڈھا آپ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اور آپ اس دن صاحب فراش تھے حتیٰ مسلمانوں کے ساتھ نماز عید میں بھی شرکت نہ کر سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی نظر میں قربانی کی کس قدر اہمیت تھی۔ کہ بیماری کی وجہ سے نماز عید میں شریک نہ ہو سکے لیکن قربانی فوت نہیں ہونے دی۔

حاصل احادیث:۔ مذکورہ بالا احادیث صحیحہ اور بکثرت دوسری احادیث جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں سب کی سب اپنے مضمون میں متفق ہیں۔ اور ان سے درج ذیل دس نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو عیدالاضحیٰ کی قربانی کا حکم دیا۔

۲۔ خود وفات تک برابر دس سال اس پر عمل فرمایا اور اپنی وفات سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو وصیت فرمائی کہ میری طرف سے قربانی کرتے رہنا۔ اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے کس قدر پیار تھا۔

۳۔ مسلمانوں میں اس کو سنت الاسلام اور شعار دین کی حیثیت سے رواج دیا۔

۴۔ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی ذبح کرنا سنت المسلمین ہے۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب صحابہ رضی اللہ عنہ، میں قربانی کے جانور تقسیم فرماتے تھے تاکہ وہ بھی اس سنت پر عمل درآمد کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

۶۔ عید قربان کے دن عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھانا چاہیے اور واپس آکر اپنی قربانی کے گوشت کے ساتھ کھانا تناول کرنا سنت ہے۔

۷۔ سفر کے دوران بھی صحابہ رضی اللہ عنہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی ترک کرنا گوارا نہ فرماتے تھے۔

۸۔ اونٹ کی قربانی میں دس دس اور گائے کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت جائز ہے

۹۔ صحابہ کے زمانہ میں قربانی کا عام رواج تھا۔ اور ان میں قربانی کا شوق اتنا فراواں تھا کہ وہ اپنی قربانیوں

کو خوب موٹا تازہ کرتے تھے۔ گویا قربانی افزائش نسل کا سبب بن گئی۔ آج بھی اس طرز عمل سے مویشیوں کی نسل میں برکت آسکتی ہے۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ صرف شعائر اسلام پر اعتراض کرنا جانتے ہیں۔ عمل کرنا نہیں جانتے۔

۱۰۔ صحابہ کرام بیماری کے باوصف قربانی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قربانی کے منکرین کے اس دعویٰ میں قطعاً کوئی صداقت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔ فافھم ولا تکن من القائمین المعاندین۔

ملحوظہ:۔ یہ بھی ملحوظ رہے کوئی ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی کہیں موجود نہیں ہے جو یہ بتاتی ہو کہ عید قربان کی یہ قربانی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات پھر جان لینی چاہیے کہ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں نہ کوئی عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس لیے ان تمام احادیث میں لازماً بس اسی عید اور قربانی کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے ؎

ایں راہ منزل قدس است میندیش دبیا میل ازیں راہ خطا باشد بیں تانکنی

منکرین قربانی سے ایک سوال:۔ سطور بالا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے قول و عمل میں سے ان چند باتوں کو زیب قرطاس بنایا گیا ہے جن سے بسہولت تام یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت ؐ، اور عہد صحابہ رضؓ میں قربانی کا تصور کیا تھا۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ کیا تھا۔ یہ احادیث اصول روایت اور اصول درایت دونوں لحاظ سے اس قدر تسلی بخش ہیں کہ ان پر کوئی نقد و جرح ممکن نہیں۔ اب پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور ان جیسے دوسرے تحقیق گزیدہ دانشور جو آج مسئلہ قربانی کو اپنی نئی نئی تجویزوں کا نشانہ بنائے ہیں اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کے لیے ایک نیا اختراعی تصور پیش کرنے میں جتے ہوئے ہیں۔ وہ یا تو ثابت کریں کہ یہ تمام احادیث جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل واضح ہوتا ہے، سرے سے وضعی اور خانہ ساز ہیں۔ اور ان احادیث کو (معاذ اللہ) فلاں مولوی نے فلاں دور میں وضع کیا تھا۔ یا کسی قدیم نوشتہ سے ان کو نقل کیا تھا۔ اور پھر انہیں بڑی چابکدستی کے ساتھ امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور دیگر محدثین کے کانوں میں پھونک دیا تھا اور ان نیک دل آئمہ کرام

نے بالاتفاق اور بے چون وچرا بغیر کسی تحقیق وتمحیص کے ان موضوع روایات کو اپنی کتابوں کی زینت بنا دیا۔ بس یہ اصلیت ہے۔ موطا امام مالکؒ، کتاب الام الشافعیؒ، مسند امام احمدؒ، صحیح بخاریؒ، الصحیح مسلم اور سنن اربعہ کی ان روایات کی، اگر یہ بات ان تحقیق گزیدہ افراد سے ثابت نہ ہو سکے اور وہ ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے۔ پھر ہمیں یہ بتانا چاہیے کہ مسئلہ قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے روشن طرز عمل کے ہوتے ہوئے ان کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ قربانی کے متعلق اپنا بنا سبیتی متبادل طرز عمل ملتِ اسلامیہ کے سامنے پیش کرتے پھریں ؎

مسلم از سر نبی بیگانہ شد　　باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد

قربانی اور فقہاء مذاہب کا اتفاق: مسئلہ قربانی کے متعلق فقہائے کرام کی رائے اور ان کے مذاہب مکمل شرح وبسط کے ساتھ ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور قربانی کی مشروعیت یعنی اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام فقہاء اسلام متفق ہیں۔ مؤلفین صحاح ستہ نے اپنی اپنی صحیح میں قربانی کے لیے مستقل باب باندھے ہیں۔ اور اسی طرح حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور ظاہری مسلک کی کلیدی کتب میں بھی یہی انداز پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب "کتاب الاضاحی یا کتاب الضحایا (قربانیوں کا باب) کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں فقہاء مذاہب ان کی متداول کتابوں میں "کتاب الضحایا" کو کتاب الذبائح (ذبیحوں کا بیان) کے بعد متصل لکھا گیا ہے۔ حالانکہ "باب الھدی (حاجی کی قربانی کا باب) کو تمام فقہاء کتاب الحج میں لائے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہاء مذاہب حاجی کے علاوہ تمام مسلمانوں کے لیے عام قربانی کے بھی قائل ہیں۔ اور کتاب الضحایا میں وہ اسی قربانی کے احکام درج کرتے ہیں۔ اور قربانی کی اس قسم کو وہ حج یا مکہ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ باب بھی کتاب الحج کے ضمن میں مذکور ہوتا۔ اس ضروری وضاحت کے بعد ائمہ مذاہب کی آراء سلامیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ **امام ابوحنیفہؒ اور قربانی:** صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اما الوجوب فقول ابی حنیفة ومحمد و زفر والحسن واحدی الروایتین عن ابی یوسف ھدایہ ج ۴ ص ۴۴۳۔ امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، زفرؒ، امام حسنؒ اور ایک روایت کے مطابق امام یوسف قربانی کو واجب کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۷، بدائع الضائع للکاسانی حنفی ج ۵ ص ۶۱، ۶۲ و فتح القدیر ج ۸ ص ۲۵م

وردالمحتار ج ۶ ص ۳۱۱ تا ۳۱۳ عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۴۴۔

۲۔ امام مالکؒ متوفی ۱۷۹ فرماتے ہیں :۔ الضحیة سنة ولیست بواجبة ولا احب لاحد من قوی علی ثمنها ان یترکها موطا امام مالکؒ ص ۴۹۷ ور قربانی سنت ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی خرید کر سکتا ہو اس کے لیے قربانی کا ترک کرنا اچھا نہیں۔

بدایة المجتهد لابن رشد مالکی میں ہے وروی عن مالک مثل قول ابی حنیفه ج ۱ ص ۳۶۴۔
اور امام مالکؒ سے امام ابو حنیفہ کے موافق قول نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ مجدد شریعت امام شافعیؒ ف ۲۰۴ھ فرماتے ہیں۔ الضحایا سنة لا نحب تركها۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۹ ۔قربانیاں سنت ہیں ہم قربانی کے ترک کو پسند نہیں کرتے مزید تفصیل نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳ و نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ ف ۲۴۱ کا مذہب قال الشافعی و احمد ھی مستحبة الا ان احمد قال لا یستحب ترکها مع القدرة علیها۔ الافصاح علی المذاہب الاربعة لابن ھبیرہ الحنبلی ف ۵۶۰ھ ج ۱ ص ۳۰۵۔
کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قربانی مستحب استقا ہے تاہم امام احمد نے کہا ہے کہ استطاعت کے ہوتے ہوئے اس کا ترک مستحب امر نہیں۔
شیخ الاسلام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی ف ۶۲۰ھ نے قربانی کو سنت مؤکدہ لکھا ہے ۔ عمدہ الاحکام مع شرح المقنع ج ۱ ص ۲۸۱۔

۵۔ امام ابن حزم ظاہریؒ ف ۴۵۶ھ فرماتے ہیں الاضحیة سنة حسنة ولیست فرضا ومن ترکها غیر راغب عنها فلا حرج علیه فی ذالک۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۵۷۔ کہ قربانی سنت حسنہ ہے فرض نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی وقت اس نیت سے چھوڑ دے کہ یہ فرض نہیں تو اس پر کوئی حرج نہ ہوگا۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں :۔ واما حکمها فهو السنیة فالاضحیة سنة مؤکدة یثاب فاعلها ولا یعاقب تارکها وهذا القدر متفق علیه فی الحقیقة ولكن قالوا الحنفیة انها سنة عین مؤکدة لا یعذب تارکها بالنار الفقه علی المذاہب الاربعة ج ۱ ص ۷۱۶۔

کہ قربانی سنت موکدہ ہے قربانی کرنے والے کو ثواب ہوگا۔ اور قربانی سنت مؤکدہ عینی ہے تارک کے لیے عذاب کے وہ بھی قائل نہیں۔

۶۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی ف ۸۵۲ کا تفصیلی نوٹ:۔ فرماتے ہیں۔ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع اسلام میں سے ہے اختلاف صرف اتنا ہے کہ شوافع اور جمہور کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور ایک روایت کے مطابق شوافع کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک واجب ہے مگر صرف آسودہ حال پر (مسافر اور حاجی پر نہیں) امام مالک رح سے بھی یہی قول منقول ہے ایک روایت کے مطابق، لیکن امام مالک رح کے نزدیک مسافر پر بھی قربانی واجب ہے۔ اور امام اوزاعی رح۔ امام ربیعہ رح اور امام لیث سے بھی امام مالک رح کے قول کے مطابق فتویٰ منقول ہے۔ البتہ احناف میں سے امام ابو یوسف رح اور مالکیہ میں سے امام اشہب نے اپنے آئمہ سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور سے اتفاق کیا ہے۔امام احمد نے فرمایا جس شخص میں قربانی دینے کی استطاعت ہو پھر اس کا قربانی نہ دینا مکروہ امر ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی سے روایت یوں ہے کہ قربانی سنت ہے۔ لیکن اس سنت کے ترک کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۔ ا ص ۲۔

۷۔ شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ ف ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:۔ وھی مشروعۃ اجماعا لقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم (عظموا ضحایاکم) الخبر ونحوہ۔ البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۰۔ کہ قربانی باجماعِ امت مشروع ہے مزید لکھتے ہیں۔ قلنا اخبارنا دلیل کونہا للندب البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۱۔ ہماری پیش کردہ احادیث کے مطابق قربانی ایک مستحب امر ہے۔

۸۔ شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ القمی شیعہ ف ۳۸۱ لکھتے ہیں:۔ عن ابی جعفرؒ قال الاضحیۃ واجبۃ علی من وجد من صغیر او کبیر وھی سنۃ۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۹۲ باب الاضاحی۔ حضرت ابو جعفر باقر فرماتے ہیں کہ قربانی سنت ہے اور چھوٹے بڑے صاحب استطاعت پر قربانی کرنا ضروری امر ہے۔

ان فقہی حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے پر تمام شیعہ سنی فقہاء اسلام کا اجماع و اتفاق ثابت ہے۔ اور کسی ایک فقیہ کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا لہٰذا ثابت ہوا کہ پروفیسر

صاحب کا دعویٰ تو امغالطہ، سراسر دھوکہ اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک عامیانہ جسارت ہے اگر اب بھی ان کو اپنے اس دعاء پر ناز ہو تو پھر ہمیں بھی اپنے ان فقہاء کا پتہ دیں جو قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے قائل نہیں۔ کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سنی ہیں یا شیعہ، سنی ہیں تو وہ فقہاء اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہاء مذاہب اربعہ میں سے، اور اگر شیعی ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی اور عملی چوکھٹا کیسا ہے؟ ان کا وہ کونسا فقہی سرمایہ ہے جس میں انہوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے؟ تاکہ ہم بھی ان کے موقف کا جائزہ لے سکیں۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ ے

لاؤ تو سہی ذرا ہمیں بھی تو دیکھ لوں کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

یہ بھی یاد رکھیے! کہ مذکورہ بالا فقہاء اسلام کا یہ اجماع و اتفاق قربانی کے مشروع و مسنون امر ہونے پر بذاتِ خود ایک مستقل اور ناقابلِ انکار شہادت ہے۔ کیونکہ ان فقہاء کرام کا زمانہ عہد نبوت اور عہد صحابہ رضی سے اتنا قریب تھا۔ کہ وہ بڑی آسانی سے شرعی احکام و مسائل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل معلوم کر سکتے تھے کہ تحقیق و تفحص کے تمام ذرائع موجود تھے۔ دیکھئے ائمہ اربعہ کے زمانہ ولادت و وفات کا نقشہ یہ ہے امام ابو حنیفہ رح ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ امام مالک رح ولادت ۹۳ھ سال وفات ۱۷۹ھ (۳) امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ (۴) امام احمد رح ولادت ۱۶۴ھ اور وفات ۲۴۱ھ ہے۔ مثلاً امام مالک رح نے اسی مسئلہ قربانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث صرف دو راویوں کے واسطہ سے نقل فرمائی ہے۔ یعنی امام مالک رح نے ابن زبیر مکی سے انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سلمی سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث سنی۔ موطا ص ۴۹۶۔ اسی طرح امام مالک رح نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رض کے اقوال و آثار صرف ایک واسطہ سے روایت کئے ہیں۔ یعنی امام مالک رح نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا طرز عمل اور ان کے آثار صرف ایک تابعی حضرت نافع کے واسطہ سے روایت کیے ہیں۔ موطا ص ۴۹۵ و ۴۹۷ -

امام ابو حنیفہ رح تو امام مالک رح سے تیرہ برس بڑے ہیں۔ آپ کا مولد و مسکن شہر کوفہ رہا کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ تھا۔ امام ابو حنیفہ رح کی ولادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے درمیان صرف چالیس برس کا فاصلہ ہے۔ امام موصوف کے زمانہ میں ایسے لوگ ہزاروں ہزار موجود تھے۔

جنہوں نے خلفاء راشدین کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور صحابہ کرام کی صحبت پائی تھی۔ ایسے ہیں ان فقہاء کے بارے میں کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ان کو یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل آڑے آسکتی تھی کہ قربانی کا یہ طرزِ عمل کب سے اور کیسے رائج ہوا اور کس نے اسے رواج دیا؟ یہی حالت پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تمام فقہاء کی ہے۔ ان سب کا زمانہ عہدِ نبوت اور عہد صحابہ سے اتنا قریب تھا کہ ان کے لیے سنت اور بدعت کے درمیان تفریق کرنا کوئی بڑا مشکل امر نہ تھا۔ اور وہ آسانی کے ساتھ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکتے تھے۔ کہ جو عمل سنت نہ ہو اسے سنت یاد کر بیٹھیں۔

امت کا تواتر عمل:۔ قربانی کے مشروع و مسنون عمل ہونے پر اس شہادت کے علاوہ ایک اور اہم ترین شہادت امت کے متواتر عمل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی جس روز سے شروع فرمائی اسی روز سے وہ امت مسلمہ میں عملاً رواج پا گئی اور اس تاریخ سے آج تک دنیا کے تمام اطراف و اکناف میں تمام مسلمان ہر سال مسلسل اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے چودہ سو سال تسلسل میں کبھی ایک سال کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ ہر نسل نے پہلی نسل سے اس کو سنت المسلمین کے طور پر لیا ہے۔ اور اپنے سے بعد والی نسل کی طرف اسے منتقل کیا ہے۔ یہ ایک ایسی عالمگیر سنت ہے۔ جو ایک ہی انداز میں دنیا کے ہر اس شہر اور قریہ میں ادا ہوتی چلی آرہی ہے۔ جہاں کوئی مسلمان آباد رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسا متواتر عمل ہے جس کی زنجیر ہمارے عہد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اس طرح مسلسل قائم ہے کہ اس کی ایک کڑی بھی کہیں سے غائب نہیں ہوئی۔ دراصل یہ ویسا ہی تواتر ہے جس تواتر کے برتے ہم نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانا ہے۔ اور عرب کے دُرِّ یتیم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول تسلیم کیا ہے۔ کوئی فتنہ گر اس تواتر کو بھی اگر مشکوک قرار دینے کی ٹھان لے تو پھر اسلام میں کونسی چیز شک سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ ؎

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ   ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

مختصر یہ کہ قربانی کی اصل نوعیت یہ ہرگز نہیں کہ ہماری تاریخ کا کوئی دور ایسا گزرا ہو جس میں کسی معتمد فقیہ نے قربانی ایسی سنت مؤکدہ کو مشکوک ٹھہرایا ہو۔ (والحمد اللہ علی ذالک)

مغالطہ ۵: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ اوّل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی نے اپنی تمام زندگی بھر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں کی۔ محض اس لیے کہ پیروکار یہ نہ سمجھ لیں کہ قربانی ایک واجب عبادت ہے۔ محلی ابن حزم ج ۷، ص ۳۵۸۔

جواب ۱۔ اس اثر سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک عیدالاضحیٰ کی قربانی کی مشروعیت محل نظر تھی بوجوہ غلط محض اور سراسر خلاف واقعہ ہے۔

۱۔ اوّل اس لیے کہ چونکہ امام ربیعہ، امام ثوری، امام لیث، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ قربانی کے وجوب ہی قائل تھے۔ لہٰذا امام ابن حزم رح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ کے یہ آثار پیش کر کے قائلین وجوب کے علی الرغم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور دوسرے صحابہ کرام رض سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں۔ جیسا کہ موصوف اسی صفحہ پر یہ تصریح فرماتے ہیں۔

لا یصح عن احد من الصحابۃ ان الاضحیۃ واجبۃ۔ المحلی ج ۷ ص ۳۵۸۔

امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۹۔ جیسا کہ یہ حقیقت آپ کے پیش کردہ ترجمہ کی خط کشیدہ عبارت سے بھی صاف واضح ہے۔ جس پر آپ نے نہ جانے کیوں غور نہیں فرمایا۔

امام محمد بن اسمٰعیل الامیر ف ۱۱۸۲ھ نے بھی ان آثار کا یہی مطلب متعین فرمایا ہے۔ وافعال الصحابۃ دالۃ علی عدم الایجاب۔ سبل السلام ج ۴ ص ۹۱۔ کہ صحابہ کرام کا یہ طرزِ عمل قربانی کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

قربانی سنت موکدہ ہے:۔ یہ ثانی اس لیے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہاء کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی کا سنت موکدہ ہونا ثابت ہے، جیسا کہ:۔

۱۔ امام نووی ف ۶۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں کہ صاحب استطاعت پر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی ذبح کرنا سنت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رح، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، اسود رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رح وغیرہ تابعین

اور امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف، امام ابو ثور، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام مزنی، امام ابن منذر اور امام داؤد ظاہری وغیرہ فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ نووی ج ۲۔ ص ۱۵۳۔

۲۔ امام ابن قدامہ مقدسی ف ۶۸۲ھ لکھتے ہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فقہاء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق وغیرہ فقہاء سے یہی قول مروی ہے۔ مغنی ابن قدامہ مع شرح الکبیر ج ۳ ص ۵۸۱۔

۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ ف ۸۴۰ھ لکھتے ہیں مسئلہ رھہ ابو مسعود البدری۔ بلال۔ سعید بن المسیب عطاء علقمۃ الاسود ثم ده مد حق س ق ھی بسنۃ مؤکدۃ۔ البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۱۔

کہ حضرت ابو بکر رض، حضرت عمر رض، عبد اللہ بن عمر رض، ابو مسعود رض بدری، اور بلال رض، سعید بن مسیب، عطاء، علقمہ رح عترت رح، احمد رح بن حنبل، اسحاق رح شافعی رح، ابو یوسف اور محمد کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ مزید تفصیل نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ میں پڑھیے۔

۴۔ امام محمد بن اسماعیل الامیر رح، حضرت ابو بکر رض، حضرت عمر رض، حضرت ابن عباس رض اور بلال رض، کے آثار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ والروایات عن الصحابۃ فی ھذا المعنی کثیرۃ دالۃ علی انھا سنۃ۔ سبل السلام ج ۴ ص ۹۱۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت سی روایات مروی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ عید الاضحیٰ کی قربانی سنت (مؤکدہ) ہے۔

ا ۔ ثالث اس لیے کہ آپ کی پسندیدہ کتاب محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ رض اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ۱۲/ذی الحجۃ تک قربانی ذبح کرنے کے جواز کے قائل تھے۔ محلی ج ۷، ص ۳۷۸۔

ب ۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔ ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم الذین بالکوفۃ افتونی فقالوا نعم قالہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم والو بکر وعمر قالہ الشعبی محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۸۲۔ علاوہ ازیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم عید الاضحیٰ کے

خطبہ میں قربانی کے مسائل بیان فرماتے تھے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۷۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی نے اپنی زندگی بھر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں کی تھی تو پھر وہ تین دن تک قربانی کے قائل کس لیے تھے؟ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کا فتویٰ کس بنیاد پر دیتے تھے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث اور حضرت علی خلیفہ رابع عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے مسائل کیوں بیان فرماتے تھے؟ کیا یہ محض دل بہلاوا تھا۔ آپ محلیٰ کی کتاب الاضاحی پر ایک سرسری نظر ڈال لینے کی زحمت گوارا فرما لیتے تو آپ کو ان مغالطوں اور غلط بیانیوں سے نجات مل جاتی۔ اور انکار سنت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے بھی بچ جاتے ؎

خود ہی گلچیں چند کلیوں پر قناعت کر گیا   ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

رابع اس لیے کہ اس اثر میں ایسا کوئی جملہ موجود نہیں جس کا ترجمہ "زندگی بھر" کیا جا سکے بلکہ یہ الفاظ پروفیسر نے اپنی طرف سے ایزاد کیے ہیں۔ اگرچہ محلی کے الفاظ میں ترک قربانی کی مدت بیان نہیں کی گئی تاہم مبسوط سرخسی میں اس کی کل مدت سال دو سال بیان کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں وعن ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما کانا یضحیان السنة والسنتین مخافة ان یراها الناس واجبة مبسوط ج ۱۲ ص ۸ نیز بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۲ اور فتح القدیر ج ۸ ص ۴۲۸ میں حنفی علماء نے لکھا ہے۔ خامس اس لیے کہ مانا کہ شیخین نے زندگی بھر کبھی قربانی نہیں کی لہٰذا بالفرض تسلیم ان کا یہ فعل چونکہ احادیث صحیحہ مذکورہ بالا کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان کا یہ فعل شرعاً حجت نہیں۔ اللہ تعالےٰ امام ابن حزم کو جزائے خیر دے کتنی پتہ کی بات کہہ گئے ہیں۔ لا حجة فی احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محلی ج ۷ ص ۳۷۵۔

مغالطہ نمبر ۶: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی قربانی نہیں کی ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے دن ان سے قربانی کے بارہ میں بات کی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے ملازم کو بازار بھیجا کہ دو درہم کا گوشت لے آئے اور سب کو بتا دے کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے۔ جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ (بدایۃ المجتہد علامہ ابن رشد قرطبی ج ۱ ص ۳۱۴)

جواب ۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی قربانی نہیں کی ان پر بہتان اور افتراء

ہے۔ علامہ ابن رشد قرطبی ف ۵۹۵ ھ کی ہدایۃ المجتہد کتاب الضحایا اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے بنظر امعان اور بنگاہِ انصاف اسے متعدد دفعہ پڑھا ہے۔ ہمیں تو اس پوری بحث میں ایسا کوئی جملہ نہیں ملا جس سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ حضرت نے کبھی قربانی نہیں کی۔ اگر پروفیسر صاحب میں اخلاقی جرأت ہے تو اپنے اس ادعاء کا ثبوت پیش فرمادیں ورنہ اپنی خط کشیدہ اختراعی اور وضعی عبارت لینے کا اعلان جاری فرمادیں۔

جہاں تک بازار سے گوشت منگوانے کا تعلق ہے۔ تو اس کے متعلق گزارش ہے۔

۱۔ کہ جہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ، قربانی کے وجوب کے قائل نہ تھے بلکہ دوسرے جمہور صحابہ کی طرح وہ بھی قربانی کو سنت مؤکدہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں "مذھب ابن عباس ان لا وجوب۔ ھدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۳۱۴۔ (۲) پھر یہ اثر بلا سند ہے۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ یہ اثر صحیح ہے یا ضعیف۔ ہاں محلی ابن حزم میں یہ اثر باسند منقول ہے لیکن اس کا ایک راوی ابو معشر نجیح بن عبداللہ ضعیف ہے۔ لہٰذا ایسے ضعیف اثر کو معرض استدلال میں پیش کرنا کارکودکاں اور بچگانہ حرکت ہے۔ (۳) علاوہ ازیں یہ اثر درایت کے لحاظ سے بھی قابل استدلال نہیں۔ کیونکہ قابلِ غور اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انکار سنت کے متعدد مستحکم ادارے سنت کے خلاف معرکہ آرا ہیں۔ اور اپنی تمام فکری اور مادی توانائیاں کو میدان میں جھونک چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی بحمداللہ تعالےٰ قربانی کے ایام میں پاکستان کے کسی بازار میں گوشت فروخت ہوتا دیکھنے میں نہیں آیا۔ اندریں صورت صحابہ رضؓ کے عہد کے بارے میں جو کہ سراپا خیر و برکت کا زمانہ تھا یہ باور کرلینا کہ قربانی کے ایام میں بازار میں گوشت فروخت ہوتا تھا۔ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ (۴) حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا یہ کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے جو ابن عباس رضؓ نے کی ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں قربانی کا رواج عام تھا۔ (۵) آپ نہ صرف قربانی کو سنت مؤکدہ سمجھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ قربانی کرنے کے اتنے شیدائی تھے کہ سفر میں بھی اس کو ترک نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ "قربانی کا صحابہ سے ثبوت" کے عنوان سے اس کا ثبوت رقم ہوچکا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶ و سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۷۔ (۶) یہ بھی ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ، ایک گائے کی قربانی میں سات اور ایک اونٹ کی قربانی میں دس اجنبی حصہ داروں

کی شراکت کے بھی قائل تھے۔ محلی ابنِ حزم ج ۷، ص ۳۸۲۔

ان چھ قوی ترین نقلی اور عقلی وجوہ کے علی الرغم ہدایۃ المجتہد کے ایک بے سند اور ضعیف اثر کے ہوتے پر عوام الناس پر قربانی سے متنفر کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ایسے متبع سنت صحابی اور ترجمان القرآن کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی قربانی نہیں کی ان پر صریح بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا پروفیسر صاحب کی خدمت میں بصد ادب یہ گذارش ہے کہ اگر وہ اپنی تجدید پسندی کے پیشِ نظر قربانی کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تو نہ سہی مگر کم از کم صحابہ کرام کے تقدس کو تو پامال نہ کریں ؎

نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

مغالطہ ۶:۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، جو بہت امیر صحابی تھے اور ہزاروں بھیڑوں کے مالک تھے نے کبھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں کی۔ مبسوط ج ۱۲ ص ۸۔

جواب:۔ نہ جانے پروفیسر صاحب کو لا تقربوا الصلوٰۃ کے روایتی محاورہ سے اتنا عشق کیوں ہے کہ وہ ہر ایک حوالہ کی کتر بیونت کر کے صرف اپنی مرضی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا فرماتے ہیں۔ حسب سابق اس حوالہ میں بھی انہوں نے یہی گیلا مارا ہے۔ کہ مبسوط سے انہوں نے اپنے مطلب کی بات تو لے لی۔ لیکن اس کے آگے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ ایک تو مبسوط میں "کبھی" کا لفظ موجود نہیں دوسرا یہ کہ اس اثر کے آگے اس کی وجہ بھی مرقوم ہے کہ انہوں نے ایسا اس لیے کیا ہو گا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ قربانی اپنی تمام تر اہمیت کے باوصف واجب نہیں مخافۃ ان یراھا الناس واجبۃ" ۔ مبسوط ج ۱۲ ص ۸ یعنی جمہور صحابہ کی طرح حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، کے نزدیک بھی قربانی سنت مؤکدہ تھی۔ جیسا کہ ہم مغالطہ ۵ کے جواب میں نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳، البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۱ اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ کے حوالاجات سے ثابت کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں محلی ابنِ حزم وغیرہ کتب میں ایسے اور بھی بہت سے حوالاجات موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، قربانی کی مشروعیت کے قائل تھے۔ چنانچہ محلی میں ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات حصے داروں کی شراکت کے قائل تھے ج ۷، ص ۳۸۲۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ سرے سے قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے

قائل ہی نہ تھے تو پھر وہ گائے کی قربانی میں سات حصے داروں کی شراکت کے قائل کیوں تھے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر امام ابن حزمؒ نے ان کے اس اثر کو ان صحابہ کرام رضی کے آثار کے ضمن میں درج فرمایا ہے جو قربانی کو سنتِ موکدہ مانتے تھے۔ جواب ثانی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ان کا اپنا ذاتی قول ہے۔ جو بہرحال کتاب وسنت کا معارض نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی ف، ۵۸۰ھ لکھتے ہیں قول ابی مسعود رضی اللہ عنہ لا یصلح معارضا للکتاب الکریم والسنۃ بدائع الصنائع ج۵ ص ۶۳۔ لہٰذا ان کے اس قول کی وجہ سے ان کے متعلق یہ کہنا کہ "انہوں نے کبھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں" جہاں ان کے ساتھ صریح ناانصافی ہے وہاں مطلب پرآدمی کی بدترین مثال بھی ہے۔

مغالطہ ۸: صحابہ کرام کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے امام ابن حزم نے فتویٰ صادر فرمایا کہ جانور کی قربانی اسلام میں واجب نہیں۔ المحلی ج ۷، ص ۳۵۷۔

جواب: امام موصوف کا یہ فتویٰ بالکل بجا اور حق ہے۔ لیکن اگر پروفیسر صاحب اس فتویٰ کے ذریعہ یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ابن حزم جیسا جلیل القدر محدث اور نامی محقق بھی قربانی کی مشروعیت کا قائل نہ تھا تو یہ شرمناک علمی خیانت ہے کیونکہ امام موصوف نے اس فتویٰ کی ابتداء میں بڑے صاف اور واشگاف الفاظ میں جانور کی قربانی کو سنت حسنہ لکھا ہے۔ محلی ابن حزم ج ۷، ص ۳۵۷۔ اور اگر نہیں اس فتویٰ کی اوٹ میں نفس قربانی کی مشروعیت سے انکار مقصود ہے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے۔ کیونکہ عدم وجوب سے سنت کی نفی لازم نہیں آتی۔ فافھم وتفکر۔

مغالطہ ۹: سعید بن المسیب جو کہ صحابہ کرام رض کے بہت عقیدت مند تھے نے یہ فیصلہ دیا کہ کسی غریب کی امداد کے طور تین درہم ترجیح کرنا عید الاضحیٰ کی قربانی سے زیادہ افضل ہے۔

جواب اول: حضرت سعید بن مسیبؒ کے اس قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ قربانی کی مشروعیت اور اس کی اہمیت کے قائل نہ تھے۔ محض غرض پرستی پر مبنی ہے کیونکہ ان کے مذہب میں قربانی سنت موکدہ تھی۔ جیسا کہ مغالطہ ۵ کے جواب میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ ہاں وجوب کے قائل نہ تھے۔ اور اس کے اظہار کے لیے کئی سال قربانی چھوڑ دی ہوگی۔ چنانچہ امام ابن حزم نے ان کے اس قول کو اسی ضمن میں درج فرمایا ہے۔ جبکہ امام موصوف نے ایک دوسرے مقام پر حضرت سعید کا معمول یہ لکھا ہے۔ کہ آپ کسی سال اونٹ کی قربانی ذبح کرتے، کسی سال گائے قربانی کرتے اور کسی سال بکری

کی قربانی دیتے تھے۔ اور کبھی ناغہ بھی کر لیتے المحلی ج ۷ ص ۳۷۳۔ مزید برآں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے جواز کے قائل تھے المحلی، ص ۳۸۲۔

ج ثانی ۱۔ (۱) ایام قربانی میں صدقہ کرنا افضل عمل نہیں بلکہ قربانی ہی افضل عمل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو کوئی اور عمل اتنا زیادہ محبوب نہیں جتنا اہراق دم (جانور کی قربانی کا) عمل محبوب ہے۔

(۲) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی نیک کام پر چاندی خرچ کرنا اتنا افضل نہیں جتنا عید قربان کے دن جانور کی قربانی پر روپیہ خرچ کرنا افضل ہے۔ لہٰذا ان کا یہ قول احادیث کے مقابلہ میں بطور معارض کے درخوراعتناء ہرگز نہیں۔

ج ثالث ۱۔ اگر کسی غریب آدمی کی نقد امداد قربانی کا جانور ذبح کرنے سے افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کبھی نہ کبھی ایسا ضرور کرتے۔ کیونکہ اس دور میں بھی غریب لوگ موجود تھے اور ایسا قطعاً ثابت نہیں۔ چنانچہ شرح کبیر میں ہے۔ ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ والخلفاء بعدہ ولو علموا ان الصدقۃ افضل لعدلوا الیھا ولان ایثار الصدقۃ علی الاضحیۃ یفضی الی ترک سنۃ سنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرح علی المغنی ج ۳ ص ۵۸۲۔ ہم کہتے ہیں کہ بطور قربانی جانور کا خون بہانا ہی شرعاً متعین ہے اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا چالیس سالہ عمل مبارک ہے اگر جانور کی قربانی کے مقابلہ میں نقد رقم کا صدقہ افضل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اس سے کبھی نہ چوکتے علاوہ ازیں نقد رقم کے صدقہ کو قربانی سے افضل کہنا اس لیے بھی درست نہیں کہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت کا ترک لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ج رابع:۔ مسئلہ قربانی کے پس منظر اور اس کے علل و مصالح پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کا رکن اراقۃ الدم یعنی خون بہانا ہے درالمختار قربانی کی تعریف۔ قربانی کے شرائط، قربانی کا وقت ذکر کرنے کے بعد قربانی کا رکن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ورکنھا ذبح مایجوز ذبحہ من النعم لا غیر فتجب التضحیۃ ای اراقۃ الدم من النعم۔ ردالمختار ج ۶ ص ۳۱۲۔

کہ قربانی کا رکن ان جانوروں کا ذبح کرنا ہے۔ جن کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ پس واجب اراقۃ الدم یعنی خون بہانا ہی ہے۔

علامہ شامی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں لان رکن الشئی ما یقع بہ ذالک الشئی والاضحیۃ انما تقوم بہذا الفصل فکان رکنا " رد المختار ج ۶ ص ۳۱۳۔ اس لیے کہ کسی چیز کا رکن وہی چیز ہو سکتی ہے جن کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ قربانی چونکہ ذبح ہی کے ساتھ وجود پذیر ہوتی ہے اس لیے جانور کا خون بہانا قربانی کا رکن ٹھہرا۔ بالکل یہی عبارت جس میں ذبح جانور قربانی کا ٹھہرایا گیا ہے۔ فتاوی عالمگیر ج ۵ ص ۲۹۱ میں بھی ہے علامہ شامی اراقۃ الدم کے وجوب پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں والدلیل علی انہا الاراقۃ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز ج ۶ ص ۳۱۳۔ یعنی اراقۃ الام کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کا زندہ جانور کسی کو بطور صدقہ دے دے تو یہ شارع کے نزدیک قربانی منصور نہ ہوگی فتاوی عالمگیری میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ومنہا انہ لا یقوم غیرھا مقامہا فی الوقت حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتہا فی الوقت لا یجزء من الاضحیۃ ج ۵ ص ۲۹۳۔ کہ قربانی کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی دوسری چیز ایام قربانی میں قربانی کے قائمقام نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر کوئی شخص زندہ بکری کسی کو صدقہ میں دے دے یا اس کی قیمت صدقہ کردے تو قربانی اس کے ذمہ میں بحال رہے گی۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ومنہا ان لا یقوم غیرھا مقامہا حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتہا فی الوقت لا یجزء عن الاضحیۃ لان الوجوب تعلق بالاراقۃ والاصل ان الوجوب اذا تعلق بفعل معین انہ لا یقوم غیرہ مقامہ۔ بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۶۔ کہ اراقۃ الام کے سوا نہ تو کوئی چیز قربانی کا بدل ہے اور نہ اس کا کوئی قائمقام ہے یہاں تک اگر کوئی شخص بجائے ذبح کرنے کے زندہ بکری یا اس کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی کیونکہ قربانی کے وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ وجوب کا تعلق اگر ایک معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز اس کے قائمقام نہیں ہو سکتی۔ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں۔ لان الواجب التقرب باراقۃ الدم ولا یحصل ذالک بالتصدق وھذا لانہ لا قیمۃ لاراقۃ الدم واقامۃ المتقوم مقام ما لیس بمتقوم لا تجوز واراقۃ الدم خالص حق اللہ تعالی ولا وجہ للتعلیل فیما ھو خالص حق اللہ تعالی۔ ......

مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۱۳۔ یعنی ایام نحر میں جو چیز واجب ہے وہ ہے خون بہا کر تقرب الٰہی کا حصول اور یہ گوہر مقصود قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اراقۃ الدم کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ لہٰذا محدود قیمت والی چیز کو غیر محدود قیمت والی چیز کے قائمقام بنا دینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اراقۃ الدم (خون بہانا) خالص اللہ کا حق ہے لہٰذا اس میں علت و معلول کا چکر چلانا دین میں مداخلت کے مترادف ہے۔ مختصر یہ کہ احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ متصلہ اور فقہاء کرام کی تحریرات سے یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آگئی ہے کہ قربانی کے ایام میں جانور ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ قیمت تو درکنار خود زندہ جانور کو صدقہ کر دینے سے قربانی کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام سعید بن مسیب بھی جانور کی قیمت صدقہ کر دینے کے برعکس قربانی کا جانور ذبح کیا کرتے تھے جیسا کہ محلی ابن حزم ج ، ص ۴۸ کے حوالہ سے اوپر لکھا جا چکا ہے لہٰذا ان کی طرف منسوب اس قول کی کوئی حیثیت نہیں اور اس قول پر کسی اختراعی نظریہ کی بنیاد استوار کرنا پرلے درجے کی نادانی اور خود فریبی ہے۔

فائدہ:۔ بعض احادیث میں ایک اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا جواز مذکور ہے۔ لہٰذا امام شوکانی وغیرہ شارحین حدیث نے اس اختلاف کو یوں حل فرمایا ہے کہ جن احادیث میں سات سات حصہ داروں کا ذکر ہے اس اضحیہ سے مراد ہدی ہے یعنی وہ قربانی مراد ہے جو حاجی صاحبان اپنے ساتھ لے جا کر مکہ میں ذبح کرتے ہیں۔ اور جن احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا بیان ہے اس اضحیہ سے مراد وہ قربانی ہے جو عامۃ المسلمین ایام قربانی میں اپنے اپنے شہروں میں ذبح کرتے ہیں۔ نیل الاوطار۔

مغالطہ نمبر ۱۰:۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نظریہ تھا جب کبھی انہوں نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کی تو انہوں نے ایک مرغ ذبح کر دیا۔

جواب:۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ ہرگز نہ تھا کہ وہ جانور کی قربانی کو سنت نہ سمجھتے تھے جیسا کہ مغالطہ نمبر ۵ وغیرہ کے جواب میں مفصل تحریر ہو چکا ہے اگر فاضل پروفیسر صاحب کو اپنے اس ادعا پر غرا ہو تو "المحلی" وہ عبارت پیش فرمائیں جس سے انہوں نے یہ مزعوم دعویٰ اخذ فرمایا ہے ورنہ اپنی اس خیانت کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

مغالطہ نمبر ۱۱:۔ ان (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کی اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے غرباء اہلحدیث۔

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مرغ ہی قربانی کرتے ہیں۔

جواب:۔ کسی فرقہ یا گروہ کا کورا عمل حجت نہیں۔ کیونکہ حجت صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لہٰذا اگر غرباء اہل حدیث ایسا کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہو سکتا۔

مغالطہ نمبر ۱۲:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر دو دنبوں کی قربانی دیا کرتے تھے پہلے دنبہ کو ذبح کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ قربانی میرے اور میرے اہل خانہ کی طرف سے ہے اور دوسرے دنبہ کی قربانی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ میری تمام امت کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ، اس پر اختتام کرتے ہیں کہ تمام بنی ہاشم قبیلے کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی کو کافی سمجھتے تھے اور ان میں سے کسی نے بھی کبھی جانور کی قربانی نہیں دی نیل الاوطار ج ۵

جواب:۔ جانور کی قربانی کے خلاف اس حدیث سے استدلال کرنا بوجوہ صحیح نہیں۔

۱۔ اس لیے کہ بنو ہاشم کا یہ عمل چونکہ مذکورہ بالا نصوص صحیحہ صریحہ کثیرہ کے خلاف ہے لہٰذا اسے معرض دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک کنبہ کے سربراہ کی قربانی اس کے اہل وعیال کے لیے بھی کفایت کر سکتی ہے اور وہ ان کو بھی اپنی قربانی کے ثواب میں شریک کر سکتا ہے۔ جمہور علماء امت اسی کے قائل ہیں چنانچہ امام شوکانی فرماتے ہیں۔

والحدیثان یدلان علی انہ یجوز للرجل ان یضحی عنہ وعن اتباعہ ویشرکھم معہ فی الثواب وبہ قال الجمھور۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۵۔

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ، اور تابعین میں سے حضرت سعیدؒ بن مسیب وغیرہ سے جمہور علماء نے اس حدیث سے اور اس مضمون کی دوسری احادیث سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ قربانی واجب نہیں سنت ہے۔

۴۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بنو ہاشم نے عدم استطاعت کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا۔

۵۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ تفضل اور شفقت اپنی امت کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنے کے ارادہ سے ایسا کیا ہو۔ حاشیہ ابنِ ماجہ ص ۲۲۶۔

۶۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت علی رضؓ بن حسین رضؓ کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی لگی ہو۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اپنی پوری زندگی میں بالالتزام کیوں قربانی کرتے رہے کیا وہ بنو ہاشم میں شامل نہیں؟ اور ہاں عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو جانور کی قربانی کی قائل تھی۔ جیسا کہ البحر الزخار ج ۵ ص ۱۲۶

یہ مادیت، یہ تجدد پسند، یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں؟ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پر دستارِ فضیلت بندھی ہوئی ہو اور منبرِ خطابت کو زینت دے رہا ہو۔ وہ اس قربانی کے فلسفے کو بھی سمجھ سکے۔ ۵

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

میں مذکور ہے کیا عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم میں شامل نہیں۔ لہٰذا ان وجوہات کے پیشِ نظر اس حدیث سے جانور کی قربانی کے خلاف استدلال کرنا عوام کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک بھونڈی چال سے زیادہ کچھ نہیں۔

مغالطہ ۱۳:۔ اس موضوع پر جتنی بھی احادیث ہیں۔ ان میں سے مندرجہ بالا کو تمام علماء مستند قرار دیتے ہیں اور عید الاضحیٰ کی قربانی سے اختلاف کرتے ہیں۔

جواب ۱:۔ قربانی کے بارہ میں علماء کے ہاں بلاشبہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف قربانی کے وجوب اور عدم وجوب کے بارہ میں ہے نہ کہ اس کی مشروعیت کے بارہ میں۔ کیونکہ تمام علماء سلف وخلف کے نزدیک بالاتفاق قربانی ایک شرعی حکم اور سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ہم مغالطہ ۲ اور ۴ کے جواب میں امام ابن ہبیرہ حنبلی اور شیخ الاسلام ابنِ حجر عسقلانی جیسے اساطین علم کے حوالے سے مفصل بحث مرقوم ہو چکی ہے تعجب ہے کہ اتنی موٹی بات بھی ہمارے زیرک دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آتی یا پھر انہوں نے سمجھنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں فرمائی۔ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تعلم فالمصیبۃ اعظم۔

مغالطہ ۱۴:۔ حدیث علی بن حسین کے تحت بہت سے اسلامی ممالک عمل پیرا ہیں۔ ان ممالک میں سے ایک ملک الجزائر ہے جہاں پر بہت قدیم سے یہ حکم چل رہا ہے کہ تمام کا تمام محلہ فقط ایک جانور کی قربانی دے

جواب :۔ دعویٰ تو یہ تھا کہ بہت سے اسلامی ممالک ایسا کر رہے ہیں اور ذکر صرف ایک الجزائر کا۔ گویا کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ چلیے مان لیا کہ الجزائر میں ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ لیکن پھر بھی آپ کی طرح اہل الجزائر جانور کی قربانی کے منکر تو نہ ہوئے آپ تو جانور کی قربانی کے قائل ہی نہیں ہیں لہٰذا اہل جزائر کا یہ ترمیم شدہ عمل آپ کے خلاف جاتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھیے کہ جمہور اہل علم اور فقہاء امصار کے نزدیک تو اکیلے اہل مدینہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ چنانچہ امام صدیق حسن خان ف ۱۳۰۷ھ تصریح فرماتے ہیں: اجماع اہل المدینۃ علی انفرادھم لیس بحجۃ عند الجمھور لانھم بعض الامۃ حصول المامول من علم الاصول ص ۴۴ طبع مصر۔ کہ تنہا اہل مدینہ کا اجماع جمہور امت کے نزدیک معتبر اور حجت نہیں کیونکہ اہل مدینہ اپنے تمام تر فضل وکمال کے باوصف امت کا ایک حصہ ہیں پوری امت نہیں۔ جبکہ اجماع وہی حجت ہوتا ہے جس کے انعقاد پر تمام ہم عصر مجتہدین متفق ہوں بتایئے اس صورت میں بے چارے اہل جزائر کا یہ خلاف شرع اور غلط عمل حجت شرعی کیونکر ہو سکتا ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۵ :۔ پچھلے سال مراکش حکومت نے جانور کی قربانی کلیۃً بند کر دی ہے اور یہ بات اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ مراکش میں بادشاہ مذہب کا مفتیٔ اعظم ہوتا ہے اور اس کا حکم فتویٰ سمجھا جاتا ہے۔

الجواب :۔ اگر واقعی مراکش کے بادشاہ نے اپنے اقتدار اور منصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جانور کی قربانی پر پابندی لگا دی ہو تو چونکہ یہ پابندی کتاب وسنت کی مذکورہ بالا نصوص کثیرہ صریحہ صحیحہ ثابتہ کے صریحاً خلاف ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے حجت نہیں لاحجۃ لاحد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (محلی ابن حزم) مزید برآں مغالطہ نمبر ۱۲ کے رد میں لکھا جا چکا ہے کہ کسی شہر یا کسی ایک ملک کے لوگوں کا اجماع حجت نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ تنہا اہل مدینہ یا اہل مکہ کا اجماع بھی حجت نہیں لہٰذا کسی مسلمان بادشاہ یا نام نہاد مفتیٔ اعظم کا جانور کی قربانی کے خلاف جبری حکم یا فتویٰ جاری کر دینا مداخلت فی الدین کے سوا کچھ نہیں۔ اور معلوم ہے کہ بحکم ام لھم شرکٰؤا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ۔ الشوریٰ ۲۱۔ نہ کسی بادشاہ کو اور نہ کسی مفتی کو منصوص مسائل کے خلاف رائے زنی کرنے کا قطعاً حق حاصل نہیں۔ مزید برآں یہ بات آپ ایسے روشن دماغ سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا کہ زمانہ خیر القرون کے مابعد کے اکثر وبیشتر حکمرانوں نے بالعموم اسلامی احکام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لہٰذا ایسے میں ان دنیادار بادشاہوں اور نام نہاد مفتیوں کے ملحدانہ احکام اور بدعی فتاویٰ کو کتاب وسنت

کے مقابلہ میں پیش کرنا دینِ اسلام سے دشمنی کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ ف ۱۶/دسمبر ۱۹۶۳ء اسی قسم کے ایک غلط فتویٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کوئی مسلمان اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہوگا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی، عیدالاضحیٰ اسی واقعہ عظیم کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال کے قریب گزر گئے، کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آرہے ہیں۔ اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارضی پر آباد ہیں اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے۔ کسی واعظ کا وعظ، کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبر و قہر اس سنت ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کرسکتا، کوئی پہاڑ سے ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے کے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔ ابراہیم علیہ السلام اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عید قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور خوبصورت جانور، موٹے تازے خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح ہوتے رہیں گے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (ترجمان اہلحدیث لاہور)

سوال ۲: گائے بھینس کے ذریعہ بھی عقیقہ ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے۔ تو اسکی صورت کیا ہوگی؟ آیا قربانی جیسے سات حصے ہونگے اور گائے تین لڑکے اور ایک لڑکی کیلئے کافی ہوگی یا ایک گائے صرف ایک لڑکے کیلئے یا ایک لڑکی کیلئے یا کوئی اور صورت ہوگی بیان فرمایئے اَلْعَقِيْقَةُ كَالْاُضْحِيَّةِ کس کی عبارت ہے اور کیا مطلب ہے آیا تشبیہ صرف قربانی کے جانور کے جمیع شرائط کے ساتھ ہے یا حصے وغیرہ کے ساتھ بھی۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب (۲) بھینس کے عقیقہ کی کوئی حدیث نہیں لہٰذا اس سے اجتناب چاہیئے ہاں گائے اور اونٹ کو عقیقہ میں ذبح کرنا درست ہے فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اِجْزَاءِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ اَيْضًا وَفِيْهِ حَدِيْثٌ عِنْدَ الطَّبْرَانِيِّ وَاَبِى الشَّيْخِ عَنْ اَنَسٍ رَفَعَهُ يُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ... ایک گائے یا ایک اونٹ صرف ایک بچے کی طرف سے ہوگا سات کی طرف سے ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں صرف امام رافعی نے کہا ہے۔ کہ سات بچوں کی طرف سے گائے کافی ہوگی مگر ان کا قول بے سند ہے اَلْعَقِيْقَةُ كَالْاُضْحِيَّةِ یہ عبارت فقہاء وغیرہ کی ہے مگر یہ دعویٰ بے دلیل ہے جاموس یعنی بھینس کی جزئی تو واقعی صریح نہیں مگر مصباح منیر میں ہے اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ۔ اور جو لوگ سات مل کر کرتے ہیں وہ قربانی ... باقی صحیح ہے (از مولانا عبیداللہ رحمانی دہلی)

سوال:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اور برس روز کا یا زیادہ کا روز کا ہو گیا تو قربانی وعقیقہ اس بچہ کا درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ مشابہ ہرن کے ہے تو اس کی قربانی وعقیقہ ناجائز ہے۔ اور اگر وہ مشابہ ہرن کے نہ ہو تو اس کی قربانی وعقیقہ جائز ہے لیکن وہ دو برس سے کم کا نہیں ہونا چاہیے۔

ہوالموفق ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ بکری ہے تو قربانی درست ہے اور اگر بکری نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے

یہی قول حق معلوم ہوتا ہے کیونکہ بکری کی قربانی کا حکم ہے اور ہرن کی قربانی جائز نہیں اور اگر ایسا بچہ ہوا نہ اس کو بکری کہہ سکتے ہیں اور نہ ہرن تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارک پوری عفا اللہ عنہ

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۲

سوال:۔ قربانی یا عقیقہ کا گوشت سوائے مسلمان کے سب غیر مسلم مانگنے والے اور نہ مانگنے والے سب کو کھلا سکتے ہیں اس میں کوئی قید مومن غیر مومن کی تو نہیں۔

جواب:۔ سب کھا سکتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے

یعنی مانگنے اور نہ مانگنے والے سب کو کھلاؤ اس میں کوئی قید مومن غیر مومن کی نہیں ہے ۲۹ ذ ۱۳۲۰ھ

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۲)

باب قربانی

سوال :- کیا بھینس کی قربانی جائز ہے
جواب :- جائز ہے چونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے (فتاوی ستاریہ جلد ۳ ص ۲)
سوال :- بکرا یا گائے قربانی کیلئے خریدی اور وہ جانور کھو یا گیا یا مر گیا تو کیا کرنا چاہیئے بکرے کے عوض بکرا خریدے یا گائے میں حصہ ڈالے یا قربانی ہو گئی۔
جواب :- قربانی ہو گئی اس کے عوض بکرا وغیرہ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں مزید ثواب کیلئے کرے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ (مفتی : ابو محمد عبد الستار فتاوی ستاریہ جلد ۱ ص ۱۷)
سوال :- اگر کوئی مسلمان عید الضحیٰ کی قربانی مورخہ ۱۳/ ذی الحجہ کے دن کرے تو از روئے شرع مطہرہ یہ قربانی ادا ہو گی یا نہیں۔
جواب :- قربانی تیرہ ذی الحجہ کو کرنی جائز و درست ہے جیسا کہ مسند احمد۔ دار قطنی میں جبیر بن مطعم رض سے مرفوعاً ثابت ہے۔ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا أَيَّامُ ذِبْحٍ. یعنی تشریق کے سب دن قربانی کے ہیں امام شوکانی رح تحت حدیث ہذا تحریر فرماتے ہیں :۔ وَهِيَ يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۶ اسی طرح ابن عباس سے ہے أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَرْبَعَةُ أَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَةٌ بَعْدَهُ۔ تشریق کے چار دن ہیں یعنی ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ اور اس کے بعد تین دن قربانی کے ہیں۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۵ مصری نیز طحاوی ج ۱ ص ۴۲۹ میں بھی یوں ہے :۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ الثَّلَاثَةِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فقط ابو عمار عبد القہار نائب مفتی دار الافتاء جماعت غرباء اہلحدیث کراچی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار فتاوی ستاریہ ج ۴ ص ۱۳۵ توضیح ایام قربانی کے متعلق علماء کے چار قول ہیں۔
اول صرف ۱۰ ذی الحجہ۔ ۲۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ (۳) ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ (۴) ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ آخر ماہ تک

یعنی ۱۰ سے ۳۰ ذی الحجہ تک جیسا کہ سہسوانی مرحوم کے فتویٰ میں لیکن یہ اقوال کسی مجبوری کی بناء پر ہیں ورنہ قربانی صرف ۱۰ ذی الحجہ کو افضل باقی جواز ہے۔ (الراقم علی محمد سعیدی)

سوال:۔ گھبن وحاملہ جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ گھبن کی قربانی کے متعلق احادیث میں کوئی صراحت نہیں آئی ہاں حدیث میں یہ آیا ہے۔ ذَكٰوةُ الْجَنِيْنِ ذَكٰوةُ اُمِّهٖ۔ یعنی حاملہ کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی حلال وذبح ہوجاتا ہے شریعت نے دودھ والے جانور کو ذبح سے روکا ہے۔ فرمایا اِيَّاكَ وَالْحَلُوْبَ۔ بچو تم دودھ والے جانور کو ذبح کرنے سے فقط ابو محمد عبدالغفار دہلوی نائب مفتی جماعت غرباء اہلحدیث کراچی پاکستان فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ صہ ۵۳

باب سُنِّيَّةِ النَّحْرِ فِي الْمُصَلّٰى وجواز في غيرها.

سوال:۔ بکر کہتا ہے کہ قربانی صرف بعد نماز عید کے عیدگاہ ہی میں ذبح سُنّت نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ سوائے یوم النحر کے قربانی کرنا ناجائز اور خلاف سنت اور بدعت ہے آیا یہ بکر کا کہنا قرآن وحدیث کے موافق ہے یا مخالف اور بکر کے حق میں کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ قربانی کو مصلی میں ذبح کرنا سنت ہے اس کی سنیت میں کوئی شک نہیں مگر مصلی پر ذبح کرنا صحت وقبولیت قربانی کے لئے شرط نہیں۔ جیسا کہ عائشہ رض سے روایت ہے:۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اِشْحَذِيْهَا عَلٰى حَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاؤدَ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گھر کا ہے عیدگاہ پر ازدحام وکثرت رجال میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھری مانگنی اور تیز کرانا قرین قیاس نہیں حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاوٰئے غزنویہ صہ ۹۶)

سوال:۔ بکرا جو بہت موٹا تازہ ہے مگر اگلے دانت نہیں گرے۔ کیا اس کو عید الضحیٰ میں قربانی کرسکتا ہے۔ اور اس کی عمر ایک سال پونے چار ماہ ہے۔

الجواب :- حدیث میں ہے :- لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّانِ ۔ مسلم مسنہ سے کم ہو تو ذبح نہ کرو۔ اگر نہ ملے تو منان : بھیڑ دُنبہ : جذعہ کر سکتے ہو مُسِنَّة کے معنی میں اختلاف ہے بعض عمر کا لحاظ کرتے ہیں اُن کے نزدیک ایک سال کا بکرا مُسِنَّة کہلاتا ہے ۔ پس ان کے نزدیک یہ بکرا عبید کی قربانی میں ذبح ہو سکتا ہے ۔ مگر صحیح یہی ہے کہ مُسِنَّہ میں اگلے دانت گرنے کا لحاظ ہے ۔ پس اس صورت میں اس کا ذبح کرنا قربانی میں جائز نہیں ہے ۔ جذعہ میں بھی اختلاف ہے ۔ مگر صحیح قول یہی ہے کہ جذعہ ایک سال کی عمر والے کو کہتے ہیں ۔

حافظ : محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال :- بھینے والا جانور یا رات کو اس کو نظر نہ آتا ہے ۔ کیا وہ قربانی میں لگ سکتا ہے یا کہ نہیں ۔

الجواب :- دونوں آنکھوں سے بالکل نظر نہ آئے ۔ یا ایک آنکھ سے نظر آئے تو وہ جانور قربانی کیلئے جائز نہیں اگر صرف رات نہ دیکھے تو اس کی ممانعت ثابت نہیں اسلئے ایسا جانور جائز ہے ۔

حافظ : محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال :- قربانی کے جانور کے کھال کی رقم اسکی اصل رقم میں ملا دی جائے اور عقیقہ کے جانور کی کھال کی رقم اس کی اصل رقم میں ملا دی جائے اس کا شرعی کیا حکم ہے ۔

الجواب :- کھال خواہ قربانی کی ہو یا عقیقہ کی اس کا بیچنا جائز نہیں

حافظ ، محمد گوندلوی

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ غریب امام مسجد عید قربانی کے جانوروں کی کھالیں لے سکتا ہے شرعاً یا نہیں ایک آدمی کہتا ہے کہ قربانی کی کھالیں ماسوائے درس کے کسی

اور جگہ اتنا ثواب نہیں جو آدمی درس کو کھالیں نہ دیں ان کی قربانی نہیں ہو گی۔ ضائع ہو جائے گی۔ شریعت محمدیہ اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے۔

الجواب:۔ غریب امام مسجد قربانی کی کھالیں لے سکتا ہے اس سے قربانی ضائع نہ ہوتی۔

حافظ: محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

توضیح:۔ غریب امام مسجد کو قربانی کی کھالیں نہ دینے میں احتیاط ہے کیونکہ نص صریح سے ثابت نہیں امام مسجد لوگوں کا امام ہے لوگوں کو چاہیے کہ چرم قربانی کے علاوہ اس کی خدمت کریں۔

فقط - الراقم علی محمد سعیدی

سوال:۔ قربانی جو میت کی طرف سے کی جائے اس کا گوشت اغنیاء وفقراء دونوں کھا سکتے ہیں یا صرف مساکین ہی کو دیا جائے۔

جواب:۔ قربانی جو میت کی طرف سے اسی طرح ہے جیسے زندہ کی طرف سے جس طرح اسکو سب کھا سکتے ہیں اسکو بھی کھا سکتے ہیں۔ هُمْ سَوَاءٌ لِسَوَاءٍ۔

تشریح:۔ میرے نزدیک میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے اسکا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی کرنیوالے کو کھانا درست ہے۔ نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور آپ کی امت میں بعض لوگ مر بھی گئے تھے۔ لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں کہ یہ گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات کے صدقہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علی کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں۔ رہا فتویٰ عبداللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے اور انکی رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ثالث صنہ میں اس کی بحث تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مَنْ شَاءَ الاطلاع علیه فلیس جع الیه واللہ تعالیٰ اعلم۔

(کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارک پوری عفا اللہ عنہ) (فتاویٰ نذیریہ جلد نمبر ۲ ص ۴۴۴، ۴۴۵)

سوال ا:۔ زید نے کہا قربانی حاجی پر فرض ہے۔ غیر حاجی مرضی کا مالک ہے کسی اور طریق سے خیرات کرسکتا ہے اول عشرۂ ذالحجہ میں نماز سے پہلے حجامت بھی بنوا سکتا ہے۔ مکرر آنکہ مسائل قربانی میں سنا جاتا ہے کہ اگر غیر مستطیع بعد نماز حجامت بنوائے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک قربانی کا ثواب ہے یہ مسئلہ فہم سے بالاتر ہے کیا یہ صحیح ہے۔

جواب ا:۔ غیر حاجی کے حق میں بھی قربانی سنت ہے۔ یہ مضمون احادیث میں ہے۔ جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ وغیرہ اور خود آنحضرت نے حالت حضر میں قربانی کی باقی حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا اللہ اعلم۔ اہلحدیث ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء

تعاقب:۔ اہلحدیث مجریہ ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء میں قربانی غیر مستطیع کے متعلق فرمایا ہے۔ حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا۔ غالباً سائل کی نظر اس حدیث پر ہے خیالی نہیں عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِیْحَۃً اُنْثٰی اَفَاُضَحِّیْ بِھَا قَالَ لَا وَلٰکِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِکَ وَاَظْفَارِکَ وَتَقُصُّ شَارِبَکَ وَتَحْلِقُ عَانَتَکَ فَذٰلِکَ تَمَامُ اُضْحِیَّتِکَ عِنْدَ اللّٰہِ. رواہ ابوداود والنسائی۔

یعنی عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرے پاس سوائے اس بکری جو عطیہ کی میرے پاس ایک شخص کی ہے کچھ نہ ہو تو اسی کو قربانی کردوں۔ آپ نے فرمایا نہیں (کیونکہ وہ چیز غیر کی ہے تم اس کے مالک نہیں) ہاں اپنے سر کے بال کترو الو حجامت کرالو ناخن ترشوالو۔ مونچھیں ترشوالو زیر ناف مونڈ لو بس یہی تمہارے لئے پوری قربانی کا ثواب اللہ کے نزدیک ہے۔ اہلحدیث ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء

حکیم عبد الرزاق از رنگون

(فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۱۵)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سوال ا:۔ الاعتصام۔ عید قربان نمبر کے۔ مقالہ: قربانی کا دینی موقف اور منکرین حدیث

میں لکھا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتے تھے سوال یہ ہے کہ شیخ عبدالقادرؒ کی طرف سے نیاز دینی کیوں منع ہے (سراج الدین گوجرانوالہ)

جواب :- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ میری طرف سے قربانی کیا کرنا۔ سنن ابی داؤد کتاب الاضاحی میں ہے عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ عون المعبود ص۵ ج۳ میں ہے وَفِي رِوَايَةٍ صَحَّحَهَا الْحَاكِمُ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِكَبْشَيْنِ عَنْ نَفْسِهِ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ أَبَدًا فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ أَبَدًا انتهى خلاصہ یہ ہے کہ اس قربانی کے متعلق سوال ہونے پر حضرت علی رضؓ نے جواباً فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری طرف سے ہمیشہ قربانی ذبح کیا کرنا بنا بریں میں ہمیشہ آپ کی طرف سے قربانی ذبح کرتا ہوں۔ چونکہ یہ قربانی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور وصیت کے موجب تھی اس لئے اس پر سیدنا شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے بزرگ کی طرف سے نیاز دینے کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اب قربانی دینے کو علماء کرام سے بدعت قرار دیا ہے (فتاویٰ شیخ الاسلام کے حصہ اختیارات ص۵۴ جلد۴ میں ہے):-

وَلَا يُسْتَحَبُّ الْقُرَبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ الْمَقْطُوْعُ بِهِ انتهى۔ یعنی قطعی حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قربانی بدعت ہے (مولانا عطاء اللہ حنیف لاہور اخبار الاعتصام جلد۷ ش۷ لاہور)

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری عید الاضحیٰ میں جانوروں کا ذبح کرنا بے رحمی نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین تھے۔ جانور کے ساتھ بھی رحم وکرم اور لطف ومحبت کا حکم دیا کرتے تھے۔ احادیث میں یا عُمَيْرُ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ کا قصہ مشہور ہے۔ جہاں اس سے بچہ کے ساتھ لطف اور خوش مزاجی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہاں نغیر چڑیا کی حالت بھی دریافت کرنے کا ثبوت ملا۔ اسی طرح ایک اونٹ کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے

کہ ایک جگہ زخمی اونٹ بلبلانے لگا۔ حضورؐ نے اونٹ کے مالک کا پتہ لگا کر اونٹ کے ساتھ ہمدردی کرنے اور دانہ چارہ دینے کیلئے ہدایت فرمائی۔ اس طرح ایک اور واقعہ بھی کتب احادیث میں موجود ہے کہ ایک صحابی کے صاحبزادے چڑیا کے بچے پکڑ لائے اور سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک آئے۔ حضورؐ نے دیکھا کہ بچوں کی ماں سر پر منڈلا رہی ہے۔ حضورؐ نے فوراً بچوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بچے چھوڑ دیئے گئے۔ ایک تقریری حدیث سے بلّی کے ساتھ محبت و نرمی کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلّی کا باپ کہا کیونکہ وہ بلّی سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ اکثر اپنے حصہ کا مالیدہ بلّی کو کھلا دیتی تھیں بخاری شریف میں ہے کہ ایک بلّی کے ستانے پر ہی ایک عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی سزا خبر دی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ اِنَّ اِمْرَاۃً عُذِّبَتْ فِیْ ھِرَّۃٍ لَاتُرْسِلُ تَاکُلُ مِنْ حَشِیْشِ الْاَرْضِ وَحَشَرَاتِھَا لَا تُطْعِمُ۔

ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بڑے اجر و ثواب کا مژدہ آپ نے سنایا۔ بخاری اس پر صحابہ کرام نے سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبٍ اَجْرٌ۔ ہر جاندار پر رحم کرنے میں اجر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے جاندار کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔ پس مچھلی وغیرہ کو آگ میں زہر ڈال کر نیچے تماشہ دیکھتے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ ان سب واقعات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی اور اچھے سلوک کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔ اس موقع پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقر عید وغیرہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا۔ اس سے تو بے رحمی اور سنگ دلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ آریہ اور منکرین حدیث کہا کرتے ہیں۔ دراصل یہ اعتراض ان لوگوں کے دلوں میں اسلئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ خالق و مخلوق یا عابد و معبود کے درمیان جو رابطہ اور تعلق ہے اس کی صحیح حقیقت سے یہ لوگ واقف ہی نہیں ہیں۔ وہ عبودیت و بندگی کے اس ذوق کو کیا سمجھیں کہ جان آفرین کے حکم کی تعمیل کی خاطر چھیتے بیٹے کی گردن پر بھی چھری چلائی جاسکتی ہے اور خود اپنے آپ کو بھی توپ کے دہانے کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ جس طرح ایک مریض پر ڈاکٹر عمل جراحی کرتا ہے تو اس کو پہلے کلوروفارم جیسی بے ہوش کن چیز سنگھا کر بے ہوش کر دیتا ہے

تب اپریشن کرتا ہے اور عضو عضو کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان جانور کو قبلہ رُخ لٹاتا ہے اور گلے پر چھری چلانا چاہتا ہے تو پہلے دو لفظی لاہوتی نغمہ بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اکبر پڑھ کر جانور کو مست و مدہوش کر دیتا ہے اور نہ بان حال سے یہ کہتا ہے کہ جس خدا نے تیرے اندر روح پھونکی آج اس نام پر اسی کے حکم سے اسی کا ایک ناچیز اور تیری طرح فانی بندہ روح نکالنے کا موجب بن رہا ہے جس طرح میں خدا کے حکم کی تعمیل کیلئے مستعد ہوں تو بھی اس طرح فرمان بردار ہو جا۔ اس لاہوتی نغمہ کے اثر سے تکلیف و اذیت کا احساس جاتا رہتا ہے۔ خدا کے نام میں یہ تاثیر ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں حضرت اکبر الٰہ آبادی نے ایک عاشق کے متعلق لکھا ہے کہ محبوبہ سے اس کی نظر بوقت قتل لڑ گئی تو اس لذت و مسرت میں اس کو قتل کئے جانے کا الم ہی محسوس نہ ہو سکا۔ چنانچہ عاشق زار کہتا ہے ؎

احساس ہی ایزا کا نہ ہوا .... فریاد و فغاں میں کیا کرتا۔
آنکھ اپنی لڑتی قاتل سے جس وقت نہ خنجر تھا گلا۔

تو اسی طرح جانور کا تعلق خدا جوڑنے اور خدا کی یاد آوری اس کی لذت و مسرت میں محوط وگم ہو جانے کیلئے یہ لاہوتی نغمہ تجویز کیا گیا ہے۔ چونکہ اسلام نے ہر طرح رحم دلی کا لحاظ رکھا ہے اس لئے پوری شدت کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہ اللّٰہ اکبر کے نغمہ سے روح کو مدہوش کرنے کے بعد ہی ذبح کرنے کی اجازت دی ہے فرمایا فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ۔ یعنی جو جانور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھاؤ۔

معلوم ہوا کہ صرف جانور کی رگوں سے خون نکالنا مقصود نہیں ہے بلکہ بِسۡمِ اللّٰہ اللّٰہ اکبر کہنا بھی بالفاظ دیگر اس کلوروفارم کا سنگھانا بھی ضروری ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ فوج کو میدان کارزار میں اتارنے سے پہلے فوجی بینڈ اور وطنی ترانہ کے ذریعہ مست کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ ان جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے۔ جو بِسۡمِ اللّٰہ اللّٰہ اکبر پڑھے بغیر ذبح کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ۔ یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔

آخر اس وصولی عمل کی تاکید اس قدر کیوں ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ نے بِسۡمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اکبر کے کلمہ میں کوئی ایسی تاثیر بھی رکھ دی ہے جس سے جانور کو بوقت ذبح اذیت

و تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور جب اس لاہوتی نغمہ کو سنائے بغیر ذبح کیا جاتا ہے تو جانور کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث کے ذریعہ گوشت بے رحمی کی وجہ سے حرام کر دیا گیا ہے فرمایا مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ۔ بیہقی جلد نہم۔

یعنی جانور کا جو عضو اس کے زندہ رہنے کی حالت میں اس کے جسم سے جدا کر لیا جائے تو اس ٹکڑے کا کھانا حرام ہے۔ شریعت نے یہاں بھی جانوروں کے گوشت کی حرمت کی وجہ بے رحمی اور سنگدلی کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ عرب میں اونٹ کی کوہان اور دنبہ کی چکی کاٹ کاٹ کر کھاتے رہنے کا عام دستور تھا۔ بہر حال اسلام کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بے رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اسلام نے اگرچہ ذبحہ کی اجازت دی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ۔ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبِيْحَةَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ بیہقی جلد نہم ص۲۸۰۔

فرمایا کہ کند چھری سے ذبح نہ کرو بلکہ چھری کو تیز کر کے جلد ذبح کر کے ان کو راحت پہنچاؤ۔

(۲) ایسی جگہ بیٹھ کر ذبح کرو جہاں دوسرے جانور کی نظر نہ پہنچ رہی ہو۔
اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِّ الشِّفَارِ وَاَنْ تُوَارٰى عَنِ الْبَهَائِمِ بیہقی جلد ۹ ص۲۸۰۔

(۳) جانور جب بالکل ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت کھال اتارو۔

(۴) اِذَا ذَبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجْهِزْ۔ کہ جب تم جانور کو ذبح کرنا چاہو تو اس سے پہلے سب سامان ذبح درست کر لو۔

ایک واقعہ: حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر جانور کو لٹا کر چھری تیز کر رہا تھا اور جانور کی نگاہ چھری پر جا رہی تھی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اَفَلَا قَبْلَ هٰذَا: تم نے یہ تیاری پہلے سے کیوں نہیں کی۔

دوسرا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری ذبح کرنے کیلئے پکڑ کر لایا اور اس کے سامنے چھری تیز کرنے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درّہ لگایا اور فرمایا اَتُعَذِّبُ الرُّوْحَ مَرَّتَيْنِ اَلَا فَعَلْتَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تَاْخُذَهَا۔ تو یہ منظر دکھا کر اس کی روح کو موت سے پہلے ہی تکلیف دے رہا ہے یہ کام تو نے جانور لانے سے پہلے کیوں نہیں کر لیا۔

ایک اور واقعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ بکری ذبح کرنے کیلئے لے جا رہا ہے بکری پچھڑ رہی ہے اور اس کو رسی میں باندھ کر زبردستی کھینچ کھینچ کر لے جا رہا ہے

توحضرت عمرؓ نے اس پر بھی دُرہ چلایا اور دُرہ چلانے کے بعد فرمایا سُقْهَا اِلَى اُمٍّ لَّكَ اِلَى الْمَوْتِ شَوْقًا جَمِيْلًا۔ بیہقی جلد ۹ ص۲۸۱۔ ایسے بے شعور آدمی جانور کو ذبح خانہ میں آرام اور راحت سے لے جاؤ ان تمام حقائق سے مذکورہ بالا الزام کی صاف تردید ہو جاتی ہے: ثابت ہوتا ہے کہ جانور کے ساتھ اسکے ذبح تک کے آداب میں آرام وراحت شریعت کو ملحوظ ہے: پس جو لوگ اس قسم کا اعتراض کرتے ہیں وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ رات دن ان سے بھی لاکھوں جرثوں کی جیوہتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ موجودہ سائنس ہے کہ ایک مربع انچ فضا میں یا پانی میں کروڑ کے قریب چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جن کو پاؤں سے روندا جاتا ہے۔ کروڑوں سے مسلا جاتا ہے جب آپ پانی پیتے ہیں ہنڈیا پکاتے ہیں۔ گرم پانی سے غسل کرتے ہیں تو یہ سب تلف ہوتے رہتے ہیں تالابوں وغیرہ کا پانی نکال کر کھیتوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ مچھلیاں اور پانی کے بے شمار کیڑے تالاب کے خشک ہو جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ ہم کھٹملوں اور پسوؤں اور مچھروں کو اپنے فائدے کے لئے مسل دیتے ہیں۔ بیل کے زخموں سے کیڑوں کو اور کروڑوں ٹڈیوں کو زہر دے کر فنا کیا جاتا ہے۔ یہ رحم کے علمبردار ایسے موقعوں پر بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔

خدا کو تو تقویٰ درکار ہے۔ گوشت و پوست تو اس کو نہیں پہنچتا اس لئے قربانی کرنا بے سود ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط اور شریعت کے منشاء کے خلاف ہے۔ عید قربانی کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل اہراق دم ہے ایک ایک بال کے بدلہ ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس دن صدقات مالیہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جوہرمنیرہ جلد ۲ ص۲۵۱ میں ہے۔ شِرَاءُ الْاُضْحِيَةِ بِعَشْرِ دَرَاهِمَ خَيْرٌ مِّنَ التَّصَدُّقِ بِاَلْفِ دَرَاهِمَ كَذَا فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص۱۵ یعنی قربانی کے جانور پر دس درہم خرچ کرنا ہزار درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے معلوم ہوا کہ قربانی کے دنوں میں صدقات مالیہ مطلوب نہیں بلکہ اہراق دم ہی مقصود ہے۔

جو سائنس دان نباتات میں حیات کے قائل ہیں ان کے لحاظ سے تو ہمارے معترضین کے جیوہتیاں میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے فائدوں اور ضرورتوں کے لئے ان درختوں کو

بلا تامل کاٹتے۔ پھاڑتے اور چیرتے ہیں۔ نیز دنیاوی سازوسامان تیار کرتے ہیں۔ پس جب ایسی احساس شعور رکھنے والی چیزوں کی ایذا رسانی پر کوئی جواب آپ رکھتے ہیں تو پیش کیجئے اور اسی کو ہماری طرف سے جواب سمجھیں۔ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

آخر میں عرض ہے کہ قربانی کے ایام میں صرف قربانی مقصود ہے۔ صدقات مالیہ کے خرچ کو ان کا قائم مقام ٹھہرانا سخت غلطی ہے جیسا کہ منکرین حدیث کہا کرتے ہیں۔ مقصود قربانی ہے۔ انفاق دراہم نہیں

بعض لوگ قربانی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے سے کیا فائدہ اس کی قیمت ادا کر دی جائے اور رقم کو قوم کے کسی تعمیری فنڈ میں لگا دیا جائے ایک شخص پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار کے جانور خرید کر ہر سال قربانی کرتا ہے۔

سوال:۔ جس امام کی اجرت مقرر ہو چکی ہے اس کی اجرت کو قربانی کھال سے۔ یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے ذریعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں ہے دلیل رقم فرما دیں۔

جواب:۔ قربانی کی کھال اُجرت میں نہیں دے سکتا کیونکہ قربانی کی کھال یا خود استعمال کرے یا صدقہ کرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اور اُجرت میں دینا صدقہ کی صورت نہیں ہے۔

حافظ: محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمیعۃ اہلحدیث پاکستان

(اخبار الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش $\frac{۲۱}{۲۲}$)

سوال:۔ جانور کے دانت متغیر ہیں یا کہ عمر اگر کسی نے بکرا اپنے گھر میں ابتداء سے پالا ہو سال پورا ہو گیا لیکن دانت نہ گرے ہوں کیا اس بکرے کی قربانی جائز ہے کیا کان پھٹا بکرا قربانی کیلئے جائز ہے

جواب:۔ جانور مسنہ میں دانت دیکھنے چاہیے اور جذعہ میں عمر کا لحاظ ہوتا ہے حدیث میں کان چیرے کی ممانعت وارد ہے۔

حافظ محمد گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۷

از: مولانا عبدالسلام صاحب بستوی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم اردو بازار دھلی

سوال:۔ قربانی کا گوشت شرعاً تین حصے کرنا چاہیئے۔ یا ایسے ہی جتنا چاہے فقراء و مساکین کو صدقہ کیا جائے؟ فقراء و مساکین کا حق متعین فرمائیں۔ نیز قربانی کا گوشت صدقہ ہے یا ہبہ؟ واضح فرمائیں۔ نیز رواج ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ امام کے پاس جمع کرتے ہیں اور اس گوشت کو فقراء و مساکین کو دینے کے بعد جو گوشت بچتا ہے اس کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا خود کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ (سورہ حج) یعنی ان مقرر دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔ ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔ پس تم خود بھی اسے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ "بعض کہتے ہیں کہ تین حصے کرنے چاہئیں۔ تہائی اپنا، تہائی ہدیہ دینے کے لئے اور تہائی صدقہ دینے کے لئے۔ پہلے قول والے اوپر کی آیت کی سند لاتے ہیں اور دوسرے قول والے آیت وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں جو سورۂ حج میں ہے پوری آیت یہ ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ط۔ (سورۂ حج) یعنی قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان میں تمھیں نفع ہے پس انھیں کھڑا کر کے نام خدا پڑھ کر نحر کرو۔ پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو انھیں خود بھی کھاؤ اور سوال سے رکنے والے اور نہ رکنے والے مسکینوں کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر رکھا ہے تاکہ تم شکر گذاری کرو۔ حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں؟ کہ بعض سلف تو فرماتے ہیں کہ یہ کھانا مباح ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور مسکینوں کو بھی وہ خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں یا در بدر سوال کرنیوالے یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو ادھر ادھر آئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر بس کرے اور وہ جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی اور مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو آنے جانیوالا اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں

اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے یہاں جو آئے جائے اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں
جو طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔
امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کیلئے دراز کرتا
ہے اور معتر سے مراد وہ جو پھیرے پھیرے کرے تاکہ کچھ مل جائے۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں تہائی اپنے کھانے کو تہائی دوستوں
کو دینے کو تہائی صدقہ کرنے کو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمھیں قربانی
کے گوشت کو جمع کرنے سے منع کیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں
کہ کھاؤ اور جمع کرو جس طرح چاہو اور روایت میں ہے کہ کھاؤ جمع کرو صدقہ کرو اور قرآن نے فرمایا خود کھاؤ
اور محتاجوں کو دو اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا سارا گوشت خود کھائے تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر کوئی حرج
نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس پر دیسی ہی قربانی یا اسکی ادائیگی ہے بعض کہتے ہیں آدھی قیمت دے بعض آدھا
گوشت، بعض کہتے ہیں کہ اس کے اجزاء میں سے چھوٹے سے چھوٹے جز کی قیمت اسکے ذمہ ہے باقی معاف
ہے۔ صورت مسئولہ میں عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ سے جواز
کی صورت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار اہلحدیث دہلی۔ جلد نمبر ۱۰ ش ۹)

زندہ جانور وزن کر کے خریدنا کیسا ہے؟
قربانی سے پہلے جانور کی اُون اور دُودھ کا کیا حکم ہے؟

(حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ)

سوال نمبر ۱:۔ آج کل یہ رواج بہت عام ہوگیا ہے کہ زندہ جانور ترازو میں رکھ کر وزن کر کے وہ سارا وزن
دو روپے یا تین روپے فی سیر خرید لیا جاتا ہے۔ عموماً لوگ قربانی کے جانور بھی اسی طرح خریدتے ہیں
کیا یہ بیع شرعاً جائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے؟ مفصل با دلائل تحریر فرمائیں۔
سوال نمبر ۲:۔ قربانی کی نیت سے جانور خریدا جائے تو اسکے ذبح ہونے سے پہلے اس کی اُون اتارنا یا دُودھ
دوہنا جائز ہے؟ اگر اُون اتاری جائے یا دودھ دوہا جائے تو کیا اس کو خود استعمال کر سکتا ہے؟

الجواب بعون الوهاب

جواب ۱ا:۔ حدیث میں اُون کو جانور کے بدن سے اتارنے بغیر فروخت کرنا منع ہے۔
چنانچہ بلوغ المرام کتاب البیوع ص۷۲ میں حدیث ہے۔ وَلَا يُبَاعُ صُوفٌ عَلَىٰ ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ (یعنی اُون جانور کی پیٹھ پر نہ فروخت کی جائے اور نہ دودھ لیوٹی (تھنوں میں)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جانور کے گوشت وغیرہ کا اندازہ کر کے فروخت کرنا اور خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب ایسی خرید و فروخت منع ہے تو اسکی قربانی کیسے جائز ہو گی؟

جواب ۲ا:۔ ترغیب وترہیب میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ اٰدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ۔ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاَنَّ الدَّمَ يَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وقال هذا حديث حسن غريب والحاكم وقال صحيح الاسناد وقال الحافظ رووه من طريق ابي المثنى واسمه سليمان ابن يزيد عن هشام بن عروة عن ابيه عنها عن سليمان رواه وقد وثق (ترغیب وترہیب ص۱۰۹)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی عمل نہیں کیا کہ قربانی سے زیادہ اللہ کو پیارا ہو۔ اور قربانی قیامت کے دن سینگوں۔ بالوں۔ کھروں سمیت آئے گی۔ اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام پر پہنچتا ہے پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کاٹنے چاہئیں۔
جیسے سینگ وغیرہ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی۔ ہاں اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے کا خریدا ہوا ہو۔ اور (اُون اتنی بڑی ہو گئی ہو تو پھر بقرعید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ بقرعید کے دن تک کافی بڑھ جائے تاکہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے۔ اس صورت میں کاٹنے سے اس حدیث کی مخالفت نہیں ہو گی اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اُون کاٹے

...ہ صدقہ کردینی چاہیے۔ کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شئے استعمال کرنا شبہ سے خالی ہیں
جو قربانی مکہ شریف میں بھیجی جاتی ہے اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر راستہ میں رہ جائے
...و اس کو ذبح کردو اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو تم اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے (ملاحظہ
...و مشکوۃ باب الہدئے فصل اول ص۲۳۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے للہ ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں
...لاچاری کی حالت میں سواری کی اجازت آئی ہے۔ چنانچہ مشکوۃ کے اسی باب میں ہے۔

اِرْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔

یعنی قربانی کے جانور پر سواری کیلئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے یہاں تک کہ اور سواری مل جائے
اسی بنا پر امام مالک وغیرہ قربانی کے دودھ کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ نیل الاوطار میں ہے۔

وَاخْتَلَفُوْا اَيْضًا فِي اللَّبَنِ اِذَا احْتُلِبَ مِنْهُ شَيْئًا فَعِنْدَ الْعِتْرَةِ وَالشَّافِعِيَّةِ
وَالْحَنَفِيَّةِ يَتَصَدَّقُ بِهٖ فَاِنْ اَكَلَهٗ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهٖ وَقَالَ مَالِكٌ لَا
يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهٖ فَاِنْ شَرِبَ لَمْ يَغْرَمْ۔ (نیل الاوطار جلد ۴ ص۲۳۴)

یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اہل بیت شافعیہ حنفیہ کہتے ہیں۔ جب
کچھ دودھ دوہے تو صدقہ کردے۔ اگر کہیں پی ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے اور امام مالکؒ کہتے ہیں
کہ پینے کی اجازت نہیں لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس پر تاوان کچھ نہیں۔

خلاصہ!۔ یہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شئے اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ذبح کے بعد استعمال
میں لاسکتا ہے۔ چمڑا استعمال کرسکتا ہے۔ اور اون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کرکے کوئی سے بنانی
چاہے تو بنا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی شئے کو فروخت کرکے پیسے کھانے کی اجازت نہیں۔
چنانچہ حدیثوں میں چمڑوں وغیرہ کے فروخت کرنے سے صریحاً منع فرمایا گیا ہے۔
(تنظیم اہلحدیث جلد ۲ ش ۲۷)

مقروض کے لئے زکوٰۃ اور قربانی کا کیا حکم ہے

سوال: جو شخص مقروض ہو گیا اس پر زکوٰۃ اور قربانی ہے! اور جو رقم کسی کو قرض دی گئی ہو اس پر زکوٰۃ ہے؟

الجواب بعون الوہاب:۔ اگر اور جائیداد بھی ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

اور جو لوگوں کی طرف قرض ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے مل سکتا ہے اس کی زکوٰۃ دے اور جو باوجود کوشش کے وصول نہیں ہوتا وہ مال ضمار کے حکم میں ہے۔ اس پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ ہے۔ جب کہ وصول ہو۔ خواہ کئی سال گذر جائیں۔ (ملاحظہ ہو موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد ۲ ص ۶ وغیرہ)

رہا قربانی کا مسئلہ تو اس کا حکم بھی زکوٰۃ والا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب شرط ہے۔ اور قربانی میں نصاب شرط نہیں۔ کیونکہ حدیث میں مطلق آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

علی کل اھل بیت فی کل عام اُضْحِیَّۃٌ عَتِیْرَۃٌ رواہ احمد وابن ماجۃ والترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب

نوٹ:۔ عتیرہ وہ ہے جو ماہ۔ جب میں ایک جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ حکم دوسری احادیث سے منسوخ ہے۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۳۷)

مولانا عبدالقادر صاحب عارف حصاری

سالم قربانی کرنے والوں اور قربانی میں شریک ہونیوالوں کو انتباہ

حضرات اہل اسلام! اب ماہ ذوالحجہ قریب آ رہا ہے، اس کے ابتدائی عشرہ کی بڑی فضیلت اور بزرگی ہے جن کی سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، یہ دس ایام دیگر مہینوں کے دس دنوں سے بہت زیادہ درجہ اور فضیلت رکھتے ہیں، ان دنوں میں ذکر الٰہی، تہلیل، تکبیر، تحمید نہایت کثرت سے کرنے کا حکم ہے، حضرت ابن عمر ابوہریرہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام ان دنوں میں بازاروں میں جاتے، تو تکبیریں کہتے، جن کی تکبیریں سن کر دیگر لوگ بھی تکبیریں کہتے۔ اعمال صالحہ کا درجہ ان دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ فائق اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، ان دنوں کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر درجہ رکھتا ہے، اور ان دنوں

کی راتوں کا قیام شب قدر کے قیام کا ثواب رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نو ذوالحجہ یوم عرفہ کا روزہ رکھتے اور فرماتے تھے کہ اس دن کے روزے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، پھر ان کے بعد قربانی کا سلسلہ دس تاریخ ذوالحجہ کو شروع ہوتا ہے، سب دنوں سے یوم النحر کی بڑی فضیلت ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کو سب دنوں سے زیادہ محبوب ہیں، اس دن کے بعد دوسرے ایام ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کی فضیلت ہے، ان کو ایام التشریق کہتے ہیں، ان میں روزہ رکھنا منع ہے کہ یہ ایام اکل و شرب کے ہیں، ان میں قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں، جس طرح اول وقت نماز افضل ہے، اس طرح دسویں تاریخ کو قربانیاں ذبح کرنا افضل ہے، اکثر اور اغلب عمل قربانی کی وجہ سے اس کا نام یوم النحر ہے، اس دن سب اعمال سے زیادہ موجب ثواب اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اعلیٰ اور عمدہ اور بے عیب جانور کا خون بہانا ہے اور سب جانوروں میں اللہ تعالیٰ کو دنبہ سفید رنگ اور سینگدار اور خوبصورت موٹی آنکھوں والا زیادہ پیارا ہے کہ یہ اوصاف اس دنبہ کے تھے۔ جو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دسویں تاریخ کو ذبح کیا تھا اس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قربانی کیا تھا۔ سفید رنگ کی بکری قربانی کرنا دو سیاہ بکریوں کے برابر درجہ رکھتی ہے[1] ۔ قربانی کی بڑی فضیلت ہے، قربانی کا جانور قیامت کے روز ترازو اعمال میں ڈالنے کے لیے لایا جاوے گا۔ جو سینگوں، بالوں، کھروں، پاؤں، گوشت پوست، ہڈیوں، خونوں، گوبر وغیرہ سمیت حاضر ہوگا اور اسکو دگنا کرکے ترازو اعمال میں ڈالا جاوے گا اور ہر بال کے عوض نیکیاں دی جاویں گی، قربانی ضرور کرنی چاہیئے۔ جو شخص قربانی باوجود وسعت مالی کے نہ کرے، ایسے بخیل کو عیدگاہ میں جانا جائز نہیں، قربانی کرنا ایسا عمل ہے، کہ اس کو ذبح کرنے سے جو خون نکلتا ہے اس کے پہلے قطرہ سے ہی تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار قبولیت میں وہ خون پہنچتا ہے، گوشت وغیرہ تو قربانی کرنے والے اور دوسرے لوگ کھا جاتے ہیں۔ قربانی میں جو اخلاص اور تقویٰ اختیار کیا جاتا ہے وہ درگاہ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے، ایسی قربانی جو درگاہ الٰہی میں قبولیت کو پہنچ گئی۔ دن قیامت کے دوزخ کے سامنے ڈھال کا کام دے گی اور اس قربانی دینے والے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہو جائے گی، تاکہ اس کو دوزخ کی آگ اور اس کی تپش نہ پہنچے، پھر جب لوگ پل صراط عبور کرکے جنت کو جائیں گے تو یہ قربانی اپنے مالک کے لیے سواری بن جائے گی، اس لیے خوب موٹا فربہ جانور خرید کر قربانی کرو، اور وہ جانور عیوب

---

[1] اس کا حوالہ ضروری ہے (ادارہ)

مضر صحت سے پاک ہو اور وہ عیوب یہ ہیں جو درج ذیل ہیں :-
(۱) جس جانور کے کان اُوپر کی جانب سے کٹے ہوں (۲) جس کے نیچے کی جانب سے کٹے ہوئے ہوں۔
(۳) جس کے چرے ہوئے ہوں، درازی ہیں۔ (۴) جس کے کان میں سوراخ ہو، گولائی ہیں۔ (۵) جس کا نصف یا زیادہ سینگ کا اندرونی حصہ سے چلا گیا ہو۔ (۶) لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن صاف ظاہر ہو۔
(۷) اندھا، کانا، بھینگا جس کا کانا پن اور بھینگ صاف نمایاں ہو۔ (۸) بیمار جانور جس کی بیماری صاف ظاہر ہو
(۹) لاغر اور دُبلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (۱۰) جس جانور کا کان جڑ سے اکھاڑا گیا ہو، جس کا سوراخ ظاہر ہو۔
(۱۱) جس کا سینگ جڑ سے نکل گیا ہو (۱۲) کمزور جو ریوڑ کے ساتھ چل نہ سکے۔ (۱۳) جس جانور کو کھجلی ہو، وُہ بھی درست نہیں ہے۔ (۱۴) اور جو تھن[۲] کٹا ہو۔ وہ بھی درست نہیں ہے۔

ان عیوب کے علاوہ کوئی عیب ہو، مثلاً دانت موٹا ہو یا دم کٹی ہو وغیرہ تو ایسے جانور کے ناجائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے کہ یہ عیوب کسی دلیل سے ثابت نہیں ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا جانور پسند نہ کرے اور اس سے بہتر جانور بالکل بے عیب تلاش لے تو یہ افضل ہے، لیکن یہ شرط ہر جانور کے لیے ہے کہ وہ دو دانت ہو، اس سے کم عمر کا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر میسر نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ ایک سال کا جائز ہے، مسنہ ہونے سے پہلے کی عمر سال یا سال سے زیادہ ہو تو وہ جذعہ کہلائے گا، بہر حال ان تمام عیوب سے پاک جانور قربانی کے لیے مشروع ہے، ہاں اگر قربانی کے خریدنے کے بعد ان عیوب سے کوئی عیب پیدا ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، اس کی قربانی جائز[۳] ہے، جو جانور قربانی کے لیے نام زد ہو کر معین ہو تو اس کا بدلنا اور بیچنا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی کا جانور وقت سے پہلے ہی بیمار ہو کر قریب ہلاکت کے ہو جائے، تو اس کو ذبح کر کے مساکین کے حوالے کر دے، نہ خود کھائے اور نہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے، اگر گابھن جانور قربانی کیا تو جائز ہے اس کے پیٹ سے جو بچہ نکلا، اگر زندہ ہو تو ذبح کرلے، اگر مردہ ہو تب بھی اس کا کھانا جائز ہے، اگر کوئی جانور بمعہ بچہ کے خریدا تو اس جانور کو بمعہ بچہ کے ذبح کرنا چاہیئے۔ قربانی نماز سے پہلے ذبح کرنی منع ہے، اگر نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کی تو قربانی نہ ہوگی۔ اُس کو قربانی دوبارہ کرنی پڑے گی۔ اور قربانی عیدگاہ میں کرنی سُنّت ہے اور گھروں

[۲] تھن کٹا ایسا عیب نہیں ہے جس سے حدیث میں ممانعت آئی ہو، آپکی نظر میں کوئی حدیث ہو تو مطلع فرمایئے (حافظ عبدالقادر)

[۳] فیہ نظر (حافظ عبدالقادر)

میں جائز ہے۔ امام الجماعت کو چاہیے کہ عیدگاہ میں اپنی قربانی سب سے پہلے ذبح کرے، پھر دوسرے لوگ قربانیاں ذبح کریں۔ اگر کسی نے امام الجماعۃ سے پہلے قربانی ذبح کر لی تو اس کی قربانی نہ ہوگی، اس کو دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی (نیل الاوطار) قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی سنت ہے خواہ عورت ہو، اگر ہاتھ سے ذبح نہ کر سکے تو قربانی کے پاس حاضر ہو کر اس پر اپنا ہاتھ رکھے یا اس کو پکڑ لے، اگر کئی اشخاص ایک قربانی میں شریک ہوں تو سب اس قربانی کو پکڑیں، کوئی اس کی ٹانگ پکڑ لے، کوئی ہاتھ، کوئی سینگ اور ذبح کرے، لیکن تکبیر سب شرکاء پکاریں۔ یہ طریقہ مسنون ہے۔ ہاں اگر عورت شریک ہو تو صرف پاس کھڑی ہو جائے اور چھری پہلے تیز کر کے رکھنی ضروری ہے، جانور کے سامنے چھری تیز کرنا جائز نہیں اور کسی جانور کو دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور جانور کو قربان گاہ میں نہایت عزت اور وقار سے لے جانا چاہیے، بری طرح کھینچ کر لے جانا منع ہے، جب قربانی کا ارادہ ہو تو شروع چاند سے قربانی کے ذبح تک حجامت کرانی منع ہے اور جو غریب مسکین قربانی نہ کر سکتا ہو، وہ بھی حجامت سے باز رہے، جب لوگ قربانیاں کر کے حجامتیں کرائیں تو وہ بھی حجامت بنوائے اور یہ نیت کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دیتا تو میں بھی قربانی ضرور کرتا۔ اس کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ۔ قربانی کا جانور سینگدار کرنا بے سینگ سے افضل ہے۔ اور جو قیمت میں گراں خرید اگیا وہ سستے خریدے ہوئے سے بہتر ہے۔ اور خصی جانور۔ بلا خصی سے بہتر ہے۔ میت کی طرف سے بھی قربانی کرنی جائز ہے۔ قربانی ذبح کرنے والا پہلے یہ دعا پڑھے۔ جب قربانی جانور قبلہ کی طرف لٹایا جائے تو یوں کہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔

اب آگے قربانی کرنے والا اپنا نام اور اپنے غمخوار کا نام اور اپنے اہل وعیال کا نام لے کر بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ دے مثلاً اگر راقم الحروف اپنے غمخوار کے ہمراہ قربانی کرے تو یہ کہے گا۔ عن عبد القادر

۱؎ امام الجماعت سے پہلے نہیں بلکہ حدیث میں تو قبل از نماز کا ذکر ہے قبل از امام کا ذکر نہیں (سعیدی)

۲؎ اگر قربانی گھر میں کرے تو عورت پاس کھڑی ہو سکتی ہے اور پکڑ بھی سکتی اگر کسی اور جگہ کرے جہاں غیر محرم مرد ہوں تو وہاں عورت جانا یا قربانی پکڑنا ضروری نہیں اگر بالکل پاس ہی نہ جائے تو قربانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا (سعیدی)

دُشُرَکَائِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ ھو۔ یہ طریقہ مسنون ہے اور قربانی سنت واجبہ ہے کہ آنحضور صلعم مدینہ میں دس سال مقیم رہے تو ہمیشہ قربانی کرتے رہے قربانی کا جانور وقت سے کچھ عرصہ پہلے خرید کر رکھنا اور اس کی پرورش کرنا اور اس کو فربہ کرنا افضل ہے قربانی حلال اور طیب مال سے خریدنی ضروری ہے۔ اگر قربانی میں ایک روپیہ حرام کا شامل ہوگیا تو قربانی مردود ہے اسی طرح قربانی کے جانور میں شریک ہونے والے اشخاص سب متقی۔ نمازی۔ موحد ہونے ضروری ہیں۔ اگر ان میں کوئی شخص حرام کار۔ حرام خور۔ کافر۔ مشرک بے نماز کافر وغیرہ بے دین شامل ہوا۔ تو قربانی سب کی مردود ہوجائے گی۔

قرآن میں ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (اللہ تعالےٰ متقیوں کی قربانی و نیک عمل قبول کرتا ہے۔

یہ اصول اس وقت کا مقرر کردہ ہے جس کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے جب کہ ہابیل اور قابیل کی قربانی کا مقابلہ ہوا تھا۔ حرام مال والا متقی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے۔ اللہ تعالےٰ پاک ہے اور وہ پاک مال۔ پاک عمل کو قبول کرتا ہے۔

مشکوٰۃ میں یہ حدیث ہے کہ اگر کسی شخص نے دس روپے کو کوئی کپڑا خریدا۔ ایک ان میں روپیہ حرام مال کا تھا۔ باقی نو حلال تھے۔ اب اگر اس نے اس کپڑا کو پہن کر نماز پڑھی تو جب تک وہ بدن پر رہا تب تک نماز نہ ہوگی۔ جب ایک حرام کے روپیہ نے نو روپیہ حلال بیکار کر دیا تو قربانی میں سات[2] اشخاص میں سے ایک کا روپیہ حرام کا ہے تو وہ باقی لوگوں کے حلال مال کو بیکار کر دے گا۔ اور قربانی قبول نہ ہوگی۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۲۶ ش ۲۰

مولانا عبدالقادر حصاری مرحوم

---

[1] قرآن مجید میں ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اور حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ہاں متقی اور پرہیزگار ہونا افضل ہے۔ قبولیت قربانی کیلئے شرط نہیں۔ سعیدی۔

[2] ہر شخص کی نیت اپنی ہے ایک بدنیت کا وبال دوسرے پر نہیں ہے۔ (سعیدی)

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی۔

قربانی میں شریک سب حصہ داروں کا اہلِ توحید ہونا ضروری ہے

قربانی کا جانور دُبلا ہو تو اسے فروخت کر کے اُس کی رقم میں مزید رقم مِلا کر اس سے عُمدہ یہ جانور خرید کر قربانی کرنا جائز ہے؟

سوال ۱:۔ قربانی کی گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوں تو کیا ان سب کا مُسلمان ہونا ضروری ہے۔ چند حصہ دار موحد، نمازی ہوں اور ان کے ساتھ چند مشرک، بدعتی بے نماز بھی ہوں تو کیا اس صورت میں اہلِ توحید کی قربانی صحیح ہوگی؟۔

سوال ۲:۔ قربانی کا جانور خریدا گیا، بعد خیال ہوا کہ یہ جانور دُبلہ ہے اس کو فروخت کر کے جو رقم حاصل ہو اس میں کچھ مزید رقم ملا کر کوئی اور فربہ موٹا جانور خرید کر قربانی کر دیا جائے، کیا یہ جائز ہے؟

عبدالرحمٰن حصاری خطیب جامع اہلحدیث

(چک ۲۷۵ گ ب۔ ڈاک خانہ خاص براستہ کنجوانی ضلع لائل پور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب بعون الوھاب

جواب ۱:۔ ایک جانور کی جان ایک ہے چاہیئے تھا کہ ایک گائے، ایک ہی شخص یا گھر کی طرف سے قربانی ہو۔ کیونکہ قربانی خون بہانے کا نام ہے، گوشت کے حصوں کا نام نہیں وہ تو انسان خود ہی کھا لیتا ہے اور جان بکری، دُنبے اور گائے کی ایک ہی ہے پس گائے کا سات کے قائم مقام ہونا محض خدا کی مہربانی ہے اسلئے قربانی میں شریک بھی ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں یعنی سب موحد مسلمان ہوں، مشرک نہ ہوں اور نیت بھی سبکی قربانی کی ہو نہ کسی کی نذر یا عقیقہ وغیرہ کی، اسی لئے گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہونے میں شبہ ہے کیونکہ عقیقہ کے متعلق حدیث میں صراحت نہیں آئی۔ اور قربانی کی بابت صراحت آگئی ہے کہ سات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

خلاصہ:۔ یہ کہ جو بات شریعت میں قیاس کے خلاف ہو وہ اسی مقام پر بند رہتی ہے کیونکہ جب علت معلوم نہیں تو اس کا حکم دوسری جگہ کس طرح جاری ہوسکتا ہے۔

اس مسئلہ پر "تنظیم اہلحدیث" دسمبر ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا عبدالقادر حصاری کا مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"قربانی حلال طیب مال سے خریدنی ضروری ہے۔ اگر قربانی میں ایک روپیہ حرام کا شامل ہو گیا تو قربانی مردود ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور میں شریک ہونے والے تمام اشخاص نمازی موحد ہونے ضروری ہیں اگر ان میں کوئی حرام کار، حرام خور، کافر، مشرک، بدعتی، بے نماز وغیرہ بے دین شامل ہوا تو قربانی سب کی ضائع ہو جائے گی۔

قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (پ) (اللہ تعالیٰ متقین کی قربانی و نیک عمل قبول فرماتا ہے)

یہ اصول اس وقت کا مقرر کردہ ہے ہابیل قابیل کی قربانی کا مقابلہ ہوا تھا جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ حرام کھانے والا متقی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے:۔

(اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال، پاک عمل قبول کرتا ہے)

مشکوٰۃ میں حدیث ہے:۔

"اگر کسی نے دس روپے میں کوئی کپڑا خریدا۔ ایک روپیہ ان میں حرام مال کا تھا۔ باقی ۹ حلال تھے جب تک یہ کپڑا بدن پر رہا اور اس کو پہن کر نماز پڑھی۔ نماز قبول نہ ہوگی۔

"جیسے ایک حرام کے روپے نے نو روپے حلال کر بیکار کر دیا اسی طرح قربانی میں سات اشخاص میں سے ایک کا روپیہ حرام ہوا تو باقی لوگوں کے حلال کو بیکار کر دے گا اور قربانی قبول نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح سات میں سے ایک شریک قربانی کافر، مشرک، بے نماز، بدعتی ہو تو باقی حصے داروں کی جو اس کے ساتھ شریک ہیں قربانی قبول نہ ہوگی لہٰذا قربانی میں ایسے لوگوں کی شرکت سے پرہیز لازم ہے۔"

جواب ۲:۔ پہلا جانور جو قربانی کی نیت سے خریدا اور نامزد کیا گیا اگر معمول دبلا ہے یعنی شرعاً قربانی ہو سکتا ہے تو اسی پر کفایت کریں، تبدیل کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصد حاصل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے دبلے جانور کی جگہ دوسرا عمدہ، فربہ اور بیش قیمت جانور قربانی کرنا چاہتا ہے تو سوال میں جس صورت کا

ذکر ہے وہ جائز ہے کیونکہ ادنے کی بجائے اعلیٰ اور بہتر دیا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ :
حدیث میں ہے کہ اگر اونٹوں کی زکوٰۃ میں کسی شخص کے ذمے بنتِ لبون ہے (مادہ بچہ جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو جائے) لیکن اس شخص کے پاس بنت لبون نہیں ہے بلکہ حقہ ہے (جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں داخل ہو جائے) تو اس صورت میں اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا بنت لبون کی جگہ حقہ دینا چاہے تو اس سے لیا جا سکتا ہے۔ ٹھیک اس طرح قربانی میں اونیٰ جانور کی بجائے اس[1] سے بہتر دینا جائز ہوگا۔ ابن قدامہ جلد ۸ ص۶۳۸ میں یہ مسئلہ مفصل بیان ہوا ہے، وہاں عبارت بھی ہے۔

وَيَجُوزُ اَنْ يُبَدِّلَ الْاُضْحِيَةَ اِذَا اَوْجَبَهَا خَيْرٌ مِنْهَا هٰذَا الْمَنْصُوصُ عَنْ اَحْمَدَ وَبِهٖ قَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ وَعِكْرِمَةُ وَمَالِكٌ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ (عن ابن قدامہ)

(قربانی کا جانور اس صورت میں تبدیل کرنا جائز ہے جب اسکی جگہ دوسرا بہتر دیا جائے یہ امام احمدؒ سے منصوص ہے۔ عطاء، مجاہد، عکرمہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔)

مختصر یہ کہ قربانی کا جانور بصورت مسئولہ تبدیل کرنا جائز ہے (تنظیم اہلحدیث ۲۱/ دسمبر ۱۹۷۳ء)

(حافظ عبد القادر روپڑی)

لفظ مُسنّہ کی تحقیق

قربانی کے جانور کے لئے فرمان نبویؐ یہ ہے: لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّاْنِ۔ (مسلم) یعنی قربانی میں مسنّہ جانور ذبح کرو) یعنی لوگ مُسِنّہ کا معنی "سال والا" کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مُسِنّہ کا نون مشدد ہے اور یہ مسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دانت۔ سَنَۃٌ سے مشتق نہیں، جس کے معنی سال ہیں مُسِن باب افعال اَسَنَّ يُسَنِّنُ۔ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اصل میں مُسْنِنٌ تھا۔ نون کو نون میں ادغام کیا مُسِنّ ہو۔ اس پر "ۃ" نقل کی زیادہ کی تو "مُسِنَّةٌ" ہو گیا۔ نقل کی "ۃ" وہ ہوتی ہے جس میں صفت وغیرہ اسمیت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے مُسِنٌّ ہر دانت والے کو کہتے ہیں "ۃ" زیادہ کرنے سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یعنی مُسِنّہ دو دانت والے کا گویا نام ہو گیا جیسے ذبیح ہر ذبح شدہ جانور کو کہتے ہیں اس پر "ۃ" زیادہ کرنے سے ذبیحۃ۔ جانور

[1] حدیث شریف میں آیا ہے کہ قربانی کا جانور خریدنے کے وقت تمام عیوب سے دیکھ بھال کرنی لینی چاہیئے اس میں ہے کہ ایسا لاغر بھی نہ ہو کہ جس میں مخ اور چربی نہ ہو ایسا جانور خریدنا ہی منع ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اسکو بدلنا منع ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور وہ کتب حدیث میں مشہور ہے (سعیدی)

کے ساتھ خاص ہو کر گویا اس کا نام ہو گیا۔ پس مُسِنّۃ کا معنی دو دانت والا ہوا اس کے معنی سال والا غلط بالکل غلط ہے اور بے فہمی کا نتیجہ ہے "مُسِنَّۃ" اور ثَنِیّ کے اصل معنی دو دانت والا ہیں۔ بعض ائمہ دین سے سالوں کا اندازہ منقول ہے مثلاً حضرت امام ابو حنیفہ رح کا خیال ہے کہ بکرا ایک سال کا ہو جائے تو مُسِنّۃ اور ثنِیّ ہے امام احمد بن حنبل رح فرماتے ہیں کہ تیسرے سال میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح بعض شارحین حدیث اور اہل لغت نے بھی سال دو سال کا اندازہ لکھ دیا ہے مگر یہ کوئی اختلاف نہیں اسکی اصل وجہ مختلف ممالک اور علاقوں کی آب و ہوا اور خوراک وغیرہ کا فرق ہے یعنی ملکوں میں دو دانت جلد ہی نکل آتے ہیں اور بعض میں کچھ دیر سے اس لئے ائمہ دین نے اپنے اپنے ملک اور علاقہ کے لحاظ سے سالوں کا اندازہ بیان فرما دیا۔ پس فرمان نبوی ﷺ کی رُو سے بکری، گائے، اونٹ دو دانت سے کم ہرگز قربانی نہیں ہو سکتے۔

(اخبار تنظیم اہلحدیث جلد ۲۶ ش ۲۲)

قربانی کے ذبح کا وقت نماز عید کے بعد ہے پہلے ہرگز جائز نہیں؟

قربانی کے لئے دُنبے اور چھترے کی عمر کتنی ہونی چاہیئے

مشرقی پنجاب کے ضلع فیروزپور کی تحصیل زیرہ کے قریب چند کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے "لکھوکے والا" ۔ وہ وہاں ایک بڑے صاحب علم و تحقیق بزرگ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی قدس اللہ روحہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے جن کی فقہ متداول اور فقہ الحدیث پر وسیع اور گہری نظر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ "فتاویٰ نذیریہ" میں بھی آپ کے بعض فتاویٰ موجود ہیں جو حضرت میاں صاحب رح کے تصدیق فرمودہ ہیں۔

مولانا محمد یوسف رح کے فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بھی مولانا علی محمد صاحب سعیدی (خانیوال) کے پاس مخطوطے کی شکل میں موجود ہے جو تنقیح و تحقیق کے بعد قابل اشاعت ہے۔

مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں سے غالباً ذوالحجہ کی مناسبت سے دو مسئلوں پر مشتمل ایک مختصر تحریر "الاعتصام" کے لئے ارسال فرمائی ہے جو موصوف کے شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت ہے (ادارہ)

(۱) اما بعد پس مخفی نہ رہے کہ صلوۃ عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی ذبح کرنا احادیث صحیحہ کی رو سے منع ہے نماز سے پہلے ذبح کرنے والے کی قربانی نہیں ہوتی۔ صحیحین کی مرفوع حدیث میں آیا ہے۔

فقال صلی اللہ علیہ وسلم، مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّیَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰی ۔ یعنی جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی ذبح کی وہ اور قربانی کرے۔

سبل السلام میں ہے ظاهر الحديث تدل على تعليق الذبح بالصلوة انتهى وكذا فى فتح العلام ص ۲۹۳۔ ظاہر حدیث اس پر دال ہے کہ قربانی کا ذبح کرنا نماز کے ساتھ معلق ہے۔ وعن انس قال قال النبى صلى الله عليه وسلم يوم النحر من ذبح قبل الصلوة فليعد متفق عليه كذا فى المنتقى۔ (جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی ٹھیک پورے طور سے پوری ہوگئی اس شخص نے مسلمانوں کا طریقہ اختیار کیا یہ احادیث صحیحہ صریح دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا اس کی قربانی ناجائز اور نادرست ہے۔ ان احادیث کے برخلاف ایک کیا اگر ہزاروں فتوے ہوں تو وہ اس لائق نہیں کہ ان احادیث کے مقابلہ میں ان کا نام بھی لیا جائے (حررہ العاجز یوسف عفی عنہ)

۲۔ ضان کہتے ہیں خلاف معز (بز) کو منتہی الارب میں۔ ضان بالفتح میش خلاف معز انتہی۔ مختار الصحاح میں ہے۔ الضان ضد المعز انتہی حیوۃ الحیوان میں ہے۔ الضان ذوات الصوف من الغنم انتہی صراح میں ہے ضان میش خلاف صعز یعنی غنم میں سے پشم دار کو ضان کہتے ہیں۔ الحاصل ازروئے لغت لفظ ضان میش چکی دار اور میش غیر چکی دار ہر دو کو شامل ہے۔ ہر میش پر خواہ چکی رکھتی ہو خواہ نہ رکھتی ہو لفظ ضان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی۔ ترجمہ قرآن مجید میں ضان کے معنی بھیڑ لکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ضان کے ہر جذعہ کی قربانی کرنے کی اجازت آئی ہے۔ پس ضان کے ہر جذعہ کی (خواہ چکی رکھنے والا دنبہ ہو یا بغیر چکی کے چھترا ہو) قربانی جائز ہوئی پس بعض علماء کا ضان کے "جذعہ" کی قربانی کے جواز کو دنبہ پر منحصر کرنا بلا دلیل ٹھہرا۔ جذعہ کی عمر کے تعین میں خواہ وہ دنبہ ہو خواہ چھترا۔ علماء دین کا اختلاف ہے۔ نیل الاوطار صفحہ ۱۱۳ ج ۵ میں ہے۔

الجذع من الضان ماله سنة تامة هذا هو الاشهر عن اهل اللغة و جمهور اهل العلم من غيرهم وقيل ماله ستة اشهر وقيل سبعة وقيل ثمانية وقيل عشرة وقيل ان كان متوالدا بين شابين فستة اشهر وان كان بين هرمين فثمانية انتهى۔

"یعنی" اہل لغت اور جمہور اہل علم کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ ضان کا جذعہ وہ ہے جو ایک سال کا ہو۔

بعض کہتے ہیں۔ چھ ماہ کا ہو بعض کہتے ہیں جو سات ماہ کا ہو بعض کا خیال ہے جو دس ماہ کا ہو۔ بعض نے کہا ہے اگر جوان ماں باپ سے پیدا ہوا ہے تو چھ ماہ کا۔ اگر بوڑھے ماں باپ کا بچہ ہے تو آٹھ ماہ کا احتیاط اسی میں ہے کہ خواہ دُنبہ ہو خواہ چھترا ایک سال کی عمر کا ہونا چاہیئے اگر اس سے کم عمر ہو خواہ ششماہی خواہ ہفت ماہی تو عند البعض وہ بھی جائز ہے (حررہ العاجز یوسف عفی عنہ)

واضح رہے کہ "یہ بعض" اس میں کچھ شرطیں بھی لگاتے ہیں جیسا کہ کتب حدیث کی بعض شروح میں اس کی تفصیل مذکور ہے اس لئے مناسب یہی ہے ایک سال سے کم عمر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(خاکسار محمد عطاء اللہ حنیف) الاعتصام جلد ۲۲ ش ۲۶

مولانا عبد القادر صاحب عارف حصاری ساہیوال

بھینس کی قربانی کا حکم

سوال ا:۔ بھینس یا بھینسا جو مشہور جانور ہے کیا اس کی قربانی شریعت سے ثابت ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیے آپ کی تحقیق مسائل سے میری تسلی ہو جاتی ہے۔

(السائل محمد حسین بن اسماعیل رئیس صدر شعبہ اسلامیات لارنس کالج مری پنجاب)

جواب ا:۔ الحمد للہ رب العلمین۔ اما بعد فاقول و باللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ بھینس۔ بھینسا جو مشہور حیوان ہے اور پنجاب وغیرہ ملک عجم میں عام پایا جاتا ہے۔ عہد نبوی و صحابہ میں ملک عرب خصوصاً حجاز میں پایا نہیں گیا۔ کتاب و سنت میں خصوصی طور پر اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ ملک عجم کی پیداوار ہے اس لیے اس کا نام معرّب جاموس ہے حیوٰۃ الحیوان ج ا صـ ۲۳۲ میں ہے علامہ دمیریؒ یہ فرماتے ہیں۔ الجاموس واحد الجوامیس فارسی معرب "یعنی جاموس جوامیس صیغہ جمع کا واحد ہے"۔ یہ لفظ فارسی سے معرب ہے جیسے بھیڑ۔ دنبہ۔ بکری کی جنس سے ہیں اس طرح جاموس بقر یعنی بھینس گائے کی جنس سے ہے چنانچہ حیوٰۃ الحیوان کے صفحہ محولہ میں لکھا "حکمہ وخواصہ کالبقر" یعنی بھینس کا حکم مثل گائے کے ہے یعنی اس کی جنس سے ہے۔ ھدایہ فقہ کی مشہور درسی کتاب کی جلد ۲ صـ ۲۲۹ میں یہ لکھا ہے یُدْخَلُ فِی الْبَقَرِ الْجَامُوْسُ لِاَنَّہٗ مِنْ جِنْسِہٖ "یعنی قربانی کے بارہ میں بھینس گائے کا حکم رکھتی ہے"۔ کیونکہ یہ اس کی جنس سے ہے۔ امام ابو بکر ابن ابی شیبہ نے کہا باب الزکوٰۃ میں زکوٰۃ کے احکام

بیان فرماتے ہوئے کہا۔ کہ ایک جماعت باسناد یوں درج کیا ہے۔ اَبُوبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ اَشْعَثَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّہٗ یَقُوْلُ الْجَوَامِیْسُ بِمَنْزِلَۃِ الْبَقَرِ۔ یعنی امام حسن بصری رحہ سے روایت ہے کہ بھینس گائے کے درجہ میں ہے" یعنی جیسے تیس گایوں پر زکوٰۃ ہے ویسے ہی تیس بھینسوں پر ہے امام حسن بصریؒ نے بہت سے صحابہ کرام رضہ سے علم قرآن وحدیث کا حاصل کیا ہے انھوں نے بھینس کو گائے کی جنس سے ٹھہرا کر اس پر وہی حکم لگایا ہے امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا کے صـ ۲۱۳ مع شرح مصفیٰ میں حیوانوں کی زکوٰۃ کا حکم بیان فرماتے ہوئے ایک مقام پر یہ لکھا ہے۔ قَالَ مَالِکٌ فِی الْعِرَابِ وَالْبُخْتِ وَالْبَقَرِ وَالْجَوَامِیْسِ نحو مالک۔ "یعنی امام مالکؒ نے فرمایا کہ جیسے گوسفند اور بکری سے زکوٰۃ لینے کی تفصیل بیان ہوئی ہے ایسے ہی عربی اونٹوں اور بختی اونٹوں اور گائیوں اور بھینسوں سے زکوٰۃ لینی چاہیئے" امام مالک تبع تابعینؒ سے ہیں جو جاموس کو گائے ساتھ شمار کرتے ہیں۔ پس تابعین رحہ اور تبع تابعین رحہ کے عہد میں جاموس گائے کی جنس میں شمار ہوا کنوز الحقائق میں ایک روایت یوں درج ہے۔ اَلْجَامُوْسُ فِی الْاُضْحِیَۃِ عَنْ سَبْعَۃٍ یعنی بھینس قربانی میں سات کی طرف سے شمار ہے اس حدیث کی اسناد کا کچھ علم نہیں ہے[۱] لیکن جاموس کو گائے کے ساتھ شمار کرنے میں اکابر محدثین کا مسلک ہے۔ چنانچہ مرعاۃ المفاتیح جلد ۲ صـ ۳۰۳ میں ہے

"لِمَا رَاٰی الْفُقَھَاءُ مَالِکًا وَالْحَسَنَ وَعُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَاَبَا یُوْسُفَ وَابْنَ مَھْدِیٍّ وَنَحْوَھُمْ اِنَّھُمْ جَعَلُوا الْجَامُوْسَ فِی الزَّکٰوۃِ کَالْبَقَرِ فَھُوَ مِنْ ذٰلِکَ اِنَّ الْجَامُوْسَ ضَرْبٌ مِنَ الْبَقَرِ فَخَبِیْرٌ عَنْ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ نَوْعٌ مِنْہُ"

یعنی فقہاء محدثین امام مالک امام حسن بصری۔ امام عمر بن عبد العزیز۔ قاضی ابو یوسف۔ امام ابن مہدی وغیرہ جاموس کو گائے کی ایک قسم شمار کرتے ہیں اس لیے زکوٰۃ بھینس کے گائے کے حساب سے بیان کرتے ہیں نیز یہ لکھا ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّہٗ لَا یُجْزِیْ فِی الْاُضْحِیَۃِ بِغَیْرِ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ وَھِیَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ وَالْغَنَمُ صِنْفَانِ الْمَعْزُ وَالضَّأْنُ۔ یعنی یہ بات جان لینی چاہیئے کہ بہیمۃ الانعام کے بغیر کوئی جانور قربانی میں کفایت نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان قرآن میں یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا نام قربانی کے مویشیوں پر یاد کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیئے ہیں اور وہ اونٹ،

---

[۱] کنوز الحقائق میں فردوس دیلمی کا حوالہ ہے اور معلوم ہے کہ فردوس کی روایات عموماً کمزور ہوتی ہیں کنز العمال کے مقدمہ میں بحوالہ حافظ سیوطی جن چار کتابوں کی روایتوں کو علی العموم کمزور کہا ہے ان میں اس کا بھی شمار ہے۔ والدیلمی فی مسند الفردوس فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا او الی بعضھا عن بیان ضعفہ (ص ۳ جلد اول) ج ح،

گائے غنم ہیں۔ غنم کی دو قسمیں ہیں ایک بکری دوسری بھیڑ۔ ان جانوروں کے بغیر کسی جانور کی قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے منقول نہیں ہے پھر لکھتے ہیں وَاَمَّا الْجَامُوْسُ فَمَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ وَغَيْرُهُمْ جَوَازُ التَّضْحِيَةِ بِهٖ۔ یعنی "مذہب حنفی وغیرہ میں بھینس کی قربانی جائز لکھتے ہیں: پھر یہ لکھا ہے۔ قَالُوْا لِاَنَّ الْجَامُوْسَ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ اِنَّ الْجَامُوْسَ فِي الزَّكٰوةِ كَالْبَقَرَةِ فَيَكُوْنُ فِي الْاُضْحِيَةِ اَيْضًا مِثْلُهَا۔ یعنی "فقہاء حنفیہ وغیرہ یہ لکھتے ہیں کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے اور ان کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ بھینس زکوٰۃ کے بارہ میں مثل گائے کے ہے تو قربانی میں بھی اس کی مثل ہے۔" میں کہتا ہوں کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ بھینس حلال ہے اس کی دلیل کہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (تمہارے لیے چار پائے مویشی حلال کیے گئے ہیں) تفسیر خازن وغیرہ میں سب چار پائے حیوانوں کو جو مویشی ہیں۔ گھوڑے کی طرح سم دار نہیں اور نہ شکار کرنے والے درندے ہیں سب کو بہیمۃ الانعام میں شمار کیا ہے حتی کہ ہرن اور نیل گائے جنگلی گدھا گورخر وغیرہ کو بہیمۃ الانعام میں شمار کیا ہے تو بھینس بھی بہیمۃ الانعام میں داخل ہے اس لیے یہ حلال ہے اور بہیمۃ الانعام کی قربانی نص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ سورۂ حج میں یہ آیت ہے۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ یعنی "ہم نے ہر امت کے لیے طریقہ قربانی کرنے کا مقرر کیا ہے تاکہ اللہ کا نام ذبح کے وقت ان مویشیوں پر ذکر کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیے ہیں اور انہوں نے پال رکھے ہیں۔ موضح القرآن میں بہیمۃ الانعام پر لکھا ہے "انعام وہ جانور ہیں جن کو لوگ پالتے ہیں۔ کھانے کو جیسے گائے۔ بکری۔ بھیڑ جنگل کے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اس میں داخل ہیں کہ جنس ایک ہے۔"

بنا بریں بھینس بھی بہیمۃ الانعام میں داخل ہے چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۵۲ میں سوال وجواب یوں درج ہیں۔

سوال:۔ بھینس کی حلت کی قرآن وحدیث سے کیا دلیل ہے اور اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قربانی جائز ہو تو استدلال کیا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجازت فرمائی ہے۔ یا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔

جواب:۔ جہاں حرام چیزوں کی فہرست دی ہے وہاں یہ الفاظ مرقوم ہے۔ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ الآیۃ۔ ان چیزوں کے سوا جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال ہے بھینس ان میں نہیں (وہ حلال ہے) اس کے علاوہ عرب کے لوگ بھینس کو بقرہ (گائے) میں داخل سمجھتے ہیں (تشریح) حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا لیس اس کی قربانی نہ

سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیساکہ حنفیہ کا قیاس ہے۔ کماف الہدایہ۔ یا عموم بھیمۃ الانعام پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کیلئے علت کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بھینس کو بھیمۃ الانعام میں شمار کرنا قیاس نہیں ہے قرآنی نص بھیمۃ الانعام کا لفظ عام ہے جس کیلئے کئ افراد ہیں گائے بکری وغیرہ تو بھینس بھی بھیمۃ الانعام کا ایک فرد ہے۔ بھیمۃ الانعام کی قربانی منصوص ہے تو بھینس کی قربانی بھی نص قرآنی سے ثابت ہو گئی باقی رہی یہ بات کہ سنت رسول سنت صحابہ نہیں ہے تو جواز کو مانع نہیں ہے دیکھئے۔ ریل۔ جہاز۔ سائیکل۔ موٹر کار وغیرہ کا وجود عہد نبوی میں نہ تھا ان کی سواری نہ سنت رسول ہے نہ سنت صحابہ رض کی ہے تاہم یہ سب چیزیں عموم[1] کے تحت آجاتی ہیں اور علمار اسلام ریل۔ موٹر۔ سائیکل۔ وغیرہ پر سوار ہوں گے یا اونٹ گھوڑے گدھے وغیرہ پر سوار ہوں گے نیز نماز کی اذان عہد نبوی میں بلند مکان پر پڑھی جاتی تھی اور عہد سلف میں بلند مینار پڑھی جاتی تھی اور اس وقت لاؤڈ سپیکر نہ تھا لیکن اب مسجدوں کے اندر لاؤڈ سپیکر نصب ہیں اور اذان مسجد کے اندر کہی جاتی ہے پہلا مسنون طریقہ ہے اور دوسرا مروجہ کو جائز کہا جائے گا۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ بکری گائے کی قربانی مسنون ہے تاہم بھینس بھینسا کی قربانی بھی جائز اور مشروع ہے اور ناجائز لکھنے والے کا مسلک درست نہیں فقط (اخبار الاعتصام لاہور جلد ۲۶ ش ۱۵)

مسئلہ قربانی مرغ

سوال:۔ مدعیان عمل بالحدیث کا ایک گروہ مرغ کی قربانی کو مشروع اور صحابہ کرام کا معمول بہ قرار دیتا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ بقرہ عید کو مرغ کی قربانی کرتے ہیں اور اس میں احیار سنت کا ثواب جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ابن حزم جو بڑے عظیم الشان محدث۔ فقیہ۔ مجدد وقت فخر اندلس رحمہ اللہ تھے۔ اس کے مجوز تھے۔ کیا یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے۔ اگر صحیح ہے تو کتاب۔ وسنت کی روشنی میں اس کا ثبوت کیا ہے اور پھر جماعت اہلحدیث کا اس پر عمل کیوں نہیں ہے بلکہ بعض علمار اہلحدیث اس کو منع کرتے ہیں۔

[1] عموم سے مراد یہ آیۃ ہے وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ اس عہد کی تمام سواریوں کا ذکر کے فرمایا پیدا کرے گا وہ سواریاں جو تم نہیں جانتے (الراقم علی محمد سعیدی)

سیف الرحمٰن فیروز پوری:۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔ واضح ہو کہ قرآن کریم سورہ حج میں ہے:۔ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِیَذْکُرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ۔

یعنی ہر امت کیلئے ہم نے ذبح مناسک کے طریقے مقرر کیے ہیں تاکہ وہ جو پائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دے رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں قربانیوں کیلئے بَھِیْمَۃَ الْاَنْعَامِ کا ذکر فرمایا ہے بَھِیْمَۃَ الْاَنْعَامِ کا اطلاق قرآن وحدیث کی زبان میں بھیڑ۔ بکری۔ گائے بھینس اونٹ اور دُنبہ پر آیا ہے اور یہ ازواج ثمانیہ ہیں جن کا ذکر سورہ انعام میں ہے بروئے قرآن وحدیث قربانی انھیں جانوروں سے مخصوص ہے عہد نبویؐ اور قرن سلف وخلف اہل اسلام میں بالاجماع تعامل انہی جانوروں کی قربانی پر چلا آیا ہے اور یہی سنت ابراہیمی ہے۔ زاد المعاد جزء اول ص۳۲۸ (افضل فی ہدیہ) میں ہے۔

فی الھدایا والضحایا والعقیقۃ وھی مختصۃ بالازواج الثمانیۃ المذکورۃ فی سورۃ الانعام ولم یعرف عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن الصحابۃ رضی اللہ عنہم ھدی ولا اضحیۃ ولا عقیقۃ من غیرھا۔

یعنی حرم کی قربانیاں اور خانگی قربانیاں اور عقیقہ یہ سب ان چار پایوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو سورۂ انعام میں مذکور ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں ان جانوروں کے سوا کسی جانور کی قربانی ثابت نہیں ہے۔ درایہ تخریج ہدایہ ص۳۲۶ میں ہے۔

لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن الصحابۃ التضحیۃ بغیر الابل والبقر والغنم کما قال قد ثبتت الامور الثلاثۃ فی الصحیح لم یزد فیہ ولا غیرہ سواھا۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے قربانی اُونٹ۔ گائے۔ بکری۔ کے بغیر منقول نہیں ہے ان کی قربانی جامع صحیح بخاری کی احادیث سے ثابت ہے۔ اوران کے علاوہ غیر جنس کے جانوروں کی قربانی صحیح بخاری یا کتب صحاح کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لاتذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان۔

یعنی دو دانت جانور کے بغیر کسی کو ذبح نہ کرو اگر دو دانت والا میسر نہ ہو تو اٹھ دس[1] ماہ کا میڈھا قربانی کر دو۔

پس پرندے مُرغ وغیرہ نہ مسنہ ہیں نہ جذع ہیں اس لیے منع ہیں مرغ کی قربانی کا ثبوت کسی نص قطعی الثبوت اور قطعی الاثبات سے نہیں اور نہ قرون ثلاثہ میں اس پر تعامل پایا گیا ہے اس کو سنت قرار دینا جہالت ہے جس سے بچنا واجب ہے کیونکہ سنت وہ کام ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل پایا گیا ہے جیسا کہ حدیث فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین سے ظاہر ہے جن جانوروں کی قربانی شعائر اللہ میں شمار ہے۔ وہ ازواج ثمانیہ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ مرغ کی قربانی شعائر اللہ میں داخل نہیں۔ نہ یہ ہدیٰ میں ذبح ہوا اور نہ اضحیہ اور نہ عقیقہ میں۔ یہ بعد رائے سے ایجاد کیا گیا ہے کہ اس کی قربانی مشروع ہے حالانکہ یہ : شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ - کا مصداق ہے قرآن مجید میں حاجی کیلئے تو۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ؛ کا حکم وارد ہے اس کی تفسیر بھی اُونٹ گائے بکری سے کی گئی ہے جامع البیان

مجوزین کا استدلال اور اس پر تنقید

جو مدعیان عمل بالحدیث مرغ کی قربانی کے مجوز ہیں وہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں تلخیص کے حوالہ سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا اثر پیش کرتے ہیں جس سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ اثر بے سند ہے جو حجت نہیں ہے تلخیص میں تو اس کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنا ہی مخدوش ہے الفاظ اس کے یہ ہیں وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض اَنَّهٗ ضَحّٰی بِدِيَالِكٍ وَفِیْ نُسْخَةٍ بِدِیْكٍ تلخیص الجبیر جلد ۲ ص ۳۸۲ ۔ یعنی اس اثر ابوہریرۃ رض کے الفاظ ضحیٰ آگے دو نسخے ہیں ایک میں بذالِكٍ اور دوسرے نسخہ میں بدیك ہے جس مشار الیہ لفظ خیل ہے جو اس سے پہلے سہیلی کی ایک غیر معروف روایت میں وارد ہے اگر دیك کا نسخہ درست ہے تو اس میں مرغ کا ذکر ہے مگر یہ تصحیف ہو گا جو بذالك کا بدیك بن گیا جب یہ شبہ پڑ گیا تو استدلال ساقط ہوا اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ دوسرا ثبوت اس اس اثر کا سبل السلام سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہاں عبارت یوں ہے دَمًا دَدِیٰ

[1] اٹھ دس ماہ کا میڈھا قول مرجوح ہے اور ایک سال کا میڈھا قول صحیح ہے جیسا کہ شروح حدیث میں ہے۔ (سعیدی)

عن ابی ھریرۃ انہ ضحی بدیک۔ یعنی ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ انہوں نے مرغ قربانی دیا سبل السلام کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے صرف بلوغ المرام حدیث کی کتاب کی شرح ہے جس کے شارح علامہ محمد اسماعیل امیر ہیں انہوں نے یہ الفاظ تلخیص ہی سے غالباً نقل کئے ہیں کیونکہ سوائے تلخیص کے کسی معتبر کتاب میں روایت نہیں پائی گئی لہٰذا اس میں لفظ بدیک مخدوش ہے پھر اگر اس لفظ کو بدیک ہی تسلیم کیا جائے تو بھی یہ اثر قبول نہیں کیونکہ بلا اسناد نقل کیا گیا ہے۔ یہ ضابطہ محدثین میں مسلم ہے کہ کوئی حدیث یا اثر صحابی بلا اسناد مقبول نہیں۔

اہل بدعت میں کئی احادیث اور آثار مشہور ہیں اور بعض روایات کتب فقہ میں اور شروح اور حواشی میں بصیغہ مجہول لفظ رُوِیَ سے منقول ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے اس لئے وہ قابل التفات نہیں جو لوگ حضرت ابوہریرۃ رض کے اثر کو حجت سمجھتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اس کی اسناد پیش کریں ورنہ خرط القتاد نہیں جب سند پیش ہو گی تو پھر غور کیا جائے گا کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے اسی طرح سہیلی کی روایت ناقابل اعتبار ہے جو بغیر سند ہے لہٰذا امام رافعی کا یہ فرمان سولہ آنہ درست ہے۔ وَلَمْ یُؤْثَرْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنْ أَصْحَابِہٖ التَّضْحِیَۃُ بِغَیْرِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ۔ تلخیص بحوالہ مذکورہ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اونٹ گائے۔ بکری کے بغیر کسی جانور کی قربانی ثابت نہیں۔

پس لیکھ کہ حافظ ابن حجر نے جو اس اجماع پر قابل نظر ہے جلد ۲ ص ۳ وہ ناکام رہا اور یہ مضبوط قلعہ تعامل اجماعی کا بدستور قائم ہے یہی وجہ کہ درایہ میں حافظ نے اس قلعہ میں پناہ لیکر اتفاق کر لیا ہے۔ کما تقدم اگر بالفرض یہ اثر درست ہو تو حجت نہیں کیونکہ اثر ہے جو قرآن واحادیث کے خلاف ہے قرآن وحدیث میں بہیمۃ الانعام کی قربانی وارد ہے۔ مرغ کا قربانی، یا عقیقہ میں ذبح کرنا ثابت نہیں... اول اثر ہے.... دوم بلا سند ہے.... سوم کسی مستند کتاب میں صحیح الفاظ سے ثابت نہیں... تو پھر یہ قابل استدلال کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اس پر سنیۃ کا دارمدار کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟

دوسری دلیل

محلی ابن حزم سے یہ منقول ہے کہ من طریق سعید بن منصور نا ابو الاحوص اخبرنا عمران بن مسلم عن سوید بن غفلۃ قال قال بلال ماکنت ابالی لو ضحیت

یدیك ولان اخذ ثمن الاضحیۃ فاتصدق علی مسکین مقستر فھو احب الی من ان اضحی (محلی جلد ۷ ص ۳۵۸)

یعنی بلال رضؓ نے فرمایا کہ اگر میں مُرغ قربانی کر دوں تو کوئی پروا نہیں اور اگر قربانی کے جانور کی قیمت لے کر کسی مفلس تنگ دست پر صدقہ کر دوں تو یہ مجھے قربانی ذبح کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

دوسری دلیل پر جرح یہ قول بلال رضؓ بھی مثبت دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں نہ تو مُرغ قربانی میں ذبح کرنے کا ذکر ہے اور نہ حکم ہے کہ مُرغ قربانی کر دو۔ بلکہ اس میں لفظ لَوْ کے ساتھ کلام کی گئی ہے جس کو تمنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تمنا کے معنی میں لَوْ کا استعمال آجاتا ہے جس سے تمنا کا مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ فعل تمنا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔ پس، مقصد حضرت بلال کا قربانی کا عدم وجوب ظاہر کرنا ہے کہ قربانی معروف محض تطوع ہے فرض نہیں اگر مرغ قربانی کر دیتا تو پروا نہ تھی اور قیمت قربانی کی صدقہ کر دیتا تو کیا پروا تھی، یہ بھی اچھا ہوتا۔ چنانچہ اس پر حضرت بلال کا آخری کلام دلالت کر رہا ہے۔

حضرت ابن عباس کا اثر اور حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ اثر دال ہے۔۔۔ کہ:۔

عن ابن عباس انہ اعطی مولیٰ لہ درھمین وقال اشتریھا لحما ومن لقیك فقل ھذہ اضحیۃ ابن عباس۔

یعنی ابن عباس رضؓ نے اپنے غلام کو دو درہم دیئے کہ ان کے ساتھ گوشت بازار سے خرید لاؤ اور جو شخص تم کو ملے، اس کو یہ کہہ دو کہ یہ ابن عباس کی قربانی ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قربانی معروف فرض نہیں تطوع ہے۔ عید کے دن گوشت خرید کرنا اور اس کو صدقہ کر دینا ثواب ہے، جیسے کوئی تنگ دست حجامت نہ بنوائے اور عید کے بعد حجامت بنوائے تو قربانی کا ثواب ہے لیکن اصل قربانی نہیں ہے۔۔۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے ماں باپ کی طرف دیکھنا حج کرنا ہے اصل حج نہیں ہے یا لَوْ شرطیہ ہے یہ جب ماضی داخل ہوتا ہے۔ تو تعلیق فی الماضی کے لئے آتا ہے۔ جہاں صرف جزاء کے وجود کو پختہ کرنا مقصود ہے، خواہ شرط موجود ہو، یا مفقود ہو تو یہاں بلال رضؓ کا قربانی سے لاپروائی ظاہر کرنا ہے کہ یہ فرض نہیں ہے اگر میں مُرغ قربانی میں ذبح کر دیتا یا اس قربانی کی قیمت ہی کسی غریب کو دے دیتا تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔ یہ تعلیق ہے جس پر نہ عمل بلال نے کیا اور نہ کسی اور نے کیا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ:۔ تَصَدَّقُوْا وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ۔۔۔

یعنی صدقہ دو اگرچہ جلا ہوا پایہ بکری ہو۔

الغرض مَا کُنْتُ اُبَالِیْ کہہ کر مرغ قربانی کرنے اور قیمت قربانی دینے کو یکساں بنانے کی تمنا ظاہر کی ہے۔ جیسے حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے فرمایا کہ مَا اُبَالِیْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ یعنی میں پرواہ نہیں کرتا کہ شراب نوش کروں یا اس ستون کی پوجا کروں، یکساں گناہ ہے۔ اس سے گناہ میں یکساں ظاہر کرنا ہے نہ کہ اصل حکم کہ ایک فسق ہے اور دوم شرک ہے۔ مقصد دونوں سے بچنا ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضؓ کا مطلب نہ مرغ کو قربانی کرنا ہے اور نہ قیمت دینا ہے۔ اس سے اصل مقصد قربانی کی فرضیت سے انکار ہے۔ اگر اس تعلیق فی الماضی سے سنیت کا حکم ثابت کیا جائے تو قربانی نہ کرنا اور اس کی قیمت دینا بھی مسنون اور مشروع ہو گا۔ اور گوشت خرید کر دینا بھی سنت ہو گا۔ جس سے ملحدین کی بات صحیح ثابت ہو گی جو کہتے ہیں کہ قربانیاں نہ کرو۔ اہراق دم ضروری نہیں۔ قیمتیں صدقہ کر دو کہ مہاجرین بہت حاجت مند ہیں۔

چڑیا کی قربانی

نیز عقیقہ میں چڑیا کرنا بھی جائز ہو گا۔ کیونکہ موطا امام مالک باب استحباب عقیقہ میں ہے کہ ابراہیم بن حارث تیمیؒ نے کہا مُسْتَحَبٌّ الْعَقِيْقَةُ وَلَوْ بِعُصْفُوْرٍ۔ یعنی عقیقہ مستحب ہے اگرچہ چڑیا ذبح کر دو تو کیا چڑیا بھی عقیقہ یا قربانی میں ذبح کی جا سکتی ہے؟

آخری دلیل

ایک دلیل فضیلت جمعہ میں حدیث ساعات پیش کرتے ہیں کہ اس میں كَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وارد ہے کہ جو چہارم ساعت میں آئے اس کو مرغی قربانی دینے کا ثواب ہے۔

اس حدیث میں مرغی قربانی دینے کا مطلب مرغی صدقہ کرنے کا ہے . . . نیل الاوطار میں ہے، اَیْ تَصَدَّقَ بِهَا کہ اس کو صدقہ کیا۔ اگر قربانی مشہور مراد ہے تو پھر بکروں، بھیڑوں کی جگہ انڈے قربانی ہونے لگیں گے کیونکہ اسی حدیث میں یہ ہے کہ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً۔ پانچویں ساعت میں انڈا قربانی کرنے کا ثواب پائے گا مرغ کی قربانی ثابت نہیں اور نہ اس پر سلف کا تعامل ثابت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن حزم گو بہت بڑے عالم ہیں مگر انکی کوئی بات نصوص قطعیہ کے خلاف اجماع کے خلاف مانی نہیں جا سکتی۔ ان عاملین بالرائے کو جان لینا چاہیئے کہ علامہ ابن حزم نے قریش کی ثابت کر کے غیر قریش کی امارت کو باطل قرار دیا اگر اس کو ہم نے مان لیا تو پھر مرغی والوں کی امارت کا کارخانہ ہی منہدم ہو جائے گا۔ اسی طرح

ابن حزم نے مدرک رکوع کو رکعت کے اعادہ کا وجوباً ورنہ نماز باطل ہے ۔۔ یہ بھی مانی ہو گی ۔ اگر نہیں تو قربانی مرغ میں ان کی بے دلیل بات کیسے مانی جا سکتی ہے ۔ ؟

اور آج کل موسیقی کے جواز میں ابن حزم کو بڑے شد و مد سے عیاش اور بے دین لوگ پیش کر رہے ہیں ۔ کیا یہ حضرات موسیقی کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیں گے ! الاعتصام جلد نمبر ۱۱ ش نمبر ۲

مولانا غلام مرشد صاحب کا خطبۂ عید قربان

قربانی پر پابندی عائد کرنے کی تجویز

— مولانا سید داود صاحب غزنوی ؒ —

شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد صاحب نے عید کے خطبہ میں قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کرنے کی تجویز پیش کر کے فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کر دی جائے تو اس رقم کی ادائیگی مذہباً قربانی تصور کی جائے گی (نوائے وقت ۲۔۶۔۱۹۵۹)

مولانا غلام مرشد صاحب نے اپنا یہ نظریہ پیش کر کے حکومت کو اس کے لئے اُبھارا اور یہ ارشاد فرمایا کہ

ارباب اقتدار کو مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح پاکستان میں جانوروں کی قربانی کی ایک حد مقرر کرنی چاہیئے آپ نے کہا کہ اگر ہماری حکومت منصوبہ بندی کرے تو ملی مفاد کی خاطر لاکھوں جانوروں کی قیمت قربانی کے نام پر وصول کر کے بہت سے ہسپتال، اور تعلیم گاہیں تعمیر کر سکتی ہے (نوائے وقت)

مولانا کے اس خطبہ نے عوام اور خواص میں بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا ہے ۔ دیندار طبقہ مغموم اور متفکر ہے کہ اگر اسی طرح اسلام کے احکام کی قطع و برید ہوتی رہی ۔ اور ملا دین کے اثر سے متاثر ہو کر صرف معاشی اقتدار سے احکام اسلامی کو تولا گیا تو جو کچھ روس میں ہوا وہی کچھ پاکستان میں ہو کر رہے گا ۔

عید کے دوسرے دن حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب (نیلہ گنبد) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں دیکھا کہ وہ بہت مغموم اور رنجیدہ ہیں ۔ اور مولانا غلام مرشد صاحب کے خطبہ پر انتہائی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں ۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مادیت یا مادہ پرستی کا اس قدر ہمہ گیر اثر ہے کہ عوام تو درکنار علماء بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں ۔ مولانا غلام مرشد نے جو کچھ کہا اس کا تعلق اسلام کی روحانیت سے قطعاً نہیں ۔ نہ فقہاء نے کہیں اس کی اجازت دی ہے ۔ یہ ان کی خالص مادہ پرستی ہے اور سنت ابراہیمی

سنتِ محمدیہ، سنتِ صحابہ کرام اور تمام سلف وخلف کے طریقہ مرضیہ کے خلاف ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کی یہ تقریر اسلام پر شدید حملہ ہے، اسلام تمام مسلمانوں کی مشترکہ میراث ہے اور جب وقت مشترکہ جائداد پر حملہ ہوتا ہے۔ اس وقت اس جائداد کے تمام شرکاء کا فرض ہوتا ہے کہ حملہ آور کا مقابلہ کریں۔ مولانا غلام مرشد نے اسلام کی سیزدہ صدسالہ روایات پر حملہ کیا ہے۔ ہر عالم اور ہر عامی کا فرض ہے کہ اس حملہ کی مدافعت کرے اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو اس الحاد سے پاک رکھنے کی کوشش کرے۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ

فقہاء کی طرف اس بدعت کی نسبت ظلم عظیم ہے۔ اس مسئلہ کو فقہی نقطہ نظر سے تم لکھو اور شائع کرو۔ اس کے بعد "نوائے وقت" نے اپنے ایک مقالہ افتتاحیہ میں ایک قابلِ غور تجویز کا عنوان قائم کرکے علماء کو دعوت دی کہ وہ مولانا غلام مرشد کے اس دعویٰ کو پرکھیں۔

حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اور محترم مدیر نوائے وقت کی دعوت پر یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ ان سطور کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء کرام کا اس بارہ میں فیصلہ کیا ہے

فقہاء کرام کا فیصلہ

فقہاء کرام نے اضحیہ (قربانی) کی تعریف، شرائط اور رکن بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔۔۔ قربانی کے جانور کا ذبح کرنا رکن قربانی ہے اس لئے تضحیہ یعنی اہراق دم (خون بہانا) واجب ہے۔ اور امر وجوب کا تعلق جب کسی معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز یا دوسرا فعل اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اضحیہ یعنی قربانی۔ ایام نحر میں اہراق دم (خون بہانے) سے ہی ہو سکتی ہے اگر کوئی شخص قربانی کا جانور خرید کر زندہ کسی کو صدقہ کردے تو بھی قربانی ادا نہیں ہوگی چہ جائیکہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی کو صدقہ کردے۔ فقہاء کرام کا یہ ارشاد قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر مبنی ہے۔

قرآن کریم

قرآن کریم میں سورہ انعام کے آخر میں حق سبحانہ وتعالےٰ نے سیدنا ونبینا رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اور تمام امت دعوت کو یہ اعلان کردیں کہ

مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور وہی راستہ درست، صحیح دین اور ابراہیم حنیف کا طریقہ ہے جو ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

مشرکین کی عبادت غیر اللہ کے لئے، ان کی نذر ونیاز اور قربانیاں غیر اللہ کے لئے ہوتی ہیں مگر

آپ اعلان کر دیں کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ میری نماز میری قربانی، میری ساری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لیئے ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ۔

اس آیت میں "نسک" کے لفظ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں لیکن راجح قول یہی ہے کہ "نسکی" سے مراد قربانی ہے ۔ جیسا کہ سعید بن جبیر، قتادہ اور دوسرے تابعین سے مروی ہے لیکن سب سے واضح قرینہ اس کے لئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے حضرت جابر رض سے صحاح میں مروی ہے کہ آپ نے دو دنبوں کی قربانی دی ۔ جب آپ نے انہیں قبلہ رخ لٹایا تو یہ دعا پڑھی ۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ اس دعا میں "ونسکی" کا لفظ جبھی برمحل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قربانی ہو ۔ اور یہی دعا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رض کو سکھائی ۔ فرمایا اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو، اور قربانی ہوتے دیکھ ۔ خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں تیرا گناہ معاف ہوگا اور یہ دعا پڑھ ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اِلٰی آخرہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ "ونسکی" سے مراد قربانی ہی ہے ۔ اس تشریح کے مطابق اس آیت میں نماز اور قربانی کو ایک ساتھ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح سورہ کوثر میں اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ نماز اور قربانی دونوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یوں حکم دیا گیا کہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے ۔

احادیث

قرآن کریم کے اس حکم فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک کیا تھا؟ وہ متعدد احادیث میں مذکور ہے ۔

نمبر۱ ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے ۔ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَشْرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ ۔ (ترمذی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال اقامت فرمائی ۔ ہر سال آپ قربانی دیتے تھے ۔

نمبر۲ ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض سے کسی شخص نے سوال کیا ۔ کیا قربانی واجب ہے حضرت

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَحّٰی الْمُسْلِمُوْنَ فَاَعَادَھَا عَلَیْہِ فَقَالَ اَتَعْقِلُ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ۔ میاں! اتنا جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی دی اور صحابہ کرام نے قربانی دی۔ سائل نے پھر وہی سوال دہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا تم سمجھتے نہیں۔ میں نے کیا کہا! میں نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے اور مسلمان قربانی دیتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ میں ان اصطلاحات میں نہیں جاتا۔ سیدھی سادی بات جانتا ہوں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے، اور مسلمان بھی آپ کے اتباع میں قربانی دیتے رہے۔

نمبر۳: براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ تَمَّ نُسُکُہٗ وَاَصَابَ سُنَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (صحیحین) جس نے نماز کے بعد قربانی کا جانور ذبح کیا اس کی قربانی ٹھیک ہوگئی اور مسلمانوں کی سنت کے مطابق اس کا عمل رہا۔

اس روایت میں مزید الفاظ یوں مروی ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ ان اول ما نبدء بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا۔ اس دن (یوم الاضحی) میں ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں۔ پھر گھروں کو لوٹ آئیں اور قربانی کا جانور ذبح کریں۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا۔ یقیناً اس کا عمل ہمارے طریقہ کے مطابق رہا۔

نمبر۴:۔ زید بن ارقمؓ روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے دریافت کیا:۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیْ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

کوئی مسلمان اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہوگا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی، عید اضحیٰ اس واقعہ عظیمہ کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال کے قریب گزر گئے۔ کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آئے ہیں اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارضی پر آباد ہیں، اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے ــــ کسی واعظ کا وعظ، کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبر و قہر اس سنت ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کرسکتا۔ کوئی پہاڑ سے سر ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے

گا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عید قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور، خوبصورت جانور موٹے تازے، خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح ہوتے رہیں گے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

نمبر ۵:۔ حضرت جابر رضؓ سے صحاح میں یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی دنبوں کی قربانی دی اور مسند عبدالرزاق میں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے:۔ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ سَمِينَيْنِ ۔ جب آپ قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے موٹے دنبے خریدتے۔

روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ ایک دنبہ اپنی طرف سے اور آل محمدؐ کی طرف سے ذبح فرماتے اور دوسرا دنبہ غربا امت کی طرف سے ذبح فرماتے۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ متعدد جانور قربانی میں دینا پسندیدہ فعل ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔ قَالَ الشَّافِعِيَّةُ إِنَّ الْأُضْحِيَةَ بِسَبْعِ شِيَاهٍ أَفْضَلُ مِنَ الْبَعِيرِ لِأَنَّ الدَّمَ الْمُرَاقَ فِيهَا أَكْثَرُ وَالثَّوَابُ يَزِيدُ بِحَسْبِهِ ۔۔۔ (فتح الباری جلد ۲۲ صفحہ ۳۲) شافعی علمائے نے یہ تصریح کی ہے کہ سات بکریوں کی قربانی ایک اونٹ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ سات بکریوں کے ذبح میں اراقۃ الدم (خون بہانا) زیادہ ہے اور اسی مناسبت سے ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

نمبر ۶:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سو اونٹ کی قربانی دی۔ ۶۳ جانور اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ باقی جانور حضرت علی رضؓ نے ذبح کئے۔ یہ مادیین، یہ تجدد پسند، یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پر دستار فضیلت بندھی ہوئی ہو۔ اور منبر خطابت کو زینت دے رہا ہو، وہ اس قربانی کے فلسفہ کو بھی سمجھ سکے ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

نمبر ۷:۔ حضرت عائشہ رضؓ سے سنئے کہ وہ زبانِ رسالت مآب سے اس اہراق دم (خون بہانے) پر کیا روایت کرتی ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا (ترمذی، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل قربانی کے جانور کے خون بہانے سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں۔ بالیقین جان لو کہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور یہ بھی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اے قربانی دینے والو! اس عمل کی عظمت و قبولیت پر خوش ہو جاؤ۔

نمبر ۸:۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رض کو بھی آپ نے قربانی کے خون کی عظمت اور ثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ یا فاطمۃ قومی إلی أضحیتک فاشہدیھا فان لک بکل قطرۃ من دمھا ان یغفرلک من ذنوبک۔ قالت یا رسول اللہ النا خاصۃ أھل البیت اولنا وللمسلمین قال بل لنا وللمسلمین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (بیہقی، طبرانی)

اے فاطمہ! اپنی قربانی کے لئے کھڑی ہو جا اور اس کے پاس موجود رہ۔ ہر قطرہ خون کے بدلہ میں تیرے گناہ بخشے جائیں گے۔ حضرت فاطمہ رض نے عرض کیا، کیا یہ ثواب صرف ہم اہل بیت کے لئے ہی ہے یا سب مسلمانوں کے لئے؟ آپ نے فرمایا صرف اہل بیت کے لئے نہیں بلکہ اہل بیت اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے

نمبر ۹:۔ حضرت علی رض کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وصیت کر رکھی تھی کہ میرے بعد میرے لئے قربانی دیتے رہنا۔ حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رض کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ حضرت علی رض نے جواب دیا۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْہُ فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا اَدَعُہٗ اَبَدًا۔ (ابو داؤد، ترمذی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی دیتا رہوں۔ اس لئے یہ دوسری قربانی حضور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے دیتا ہوں اور ایک روایت کے مطابق فرمایا میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔

نمبر ۱۰:۔ عقبہ بن عامر کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور صحابہ میں تقسیم کئے۔ امام بخاری رح نے اس روایت سے یہ مسئلہ استنباط کیا۔ قِسْمَۃُ الْاِمَامِ الْاَضَاحِیَّ بَیْنَ النَّاسِ کہ امام غربا میں قربانی کے جانور تقسیم کرے تاکہ وہ بھی اس دن قربانی ذبح کر کے سنت ابراہیمی کے ادا کرنے

کے قابل ہو سکیں۔

ذرا غور فرمائیے کہ عہد نبوی میں صورت حال یہ تھی کہ آپ غربار میں قربانی کے جانور تقسیم کرتے تھے کہ وہ بھی قربانی دے سکیں۔ اور آج مولانا صاحب یہ کوشش فرما رہے ہیں کہ خوش حال بھی قربانی نہ دیں۔ بلکہ اس کے بدلے قومی فنڈ میں چندہ دے دیں۔ اتباع سنت کا صحیح تقاضا تو یہ تھا کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرتے کہ وہ رقم مخصوص کرے اور اس سے قربانی کے جانور غربار میں تقسیم کرے تاکہ آج بھی سُنتِ محمدیہ کے مطابق غربار قربانی دے سکیں۔

بہرحال ان تمام روایات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا ہی مطلوب اور سنت ابراہیمی کے ادا کرنے کی صحیح صورت ہے اور کوئی دوسری چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی اور اسی حقیقت کی طرف فقہار کرام نے رہنمائی کی ہے۔

فقہاء کرام کی تصریحات

اب آپ کے سامنے فقہار کرام کی تصریحات پیش کرتا ہوں۔ درمختار اور اس کا حاشیہ ردالمختار فقہ حنفیہ کی مشہور اور مستند کتاب ہے، صاحب درمختار کتاب الاضحیہ کے ذیل میں اضحیہ (قربانی) کی تعریف، قربانی کے شرائط، قربانی کا وقت بیان کرنے کے بعد قربانی کا رُکن بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

درمختار وَرُكْنُهَا ذِبْحُ مَا يَجُوْزُ ذِبْحُهُ مِنَ النَّعَمِ لَا غَيْرُ فَتَجِبُ التَّضْحِيَةُ اَىْ اِرَاقَةُ الدَّمِ مِنَ النَّعَمِ۔

یعنی قربانی کا رکن ان جانوروں کا ذبح کرنا جن کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ پس واجب اراقۃ الدم یعنی خون بہانا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

لان رکن الشئی مایقوم به ذالك الشئی والاضحیة انما تقوم بهذا لفعل فکان رکنا (رد المحتار ص۲۲۱ ج ۵)

اس لئے کہ کسی چیز کا رکن وہی ہو سکتا ہے جس کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ قربانی چونکہ ذبح ہی کے ساتھ وجود میں آتی ہے اس لئے ذبح جانور قربانی کا رکن ہوا۔

اس کے بعد علامہ شامی اراقۃ الدم کے وجوب پر لکھتے ہیں:۔

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى اِنَّهَا الْاِرَاقَةُ لَوْ تَصَدَّقَ بِعَيْنِ الْحَيْوَانِ لَمْ يُجْزِ۔ (رد المختار ص۲۲۳ جلد ۵)

یعنی اراقۃ الدم کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندہ جانور قربانی کا کسی کو بطور صدقہ دے دے

تو یہ قربانی متصور نہ ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفیہ کے مشہور فتاویٰ عالمگیریہ میں یوں وضاحت کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَمِنْهَا اِنَّهٗ لَا يَقُوْمُ غَيْرُهَا مَقَامَهَا فِي الْوَقْتِ حَتّٰى لَوْتَصَدَّقَ بِعَيْنِ الشَّاةِ اَوْقِيْمَتِهَا فِي الْوَقْتِ لَا يُجْزِيْهِ عَنِ الْاُضْحِيَّةِ (ص ۲۲٦ ج ۵)

قربانی کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی دوسری چیز ایامِ نحر میں اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں اگر کوئی شخص زندہ بکری کسی کو صدقہ کر دے یا اس کی قیمت کسی کو صدقہ کر دے تو قربانی اس کے ذمہ بحال رہے گی۔

بدائع الصنائع بدائع الصنائع فقہ حنفی کی بلند پایہ کتاب ہے۔ یہ کتاب ترتیبِ مضامین اور حسنِ بیان کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ اس کے مصنف امام علاء الدین الکاسانی، ملک العلماء کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے کیفیت وجوب اضحیہ کے ذیل میں متعدد احکام لکھے ہیں زیرِ بحث مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وَمِنْهَا اَنْ لَا يَقُوْمَ غَيْرُهَا مَقَامَهَا حَتّٰى لَوْتَصَدَّقَ بِعَيْنِ الشَّاةِ اَوْقِيْمَتِهَا فِي الْوَقْتِ لَا يُجْزِيْهِ عَنِ الْاُضْحِيَّةِ لِاَنَّ الْوُجُوْبَ تَعَلَّقَ بِالْاِرَاقَةِ وَالْاَصْلُ اِنَّ الْوُجُوْبَ اِذَا تَعَلَّقَ بِفِعْلٍ مُعَيَّنٍ اِنَّهٗ لَا يَقُوْمُ غَيْرُهٗ مَقَامَهٗ (جزء ۵ ص ٦٦)

یعنی وجوب قربانی کی کیفیات میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی یعنی ذبح جانور کا کوئی بدل یا اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بجائے ذبح کرنے کے زندہ بکری کسی کو صدقہ کر دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ قربانی کے وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ وجوب کا تعلق اگر ایک معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد اس سوال کو پیش نظر رکھ کر کہ صدقہ فطر میں جنس کے بجائے قیمت دینا جائز ہے تو قربانی میں بھی یہ صورت جائز ہونی چاہیئے ۔ کہ بجائے قربانی کے اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے۔ فرماتے ہیں:۔ وَهٰهُنَا الْوَاجِبُ فِي الْوَقْتِ اِرَاقَةُ الدَّمِ شَرْعًا غَيْرُ مَعْقُوْلِ الْمَعْنٰى فَيَقْتَصِرُ الْوُجُوْبُ عَلٰى مَوْرِدِ الشَّرْعِ وَبِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ اِنَّهَا تَتَاَدّٰى بِالْقِيْمَةِ عِنْدَنَا لِاَنَّ الْوَاجِبَ

هُنَاكَ مَحْمُولٍ بِمَعْنَى الْاَغْنَاءِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغْنُوْهُمْ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ وَالْاِغْنَاءُ يَحْصُلُ بِاَدَاءِ الْقِيْمَةِ ۔ (ص ۶۷ جز ۵)

یعنی ایام نحر میں جو چیز واجب ہے، وہ ہے خون بہانا یعنی ذبح جانور۔ شریعت نے اس کی وجہ نہیں بتائی۔ اس لئے وجوب کا حکم مورد شرع کے ساتھ مخصوص ہوگا، بخلاف صدقۂ فطر کے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کر دی کہ مساکین کو عید الفطر کے دنوں میں سوال سے بے نیاز کر دو۔ یہ سوال سے بے نیازی صدقۂ فطر میں جنس کے ادا کر دینے سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کی قیمت ادا کر دینے سے بھی ہوتی ہے اس لئے ہمارے نزدیک صدقۂ فطر میں تو قیمت دی جا سکتی ہے لیکن قربانی میں قیمت نہیں دی جا سکتی۔

فقہاء کرام کے فتویٰ کو واضح کرنے کے لئے یہ چند عبارات کافی ہیں ۔۔۔ اس میں یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آگئی ہے کہ قربانی کے ایام میں جانور ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ قیمت تو درکنار خود زندہ جانور کے صدقہ کر دینے سے بھی قربانی کے وجوب سے کوئی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض صورتیں ایسی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایام قربانی میں قربانی نہیں دے سکا اور بعد میں وہ قربانی دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ قربانی کی قیمت بھی دے سکتا ہے اور قربانی بھی دے سکتا ہے ۔۔۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں جن کو فقہاء نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ ایام قربانی میں قربانی کے جانوروں کی قیمت حکومت وصول کر کے رفاہی کاموں میں خرچ کرے۔

مولانا غلام مرشد صاحب کے پیش نظر فقہاء کی اگر کچھ تصریحات ایسی ہیں جو اُن کی تجویز کے حق میں ہیں ۔۔۔ تو وہ پیش کریں ۔۔۔ اس کے بعد غور کیا جا سکتا ہے کہ مولانا صاحب کی تجویز کی تائید، ان عبارات سے ہوتی ہے یا نہیں۔ ہم کھلے دل سے ان کا مطالعہ کریں گے۔

اگر کتاب و سنت سے اور فقہاء کرام کی تصریحات سے اپنی تجویز کو مؤید کر دیا تو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

بہر حال ان کے ارشادات کا انتظار رہے گا۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۔ اخبار الاعتصام جلد ۱۰ ش ۳۸ ۸۳

مسائل واحکام

مولینا محمد علی جانباز سیالکوٹ

الاستفتاء

مکرمی جناب مولانا صاحب ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مندرجہ ذیل سوال کا جواب کتاب وسنت کی روشنی میں مطلوب ہے امید ہے آپ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سوال

(۲) قربانی کی گائے کے حصص میں کیا کوئی بریلوی شریک ہو سکتا ہے جبکہ اس کا عقیدہ شرکیہ ہے اگر اس کی شرکت جائز ہو تو مرزائی کے متعلق کیا خیال ہے ؟

جواب نمبر۲۔ گائے وغیرہ کی قربانی کے حصص میں بریلوی عقیدہ کا شخص شامل ہو سکتا ہے اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے عقیدے کی خرابی باقی شرکاء کے حصص کی حلت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جبکہ وہ بھی قربانی سنت یا واجب سمجھ کر کرتا ہے۔ کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ منافقین مدینہ کو مسلمانوں کی قربانیوں میں شریک نہ کیا گیا ہو۔ جب منافقین کی شرکت ہو سکتی ہے تو بریلوی عقیدہ ان سے بدتر نہیں ہے۔ باقی رہی مرزائی کی شرکت تو اس کے متعلق بھی حرام کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ بہر حال اگرچہ مرزائی کتاب وسنت کی رو سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے مگر اس کا کفر اس کے اپنے حصے کے لیے خرابی کا سبب بن سکتا ہے۔ باقی لوگوں کے حصوں پر اس کا کفر خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی مرزائی اگر ہمارے پیچھے آکر نماز پڑھ لے تو ہماری نماز اور جماعت میں اس کی شرکت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہوگی۔ صرف اس اکیلے کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ کافر ہے اور کفر کے ساتھ کوئی بھی عبادت مقبول نہیں ہوتی (مولنا محمد علی جانباز سیالکوٹ) اہلحدیث لاہور جلد ۱۰ ش ۹۔

از جناب محمد دین صاحب بٹ چوک شہید گنج - لنڈا بازار لاہور

مشینی ذبیحہ

اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا جانور ذبح کرنے کے متعلق ۔ فتویٰ

(۱) جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا ضروری نہیں.

(۲) اسلام میں جو جانور حلال ہیں اگر ان کو ایسی مشینی سے ذبح کیا جائے (یعنی مشین سے جانوروں کا گلا کاٹ دیا جائے) جس سے وہ فوراً مر جائے تو یہ جانور حرام نہیں ہوں گے ان کو حلال سمجھا جائے گا

روزنامہ مشرق لاہور مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۷

مارول گھٹنا پھوٹروں آنکھ ۔ ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مفتی اعظم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ چند لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے پاس لوگ گوشت لے کر آتے ہیں جس کے متعلق ہمیں علم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم گوشت پر اللہ کا نام لو اور کھا جاؤ.

(روزنامہ مشرق مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

مفتی اعظم نے اس حدیث کو جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینے کے لئے حجت قرار دیا ہے ۔

لیکن اس حدیث پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ مشرکین سے پاک ہو چکا تھا البتہ منافقین مدینہ طیبہ میں موجود تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقین کے دیئے ہوئے گوشت کے بارے میں غریب لوگوں نے سمجھا کہ کہیں منافقین جانور ذبح کرنے میں بھی منافقت سے کام نہ لے رہے ہوں ورنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اطہر میں جب وحی الٰہی کا نزول ہو رہا تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی رہنمائی فرما رہا تھا ۔ اگر ذبح جیسے اہم مسئلہ میں کوئی اختلافی بات ہوتی تو آپؐ کس طرح لوگوں کو اس طرح گول مول سا جواب دے سکتے تھے جب کہ اسلام کے شیدائی آپؐ کے ارشادوں پر عمل کرنے ہی میں نجات آخروی سمجھتے تھے ان حالات میں کس طرح یقین

کیا ہے کہ ذبح کے بارے میں قرآن کریم کے واضح احکام کے ہوتے ہوئے (جن کا ذکر آئے گا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کوئی دوسرا حکم دیا ہو اور پھر حدیث مذکورہ کے الفاظ واضح طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ یہ حدیث جانور ذبح کرنے بارے میں نہیں بلکہ ایسے گوشت کے استعمال سے متعلق ہے کہ جو لوگ قابل استطاعت ہیں اور وہ ذبح کیا ہوا گوشت ان لوگوں کو دیتے ہیں جو خود جانور ذبح کر کے گوشت کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے اور ان لوگوں کو محض شک ہو کہ گوشت دینے والا شخص کہیں منافق نہ ہو اور اس نے گوشت پر خدا جانے تکبیر پڑھی بھی ہے یا نہیں۔ ایسے گوشت کو کھانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی ہو گی۔

اس حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینے کی ہدایت فرمائی ہو۔ پس ثابت ہوا کہ "ادارہ تحقیقات اسلامیہ" کے مفتی اعظم نے یہ حدیث بے محل پیش کر کے یہ ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ جناب اسلامی مسائل سے بالکل ہی ناواقف ہیں اور جس منصب جلیلہ پر آپ کو جلوہ افروز کیا گیا ہے اس کے آپ اہل ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا اہل حق اور صاحب بصیرت مسلمان آپ کے ایسے غلط استدلال کو کسی صورت میں بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ان لوگوں کے مسلک و مذہب کے عین مطابق ہو سکتا ہے جو قرآن حکیم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ ج فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم ○ "سوائے اس کے نہیں کہ تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ چیز کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر پکاری گئی ہو پس جو دھوک سے) لاچار ہو جائے (وہ) تو سرکشی کرنے والا اور نہ ہی حد سے بڑھنے والا ہو تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے"۔

وہ اس آیت سے استدلال لے کر اور حدود اللہ کو توڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردار اور خون سور اور غیر اللہ کے نام پر پکاری ہوئی چیز کو کھا لینا جائز سمجھتے ہوں اور مسلمانوں کو محض اپنے جیسا گمراہ بنانے کی خاطر کہتے ہیں کہ اسلام نے تو ایسی چیزوں کے کھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔

اہل حق جانتے ہیں کہ اسلام میں ایسا کوئی ضابطہ اور اصول نہیں کہ وہ کسی فرد واحد یا کسی پارٹی یا وقتی حالات کی خاطر قرآن کریم کے کسی واضح حکم کو بدل دے یا تبدیل کر سکے۔ باوجود اس کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مفتی اعظم قرآن حکیم کے ذیل کے واضح احکام کے ہوتے ہوئے بھی فرما رہے ہیں کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذیل کے احکام وہ فرائض ہیں جن کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہر اہل ایمان کیلئے ضروری ہے

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا شرط ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔ یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب "اے رسول تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے فرمائیے تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور وہ

جانوروں کا گوشت) جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ، تم انکو سکھاتے ہو اس (علم) سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو جسکو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اسمیں سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

پھر فرمایا۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایٰتہ مومنین۔ (الانعام ۱۱۹)

"پس تم کھاؤ اس میں سے جس (جانور) پر اللہ کا نام لیا گیا، اگر تم اس کے احکام پر ایمان لانے والے ہو"

مزید فرمایا۔ کہ حج کے دنوں میں۔ لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (الحج۔ ۳۸)

"جو چوپائے اللہ نے انہیں مسلمانوں کو دیئے ہیں ان پر مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں پھر ان میں خود کھائیں اور محتاج فقیروں کو کھلائیں۔" (الحج) اس کے بعد فرمایا۔ والبدن جعلنا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر۔ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر (الحج: ۳۶)

"اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں فائدے بھی ہیں پھر ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو انمیں خود کھاؤ اور سوال نہ کرنے والے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔"

جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیطین لیوحون الی اولیٰھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون (الانعام ۱۲۲)

اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اسمیں سے مت کھاؤ، اور (اس کا کھانا) یہ یقیناً (اللہ) کی نافرمانی ہے بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور تم انکی بات مانوگے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب (المائدۃ: ۳)

حرام کیا گیا ہے (تم پر) وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا اور چوٹ لگ کر مرا ہوا یا بلندی سے گر کر مرا ہوا اور وہ جسے درندوں نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم (اللہ کا نام لے کر) ذبح کر لو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے ان واضح احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اسلام کے اصولوں سے بے بہرہ شخص آیات مذکورہ بالا کے مطابق شیطان کے بہکانے میں آکر یہ کہے کہ "جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا بھی ضروری نہیں" تو ان حالات میں سوائے اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ صاحب مسلمانوں کو گمراہ اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنانے پر کمربستہ ہے ایسے شخص کے دجل و فریب سے اپنے ایمان کو بچانا مسلمانوں کے لئے از بس ضروری ہے۔ اور پاکستان کے سب سے زیادہ ہمدرد اور پاسبان صدر مملکت خداداد پاکستان فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خاں صاحب" سے ایسے شخص کو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے اہم عہدے سے برطرف کرنے کے مطالبے کا حق ہر پاکستانی مسلمان کو حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے غیر اسلامی نظریہ یعنی "جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا ضروری نہیں"، کا جواب آپ ملاحظہ فرما چکے۔

اب ہم جناب کے غیر اسلامی اجتہاد یعنی جانور کا مشین سے گلا کاٹے ہوئے جھٹکے پر مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر (البقرۃ۔ ۱۷۳) "اے ایمان والو حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا"

بلندی سے گر کر مرا ہوا یا درندوں کے کاٹنے سے مرا ہوا ہر قسم کا حلال جانور اس لیے حرام ہے کہ اُس کا خون جسم سے خارج ہونے کی بجائے گوشت میں جذب ہو کر حلال گوشت کا حرام بنا دیتا ہے اور یہ گوشت سوٗر کے گوشت کی طرح حرام ہو جاتا ہے اس بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف ج فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا۔ (الحج: ۳۶)

تم قربانی کے اُونٹ کو کھڑا کر کے اس پر اللہ کا نام لو (یعنی نحر کرو) اور جب وہ گر پڑے پھر اس کا گوشت کھاؤ۔

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ جانور کے جسم سے خون خارج کر کے استعمال میں لایا جائے۔

ذبح کے متعلق صاحب قرآن کے بتائے ہوئے اصول :- بخاری میں ہے کہ حضرت جریج ! عطاءؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ذبح حلق پر ہوتا ہے اور ذبح لوگوں کا کاٹنا ہوتا ہے میں نے پوچھا کہ رگیں پیچھے چھوڑ دی جائیں یہاں تک کہ نخاع کٹ جائے۔ کہا میرا گمان تو یہ نہیں ہے۔ نافعؓ نے مجھے ابن عمرؓ سے یہ خبر سنائی ہے کہ اُنہوں نے اس (نخاع) کے کاٹنے سے منع فرمایا ہے اور یہ کہا کہ ہڈی سے ورے رگوں کا ٹ کر چھوڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ جانور تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائے۔

اور ابن عباس کا بیان ہے کہ حلق کے مقام پر ذبح کرنے میں اور نحر سے بھی بدن کا تمام خون نکل جاتا ہے۔

رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ (بعض اوقات جانور ذبح کرتے وقت) ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی۔ آنحضرت نے فرمایا ایسی چیز سے ذبح کیا ہوا جانور جو اسکے جسم سے تمام خون کو نکال دے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو اسکو کھالینا چاہیے لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرنا چاہیئے۔ (صحیح بخاری پارہ ۲۳)

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ جانور ذبح کرتے وقت اس کو نخاع تک کاٹ دیا جائے کیونکہ اس سے حرام مغز اور جسم کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دنوں میں منا میں تمام جگہ یہ اعلان کرایا جانور کے ذبح کی جگہ حلق اور سینے کے درمیان ہے ثابت ہوا کہ اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اسکی تمام گردن پوری کی پوری کاٹ کر اسکے جسم کا تعلق حرام مغز سے بالکل ختم کر دیا جائے تو اس سے جانور کی زندگی کی وہ کش مکش ختم ہو جاتی ہے جو ہر جانور اپنے دم آخری وقت میں کرتا ہے۔ جانور کا ذبح کے بعد تڑپنا اور رہ رہ کر پھڑکنا اسکے جسم سے خون کے خارج ہونے کا موجب بنتا ہے۔

قربانی کا جانور بیمار ہونے کی وجہ سے فروخت کر دیا، اب کیا حکم ہے؟

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا حکم؟

کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو جائز ہیں؟

حضرت مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی . . . . . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

حسب ذیل مسائل کا فوری جواب عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر ۱:- زید نے عیدالاضحیٰ سے قریباً چھ ماہ پیشتر قربانی کیلئے ۲۹ روپے میں دُنبہ خریدا۔ دو ماہ بعد بیمار ہو گیا جس کو سترہ ۱۷ روپے میں فروخت کر دیا۔ کیا زید کو اب دُنبہ ہی خریدنا چاہیئے یا گائے میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲:- قربانی کے گوشت اور چمڑوں کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۳:- کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں

الجواب . . .

ط ۱:۔ جتنے روپے میں جانور فروخت کیا گیا۔ وہ قربانی کے علاوہ دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر زید کو اتنی رقم میں دُنبہ وغیرہ نہ مل سکتے تو گائے میں شریک ہو سکتا ہے۔ آج کل گرانی ہے اگر اتنے میں حصّے نہ مل سکے تو مزید روپے قربانی ہی میں صرف ہوں گے۔

ط ۲:۔ قربانی کا گوشت فروخت نہیں کرنا چاہیے۔ خود کھائے۔ کچھ للّٰہ تقسیم کرے۔ عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی جائز ہے۔ قربانی کے گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔ قصاب کو گوشت اُجرت میں نہ دینا چاہیئے۔ چمڑہ اور جھول وغیرہ بھی کسی اُجرت میں دینا منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس کی قربانی نہ ہوگی۔

ط ۳:۔ زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کی کھالیں۔ یہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ یہ صدقات، خیرات کی قسم سے ہیں۔ یہ مسکینوں وغیرہ کا حق ہے۔ ان کی تنخواہ کے قائم مقام قرار دینا۔ اس سے صدقہ، خیرات باطل ہو جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ نہ قربانی اور نہ فطرانہ ادا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں مساکین کو مفت دینی چاہئیں اگر امام مسکین ہے اور امام نہ ہونے کی حالت میں بھی یہ چیزیں امام کو دی جاتی تھیں تو پھر امامت کے وقت بھی جائز ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیہات وغیرہ کا سلسلہ اس قسم کا نہیں۔ وہ امام نہ ہونے کی حالت میں انہوں کو تعلیم نہ دینے کی حالت میں۔ امام کو نہیں دیتے۔ اور امام ہونے کی حالت میں دیتے ہیں۔ اس بناء پر ان لوگوں کے یہ صدقات، خیرات ضائع ہیں (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۳۸، ۳۹)

جو شخص مقروض ہو گیا اس پر قربانی اور زکوٰۃ ہے؟

حضرت مولانا حافظ عبد القادر صاحب روپڑی

سوال:۔ جو شخص مقروض ہو گیا اس پر قربانی اور زکوٰۃ ہے اور جو رقم کسی کو دی گئی ہو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الوہاب:۔ اس سوال کا جواب حضرت العلام کا رقم فرمودہ درج ذیل ہے:۔

اگر جائیداد بھی ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ ورنہ نہیں۔

اور جو لوگوں کی طرف قرض ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے مل سکتا ہے اس کی زکوٰۃ دے اور جو باوجود کوشش کے وصول نہیں ہوتا وہ مال ضمار کے حکم میں ہے۔ اس پر صرف ایک سال کی

زکوٰۃ ہے جو کہ وصول ہو۔ خواہ کئی سال گذر جائیں۔ (ملاحظہ ہو موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ وغیرہ)

رہا قربانی کا مسئلہ تو اس کا حکم بھی زکوٰۃ والا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب شرط ہے۔ اور قربانی میں نصاب شرط نہیں، کیونکہ حدیث میں مطلق آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

علی کل اھل بیت فی کل عام اضحیۃ و عتیرۃ رواہ احمد وابن ماجۃ و الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب (منتقی مع نیل الاوطار ص ۳۸۵)

نوٹ:۔ عتیرہ وہ ہے جو ماہ رجب میں ایک جانور ذبح کیا کرتے تھے لیکن اب وہ دوسری احادیث سے منسوخ ہے۔ (اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ اشہ ۳۶)

حضرت العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا ذی الحج کا چاند چڑھنے کے بعد قربانی کے جانور کی اُون اُتارنا یا دُودھ دوہنا جائز ہے؟

قربانی کا جانور خرید کر اُس میں ایک اپنا حصہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

مفتی زماں حضرت العلام حافظ صاحبؒ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عید الاضحیٰ قریب آرہی ہے۔ دو مسائل ارسال ہیں ان کے تسلی بخش جوابات ارسال فرمائیں ا۔

(۱) قربانی کی نیت سے جانور خریدا جائے اور ذی الحجہ کے چاند میں اسکی اُون (پشم) اتاری جائے کیا یہ جائز ہے اس سے قربانی میں کوئی نقص تو پیدا نہیں ہو گا؟

(۲) کوئی شخص یکصد روپیہ میں قربانی کے لئے جانور خرید لایا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور باقی چھ حصے بقیمت ایک سو بیس روپے چھ حصہ داران کے پاس فروخت کر دے گویا اپنی قربانی بھی کر لی اور دنیاوی فائدہ بھی اُٹھا لیا۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب بعون الوہاب:۔

(۱) ترغیب ترہیب میں ہے:۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال ما عمل ادمی من عمل - یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لتاتی یوم القیمۃ بقرونہا واشعارھا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بہا نفسا رواہ ابن ماجۃ والترمذی و قال حدیث حسن غریب والحاکم وقال صحیح الاسناد قال الحافظ رووہ من طریق ابی المثنی واسمہ سلیمان ابن یزید عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عنہا وسلیمان رواہ وقد وثق (ترغیب ترہیب صـ ۱۹۹)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقر عید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی عمل نہیں کیا کہ قربانی سے زیادہ اللہ کو پیارا ہو۔ اور قربانی قیامت کے دن سینگوں، بالوں کھروں سمیت آئے گی اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام میں پہنچتا ہے۔ پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کٹانے چاہئیں جیسے سینگ وغیرہ۔ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی، ہاں اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے کا خریدا ہوا ہو اُون اتنی بڑی ہوگئی ہو تو پھر بقر عید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ بقر عید کے دن تک کافی بڑھ جائے تاکہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے۔ اس صورت میں کاٹنے سے اس حدیث کی مخالفت نہیں ہوگی، اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اُون کاٹے وہ صدقہ کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شے استعمال کرنا شُبہ سے خالی نہیں۔

جو قربانی مکہ شریف میں بھیجی جاتی ہے اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر راستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر دو۔ اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو۔ تم اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الہدی فصل اول صـ ۲۶۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے اللہ ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں لاچاری کی حالت میں سواری کی اجازت آئی ہے، چنانچہ مشکوۃ کے اسی باب میں ہے:-

ارکبہا بالمعروف اِذَا اُلجِئتَ اِلَیہَا حَتّٰی تَجِدَ ظَہرًا۔

(یعنی قربانی کے جانور پر سواری کیلئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے۔ یہاں تک کہ اور سواری مل جائے

اسی بنا پر امام مالکؒ وغیرہ قربانی کے دودھ کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

نیل الاوطار میں ہے:۔ واختلفوا ایضا فی اللبن اذا احتلب منه شیئًا فعند العترة والشافعیة والحنفیة یتصدق به فان اکله تصدق بثمنه وقال مالکؒ لا یشرب من لبنه فان شرب لم یغرم (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۳۳۴)

(یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اہل بیت شافعیہ حنفیہ کہتے ہیں جب کچھ دودھ دوہے تو صدقہ کر دے اگر کہیں پی ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ پینے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس پر تاوان کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شے اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ذبح کے بعد استعمال میں لا سکتا ہے۔ گوشت کھا سکتا ہے۔ چمڑا برت سکتا ہے اور اون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کر کے کوئی شے بنانی چاہے تو بنا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی شے کو فروخت کر کے پیسے کھانے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حدیث میں چمڑوں وغیرہ کے فروخت کرنے سے صراحۃً منع فرمایا گیا ہے۔

۲۔ قربانی:۔ نام ہے اللہ کے لئے خون بہانے اور جان دینے کا، اور یہ شے واحد ہے، اس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص کی نیت گوشت کی ہو اور چھ شخصوں کی نیت قربانی کی ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہو گی کیونکہ خون بہانے اور جان دینے کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خلافِ قیاس ایک شے کو سات کے قائم مقام کر دیا ہے اور جو بات خلافِ قیاس ہوتی ہے وہ اپنے محل پر بند رہتی ہے، اب جو شخص قربانی کا جانور خرید تا ہے اگر خریدنے کے وقت اس کی نیت اس میں حصہ رکھنے کی نہ تھی بلکہ خیال تھا کہ یہ سارا منافع پر فروخت کر دوں گا۔ پھر اس کی قیمت بڑھ گئی مثلاً بیس روپیہ کو خریدا تھا، تیس روپیہ قیمت پڑی چھ یا سات حصے پورے ہو گئے ابھی مجلس سے جدا نہیں ہوئے کہ اس کا خیال ہوا کہ ایک حصہ میں رکھ لوں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے سات شخص ایک جانور خرید کر قربانی کریں یا ایک شخص کے گھر کا جانور تھا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور اگر خریدتے کے وقت یا خریدنے کے بعد سودا ہونے سے پہلے اس کی نیت اس جانور میں حصہ رکھنے کی ہو گئی تو اس کے حصے پر منافع نہ ہوا اور چھ حصوں پر منافع ہوا تو یہ تقسیم کی صورت پیدا ہو گئی، اس لئے یہ درست نہ ہو گی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔ اس شخص کی نیت میں خلوص نہیں کیونکہ

پہلے سے اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے حصے کے ٹکے مجھ پر نہ پڑیں۔ دوسروں سے وصول کروں۔ گویا ظاہر باقی حصوں پر منافع لگاتا ہے اور درحقیقت اپنا حصہ فروخت کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے عمل میں خلل آگیا اس لئے ناجائز ہے (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش ۳۶)

از مولانا عبدالقادر حصاری

سوال ۱: کیا حکم ہے شرع محمدی کا اس مسئلہ میں کہ بھیڑ کا جذعہ باوجود مسنہ میسر ہونے کے قربانی کے لئے خریدنا اور ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟ اہل حدیث اور حنفیہ اکثر بھیڑ کا جذعہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور جذعہ آٹھ نو ماہ کے چھترا کو کہتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے کہ آپ سے یہ سنا جاتا ہے کہ اگر مسنہ ملے تو جذعہ کرنا جائز نہیں اس کی دلیل شرعی درکار ہے۔ بینوا توجروا۔ (السائل ماسٹر یحییٰ ساکن چک ۱۷۳ ای۔ بی ساہیوال)

الجواب بعون الوہاب ۱: الحمدللہ رب العلمین اما بعد پس واضح ہو کہ جمہور علماء کا مذہب اس بارہ میں یہی ہے کہ مسنہ ملے یا نہ ملے جذعہ یعنی کھیرا چھترا قربانی کرنا جائز ہے لیکن حدیث صحیح میں مسنہ میسر ہونے پر جذعہ کرنے کی ممانعت آئی ہے اسلئے مسنہ یعنی دو دانت میسر ہونے پر جذعہ قربانی کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہ ہو گی کیونکہ خلاف فرمان نبوی اس نے قربانی کی ہے اور جس نے خلاف فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عبادت کی تو وہ قبول نہ ہو گی، چنانچہ ثبوت اس کا یہ ہے کہ مشکوٰۃ میں صحیح مسلم کی یہ روایت وارد ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن۔ یعنی مت ذبح کرو قربانی میں کوئی جانور مگر یہ کہ وہ جانور جو دو دانت سامنے والے نکال چکا ہو۔ لیکن اگر دو دانت ملنا مشکل اور دشوار ہو جائے تو بھیڑ کا کھیرا چھترا ذبح کر دو۔

یہ حدیث صحیح ہے جس کی صحت قطعی ہے اور قطعی الدلالت ہے کہ جب تک مسنہ میسر ہو اور ملنا دشوار نہ ہو تو مسنہ ہی قربانی کرنا چاہیے۔ ہاں اگر مسنہ خریدنے کی وسعت مالی نہ ہو یا کسی جگہ دو دانت والا جانور نہ ملتا ہو اور قربانی کا وقت آگیا ہو تو پھر جذعہ جو ایک سال کا ہو اور دیکھنے والے کو مسنہ کی مانند لگتا ہو قربانی کرنا جائز ہے۔

سبل السلام جلد ۴ صہ ۹۳ میں حدیث مذکورہ پر یہ لکھا ہوا ہے:۔ والحديث دليل على انه لا يجزئ الجذع من الضأن فى حال من الاحوال الا عند تعسر المسنة۔

یعنی یہ حدیث جابرؓ کی روایت کردہ اس مسئلہ پر دلیل ہے کہ بھیڑ کا جذعہ قربانی میں کسی حال اور صورت میں کفایت نہ کرے گا مگر یہ کہ مسنہ ملنا مشکل اور دشوار ہو تو پھر جذعہ بھیڑ کا جائز ہے۔ پھر جذعہ کے جواز کی علی الاطلاق جو حدیثیں پیش کرتے ہیں ان کا جواب دیا ہے "ان ذالک کلہ عند تعسر المسنۃ" یعنی یہ سب روائتیں جو مسلم کی قطعی حدیث کے مقابلہ میں کم درجہ کی ہیں اس بات پر محمول ہیں کہ مسنہ متعسر ہو تو پھر جذعہ جائز ہے، یہ اصول کے مطابق فیصلہ ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے یہ علماء اہل حدیث کا مسلمہ اصول ہے۔ علاوہ ازیں ایک دیگر حدیث سے میرے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے جو مجمع الزوائد جلد ۴ صـ ۲۲ میں مذکور ہے کہ ابوبردہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نمازِ عید کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہوا میری زوجہ نے میرے خلاف یہ عمل کیا کہ جب میں نماز کے لئے چلا گیا تو اس نے میری قربانی والا جانور ذبح کر کے کھانا تیار کر لیا۔ جب میں نمازِ عید سے فارغ ہو کر گھر آیا تو اس نے میرے سامنے کھانا حاضر کیا میں نے کہا کہ یہ کہاں سے آیا اس نے کہا کہ یہ آپ کی قربانی کا گوشت ہے ہم نے اس جانور قربانی کو ذبح کر کے کھانا تیار کر دیا تاکہ آپ نمازِ عید سے واپس آکر صبح کا کھانا تناول فرمالیں میں نے کہا کہ قسم بخدا مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا ہے کہ نماز سے پہلے یہ کام کرنا لائق اور مناسب نہ تھا پھر میں دربار رسالت میں حاضر ہوا اور اپنی بیوی کے کارنامے کا سب قصہ سنایا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیست بشئی فضح کہ یہ عمل کوئی چیز نہیں ہے قربانی دوبارہ کرو۔ فالتمست مسنۃ فما وجدت قال فالتمس جذعا من الضان میں نے دوسری قربانی کے لئے مسنہ جانور تلاش کیا وہ مجھے نہ ملا تو آں جناب نے ارشاد فرمایا فالتمس جذعا من الضان فضح بہ یعنی اب تم بھیڑ کا چھترا جذعہ تلاش کر کے قربانی کرو فرخص لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجذع من الضان فضحی بہ حیث لم یجد مسنۃ (رواہ احمد ورجالہ ثقات) یعنی اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا جذعہ قربانی کرنے کی رخصت دے دی پس اس نے جذعہ اس وقت قربانی کیا جب مسنہ نہ پایا۔ یہ حدیث صحیح وحسن ہے اس نے حدیث مسلم مذکورہ کی پوری تفسیر کر دی ہے کہ مسنہ نہ ملے تو جذعہ جائز ہے۔ مسلم کی حدیث جابر والی مسند احمد میں بھی ہے اور ابوبردہ کی بھی ہے مسند احمد کی شرح فتح الربانی جلد ۱۳ صـ ۹۰ میں حدیث ابوہریرہ پر یہ لکھا ہے وفی ھذا انہ لا یضحی بالجذع من الضان الا اذا لم یجد المسنۃ یعنی اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ بھیڑ کا جذعہ قربانی نہ

کرنا چاہیئے مگر اس صورت میں کہ مسنہ میسر نہ ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ابو بردہ کا قصہ ہے اس کے دوسرے طریق میں جذعہ بکری کا ذکر ہے تو اس سے استدلال درست نہ رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ میں تعدد ہے ایک غلطی اس سے ہوئی اور دوسری غلطی اس کی عورت سے ہوئی چنانچہ فتح الربانی میں ہے۔ یجمع منهما بتعدد الواقعة۔ یعنی دو مختلف روائتوں میں تطبیق یوں دی جائے گی کہ یہ واقعہ میں تعدد ہے اور بکری کے جذعہ کی رخصت تو ابو بردہ سے مخصوص تھی اور پھر حکم دیا گیا ولا یجزئ عن احد بعدہ کہ بکری کا جذعہ اس کے بعد کسی کے لئے کفایت نہ کرے گا یعنی اب جائز نہیں ہے۔ لیکن عورت والے واقعہ میں تو صاف یہ ذکر ہے کہ اس نے مسنہ تلاش کیا نہ ملا تو پھر اس کو یہ رخصت دی کہ اچھا اب بھیڑ کا جذعہ کر دو اور یہ کہا کہ جذعہ تب قربانی کیا گیا کہ جب مسنہ نہ ملا۔ اس سے جمہور علماء کی یہ تاویل کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے باطل ہوگئی اور ان حدیثوں سے صاف یہ ثابت ہوا کہ مسنہ کے بغیر کوئی جانور ذبح نہ کرنا چاہیے۔ (اہلحدیث لاہور جلد ۲ ش ۶)

حضرت العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قربانی سے پہلے حجامت کا کیا حکم ہے؟

کیا نماز عید سے پہلے قربانی درست ہے

مفتی دوراں حضرت العلام حافظ صاحب . . . . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،!

حسب ذیل مسائل حل فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں (محمد یوسف ہبیدیاں)

(۱)۔ اگر کوئی شخص قبل عید الاضحیٰ کے صبح سورج نکلے ناخن یا حجامت بنوائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲)۔ کیا افعل ولا حرج جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام کی تقدم وتاخیر کے متعلق مسائل کو جواب دیا کہ کوئی ہرج نہیں وہ صرف حاجیوں کے لئے تھا یا عام مسلمانوں کے لئے؟

الجواب بعون الوہاب:۔

(۱) حجامت، قربانی کے بعد مسنون ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ۔ (یعنی قربانی حلال ہونے سے پہلے سر نہ مونڈو)۔ دوسری جگہ قربانی کا ذکر کرکے فرمایا۔ ثم لیقضوا تفثھم۔ (یعنی قربانی کے بعد میل کچیل پوری کریں)

"منتقی باب ما یجتنبه فی العشر من اراد التضحیه" میں ہے ا۔

ولفظ ابی داؤد وھو مسلم والنسائی ایضا من کان له ذبح یذبحه فاذا اھل ھلال ذی الحجة فلا یاخذ من شعره واظفاره حتی یضحی۔

(یعنی جس کے لئے قربانی ہو وہ ذی الحجہ کا چاند چڑھنے کے بعد حجامت نہ کرائے۔ یہاں تک کہ قربانی کرے)۔ جابر رض کی لمبی حدیث میں ہے۔ (تنظیم اہلحدیث لاہور ۲/اپریل ۱۹۶۵ء)

جواب ۲:۔ مشکوٰۃ باب فی الاضحیۃ میں حدیث ہے کہ آپؐ نماز عید پڑھ کر فارغ ہوئے تو قربانیوں کا گوشت دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کی گئیں۔ فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ اور ذبح کرے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر حاجیوں سے تقدیم تاخیر ہو جائے تو معاف نہیں۔ ہاں معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو بحکم لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا معاف ہو سکتا ہے۔

جیسے مکمل حجامت کروانے کے بعد قربانی یاد آئی تو اب دوبارہ حجامت بس کی شئے نہیں اس لئے جس حالت میں ہے قربانی کر دے خدا قبول کرنے والا ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ قربانی سے پہلے حجامت حرام ہو۔ اگر حرام نہ ہو تو پھر حجامت کے بعد قربانی کرنے مستحب کا خلاف ہے قربانی میں کوئی خلل نہیں لیکن نیل الاوطار جلد ۴ ص ۳۲۶ میں حرمت کو ترجیح دی ہے۔ اسلئے حتی الوسع قربانی سے پہلے حجامت کرانے میں احتیاط چاہیئے (عبد اللہ امرتسری روپڑی) (تنظیم اہلحدیث ۲/اپریل ۱۹۶۵ء)

مولینا حافظ عبد القادر روپڑی

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے!

محترم مولانا حافظ عبد القادر روپڑی ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،!

"تنظیم اہلحدیث" میں یہ مسئلہ شائع ہوا ہے کہ جانور کے سینگ سے ٹوپی اتر جائے تو وہ قربانی میں جائز نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اگر جانور قربانی کے لئے کئی ماہ پہلے خریدا ہوا ہو اور خریدنے کے بعد سینگ کی ٹوپی اتر جائے یا کوئی اور عیب پیدا ہو جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں۔ قربانی کا وقت قریب آ رہا ہے لہٰذا جواب سے جلد سرفراز فرمائیں۔ (اللہ بخش جالندھری چک ۲۸۴)

الجواب بعون الوہاب!۔ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کے بعد اگر اس میں نماز عید سے پہلے کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جو قربانی سے مانع ہو تو اس کو بدل لینا چاہیئے۔ کیونکہ عید سے پہلے کسی عیب کا پیدا ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے عید سے پہلے ذبح ہونا۔ اور حدیث میں ہے۔

ایک شخص نے غلطی سے عید سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ عام گوشت کی بکری ہے اور اس کے عوض دوسرا جانور قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔

نیز حدیث میں ہے جو قربانی مکہ معظمہ بھیجی جائے اگر وہ راستہ میں رہ جائے تو اسکو اسی جگہ ذبح کر دیا جائے۔ علمائے کرام کا فتوےٰ ہے کہ اس کے عوض دوسرا جانور قربانی کرنا پڑے گا۔

غلط فہمی کا ازالہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایک دُنبہ کی چکی بھیڑیا لے گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قربانی کی اجازت دے دی۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ قربانی کے لئے نامزد ہونے کے بعد اگر جانور میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ استدلال صحیح نہیں!۔

اول — اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

دوم — چکی کا ہونا قربانی کے شرائط میں نہیں۔ یعنی چکی نہ ہو یا چکی میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو بھی قربانی ہو جاتی ہے۔ جیسے دانت ٹوٹ جائے تو قربانی ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر عید پڑھنے کے بعد کوئی عیب پیدا ہو جائے تو قربانی کو مانع نہیں کیونکہ آیت کریمہ۔ حتی یبلغ الھدی محلہ کی بنا پر قربانی اپنے حلال (ذبح) ہونے کے وقت کو پہنچ گئی۔ فقط (حافظ عبدالقادر روپڑی) تنظیم اہلحدیث ۲/اپریل ۱۹۶۵ء

سوال ۱۳!۔ قربانی کا چمڑا جانور ذبح کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ۱۳!۔ قربانی کرنے والا نہ ذبح کرنے سے پہلے چرم قربانی بیچ سکتا ہے نہ ذبح کرنے کے بعد ہاں بغیر فروخت کئے ہوئے چمڑے سے فائدہ اٹھائے یا فقراء مساکین کو دیدے کہ وہ جس طرح چاہیئے اسکو اپنے تصرف میں لائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں استمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا (احمد عن ابی سعید) ذکرہ الحافظ فی الفتح ولم یتعقبہ مع جری عادتہ تبعقیب مافیہ ضعف ہاں عند الحنفیہ۔ چرم قربانی فروخت کر کے اسکی قیمت صدقہ کرنی جائز ہے۔ وقال ابوحنیفہ یبیع ماشاء منہا ویتصدق بثمنہ (مغنی ج ۱۱ ص ۱۱۲) محدث دہلی جلد ۹ نمبر ۳

حضرات العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا اونٹ گائے میں قربانی کا ایک حصہ ایک بکری کا حکم رکھتا ہے؟
کیا ایک حصہ قربانی سب اہل خانہ کی طرف کافی ہے اور ثواب میں مستقل جانور کے برابر ہے؟

سوال نمبر ۱:۔ قربانی کے لئے گائے یا اونٹ میں ایک حصہ سب اہل خانہ کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں؟

سوال ۲:۔ نیز ایک حصہ اور سالم جانور ثواب میں دونوں برابر ہیں یا ان میں فرق ہے؟۔

(حافظ محمد علی خریدار تنظیم اہل حدیث)

الجواب بعون الوهاب:۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ رجل فقال ان علی بدنة وانا موسر ولا اجدها فاشتریها فامرہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبتاع سبع شیاہ فیذبحهن رواہ احمد وابن ماجه منتقی باب ان البدنة من الابل والبقر عن سبع شیاہ وبالعکس۔

(ابن عباس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا میرے ذمہ ایک بدنہ (اونٹ یا گائے کی قربانی) ہے اور میں صاحب وسعت ہوں۔ لیکن بدنہ ملتی نہیں جو خرید لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سات بکریاں خرید کر ذبح کر دے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گائے یا اونٹ سات بکریوں کے قائم مقام ہے اور اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے کیونکہ اس میں عطا خراسانی راوی ہے جو ابن عباس رض سے روایت کرتا ہے۔ لیکن ابن عباس رض کا فتوٰی اس حدیث کے موافق ہے اسلئے یہ حدیث قوی ہوگئی ہے۔

مسند احمد میں شعبہ سے روایت ہے:۔

قال سمعت اباجمرة الضبعی قال تمتعت فنهانی ناس عن ذلك فاتیت ابن عباس رض فسألته عن ذالك فامرنی بها قال ثم انطلقت الی البیت فنمت فاتانی آت فی منامی فقال عمرة متقبلة وحج مبرور۔ قال فاتیت ابن عباس فاخبرته بالذی رأیت فقال الله اکبر الله اکبر سنة ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم وقال فی الهدی جزور او بقرة او شاة او شرك فی دم (مسند احمد جلد اول ص۲۴۱)

یعنی شعبہ کہتے ہیں۔ میں نے ابا جمرہ سے سنا اس نے کہا میں نے حج تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے حلال ہو کر پھر حج کا احرام باندھا، لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا میں ابن عباس رضؓ کے پاس آیا اور پوچھا تو اُنہوں نے مجھے اس کا امر فرمایا میں بیت اللہ میں پہنچا۔ وہاں مجھے نیند آگئی خواب میں دیکھتا ہوں ایک شخص مجھے کہتا ہے عمرہ مقبول ہے اور حج اخلاص والا ہے میں ابن عباس رضؓ کے پاس آیا اور ان کو یہ خواب سنایا تو اُنہوں نے خوشی میں یا تعجب کے طور پر دو دفعہ اللہ اکبر کہا۔ پھر کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہے اور قربانی کے بارے میں فرمایا ایک اُونٹ ہے یا گائے یا بکری ہے، یا اونٹ گائے میں حصّہ ہے۔

ابن عباس رضؓ کے اس فتوی میں ایک حصّہ کو بکری کے قائم مقام ذکر کیا ہے اس کے علاوہ یہ جمہور کا مذہب ہے کہ اُونٹ گائے سات بکری کے قائم مقام ہے صرف اختلاف اس میں ہے کہ اُونٹ دس کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ فرماتے ہیں "ہو سکتا ہے"۔ دوسرے کہتے ہیں: نہیں ہو سکتا؛ نیل الاوطار میں ہے ؛۔

استدل به من قال عدل البدنة سبع شياه وهو قول الجمهور وادعى الطحاوى وابن رشد انه اجماع ويجاب عنهما بان الخلاف فى ذلك مشهور حكاه الترمذى فى سننه عن اسحق بن راهوية وكذا فى الفتح وقال هو احدى الروايتين عن سعيد بن المسيب واليه ذهب ابن خزيمة (نيل الاوطار جلد ۵ ص ۲۲۲)

جو اُونٹ گائے کو سات بکریوں کے برابر کہتے ہیں وہ ابن عباس رضؓ کی حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کا قول یہی ہے اور طحاوی اور ابن رشد نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اونٹ میں اختلاف مشہور ہے۔ ترمذی نے سنن میں اسحاق بن راہویہ سے اس کو نقل کیا ہے (کہ اونٹ دس کی طرف سے کافی ہے) فتح الباری میں بھی اسی طرح ہے نیز فتح الباری میں ہے کہ سعید بن مسیب سے بھی ایک روایت دس کی ہے اور ابن خزیمہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

خلاصہ:۔ یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ اُونٹ اور گائے کا ایک حِصّہ ایک بکری کے قائم مقام ہے اب بکری کا حکم سُنیے۔

عن عطاء بن يسار قال سألت ابا ايوب الانصارى كيف كانت الضحايا فيكم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كان الرجل فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم يضحى بالشاة عنه وعن اهل بيته فياكلون

ویطعمون حتی تباھی الناس فصار کما تری رواہ ابن ماجہ والترمذی وصححہ وعن الشعبی عن ابی سریحۃ حملنی اھلی علی الجفاء بعد ما علمت من السنۃ کان اھل البیت یضحون بالشاۃ والشاتین والان یبخلنا جیراننا رواہ ابن ماجہ -

(منتقی باب الاجتزاء بالشاۃ لاہل البیت الواحد)

عطاء بن یسار کہتے ہیں: میں نے ابوایوب انصاری سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تم میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں فرمایا۔ آپؐ کے زمانہ میں ایک بکری ایک شخص سے اور اس کے اہل بیت سے کافی ہوتی تھی کھاتے اور کھلاتے یہاں تک کہ لوگ فخر کرنے لگے مگر اب یہ حالت ہے کہ جو تو دیکھتا ہے اور شعبی ابی سریحہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنت مان لینے کے بعد میرے اہل نے مجھے بے وقوفی پر آمادہ کیا ایک گھر والے ایک (کبھی) دو بکریاں قربانی کرتے اب ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل بتاتے ہیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ایک گھر کی طرف سے کافی ہے اور ایک حصّہ بھی ایک بکری کے قائم مقام ہے پس وہ بھی ایک گھر کی طرف سے کافی ہوگا اس کے علاوہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے علی کل اھل بیت فی کل عام اضحیۃ (ہر گھر والوں پر سال پر ایک قربانی ہے -

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اونٹ گائے کا ایک حصّہ قربانی ہے پس وہ ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہوگا۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ عید الاضحیٰ آگئی۔ ہم سات گائے میں اور دس اونٹ میں شریک ہوئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سفر میں ایک گھر کے سات سات آدمی بعید ہیں اور یہ کسی روایت میں نہیں کہ انہوں نے گھر والوں کی طرف سے الگ قربانی کی بلکہ اگر الگ کر سکتے تو شرکت کی ضرورت نہ تھی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اونٹ گائے کا ایک حصّہ ایک بکری کا حکم رکھتا ہے اور بکری کی طرح ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہے -

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں جابر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھی سات کی طرف سے ہے اور اونٹ بھی سات کی طرف سے ہے یہ ارشاد آپ کا عام ہے اس میں ایک گھر کے سات

آدمی کی شرط نہیں پس جیسے یہ عام ہے ویسے عام ہی رہنا چاہیئے۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں جابر رض سے روایت ہے کہ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا کہ اونٹ گائے میں سات سات شریک ہوں۔ نیز جابر رض کہتے ہیں کہ عمرہ حدیبیہ میں ہم نے ستر قربانیاں کیں ہر ایک میں سات سات شریک تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مختلف گھروں کے سات سات شریک ہوئے کیونکہ ستر گھر اور ہر گھر کے بچے تلے سات سات آدمی حضر میں بھی بعید ہیں سفر میں کس طرح تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ اونٹ گائے کا ایک حصہ ایک بکری کے قائم مقام ہے۔

جواب ۲:۔ قربانی خون بہانے کا نام ہے، گوشت کے کھانے کا نام قربانی نہیں ہے اونٹ کا دس اور اور گائے کا سات سات کے قائم مقام ہونا یہ محض خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مستقل خون بہانا یعنی سالم جانور قربانی کرنا شرکت کی صورت میں خون بہانے سے بہتر اور افضل ہے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش $\frac{38}{39}$)

حضرت حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی

قربانی کا جانور بیمار ہونے کی وجہ سے فروخت کر دیا، اب کیا حکم ہے؟

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا حکم؟

کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو جائز ہیں؟

حضرت مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

حسب ذیل مسائل کا فوری جواب عنایت فرمائیں۔

سوال ۱:۔ زید نے عیدالاضحیٰ سے قریباً چھ ماہ پیشتر قربانی کیلئے ۲۹ روپے میں دنبہ خریدا۔ دو ماہ بعد

بیمار ہو گیا جس کو ستر روپے میں فروخت کر دیا۔ کیا زید کو اب دنبہ ہی خریدنا چاہیئے یا گائے میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲:۔ قربانی کے گوشت اور چمڑوں کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں۔

الجواب بعون الوہاب:۔

نمبر ۱:۔ جتنے روپے میں جانور فروخت کیا گیا۔ وہ قربانی کے علاوہ دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر زید کو اتنی رقم میں دنبہ وغیرہ نہ مل سکے تو گائے میں شریک ہو سکتا ہے آج کل گرانی ہے اگر اتنے میں حصے نہ مل سکے تو مزید روپے ان میں شامل کرے۔ بہر صورت قربانی کے روپے قربانی ہی میں صرف ہوں گے۔

نمبر ۲:۔ قربانی کا گوشت فروخت نہیں کرنا چاہیئے۔ خود کھائے کچھ للہ تقسیم کرے۔ عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی جائز ہے۔ قربانی کے گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔ قصاب کو گوشت اُجرت میں نہ دینا منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی قربانی نہ ہو گی۔

نمبر ۳:۔ زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کی کھالیں۔ یہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ یہ صدقات، خیرات کی قسم سے ہیں۔ یہ مسکینوں وغیرہ کا حق ہے ان کی تنخواہ کے قائم مقام قرار دینا، اس سے صدقہ، خیرات باطل ہو جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ نہ قربانی اور نہ فطرانہ ادا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں مساکین کو مفت دینی چاہئیں۔ اگر امام مسکین ہے اور امام نہ ہونے کی حالت میں بھی یہ چیزیں امام کو دی جاتی تھیں تو پھر امامت کے وقت بھی جائز ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیہات وغیرہ کا سلسلہ اس قسم کا نہیں۔ وہ امام نہ ہوتے کی حالت میں، بچوں کو تعلیم نہ دینے کی حالت میں۔ امام کو نہیں دیتے۔ اور امام ہونے کی حالت میں دیتے ہیں۔ اس بناء پر ان لوگوں کے یہ صدقات، خیرات ضائع ہیں۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۳۸/۳۹)

از خصوصیات العلامۃ حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی امرتسری

الاستفتاء

* عمر قربانی کی تحقیق * قربانی کا چمڑہ
* چرم قربانی۔ مساجد اور مدارس۔
* چرم قربانی اور امامانِ مساجد۔
* ایک گائے میں متفرق سات اشخاص کی شرکت

سوال ۱:۔ صحیح مسلم کی حدیث لَاتَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّۃً میں لفظ مُسِنَّہ کے شرعی اور لغوی معنی کیا ہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں کہ مُسِنَّہ کے معنی دو دانت والا جانور ہے۔ برس دو برس کی کوئی قید نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دو برس کا ہو کر تیسرے سال میں لگا ہو۔ عام ازیں کہ دانت ہوں یا نہ ہوں۔ ان دونوں میں سے کونسا قول از روئے تحقیق صحیح و قابل قبول ہے مع دلیل بیان فرمادیں!

جواب ۱:۔ مجمع البحار میں ہے وَالْمُسِنَّۃُ تَقَعُ عَلَی الْبَقَرَۃِ وَالشَّاۃِ اِذَا اَثْنَیَا وَیُثْنِیَانِ فِی السَّنَۃِ الثَّالِثَۃِ وَلَیْسَ مَعْنٰی اِسْنَانِہَا کِبَرُہَا کَالرَّجُلِ الْمُسِنِّ وَلٰکِنَّ مَعْنَاہُ طُلُوْعُ سِنِّہَا فِی السَّنَۃِ الثَّالِثَۃِ (مجمع البحار جلد ۲ صـ ۱۴۶)

(یعنی مُسِنَّہ کا لفظ گائے، بکرے دونوں پر بولا جاتا ہے جب کہ دانت نکالیں۔ اور گائے بکری دونوں تیسرے سال میں دانت نکالتی ہیں اور ان کے مسنہ ہونے سے یہ مراد نہیں جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی مسن ہے۔ یعنی بڑی عمر کا ہے۔ بلکہ گائے بکری کے مُسِنَّہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تیسرے سال میں ان کے دانت نکلیں۔

نہایہ میں ہے اَلْبَقَرَۃُ وَالشَّاۃُ یَقَعُ عَلَیْہِمَا اِسْمُ الْمُسِنِّ اِذَا اَثْنَیَا وَیُثْنِیَانِ فِی السَّنَۃِ الثَّالِثَۃِ وَلَیْسَ مَعْنٰی اِسْنَانِہَا کِبَرُہَا کَالرَّجُلِ الْمُسِنِّ وَلٰکِنْ مَعْنَاہُ طُلُوْعُ سِنِّہَا فِی السَّنَۃِ الثَّالِثَۃِ (نہایہ ج ۲ صـ ۲۰۳)

اس عبارت کا ترجمہ اور مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مجمع البحار کی عبارت کا گذر رہا ہے۔

صحاح جوہری میں ہے :- الثنی الذی یلقی ثنیتہ ویکون ذلک فی الظلف والحافر فی السنة الساد سة وفی المحکم الثنی من الابل الذی القی ثنیتہ وذلک فی السادسة ومن الغنم الداخل فی السنة الثانیة تیسا اوکان کبشا وفی التہذیب البعیر اذا استکمل الخامسة وطعن فی السادسة فھو ثنی وھو ادنی ما یجوز فی سن الابل فی الاضاحی وکذلک من البقر والمعز فاما الضأن فیجوز منھا الجذع فی الاضاحی وانما سمی البعیر ثنیا لانہ القی ثنیتہ۔ (تاج العروس جلد ۱۰ ص ۶۳)

محکم میں ہے ثنی اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری میں دوسرے سال میں ہوتا ہے بکرا ہو یا دنبہ۔ اور تہذیب میں ہے اونٹ جب پانچ سال ختم کر کے چھٹے سال میں قدم رکھتا ہے تو وہ ثنی ہے اور اس سے کم عمر کا اونٹ قربانی میں جائز نہیں اسی طرح گائے بکری ثنی سے کم عمر جائز نہیں۔ ہاں دنبہ جائز ہے خواہ وہ جذع ہو۔ اور (اونٹ وغیرہ) کو ثنی اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے سامنے کے دانت ڈال دے۔

فتح الباری میں ہے :- وحکی ابن التین عن الداودی ان المسنة التی سقطت اسنانھا للبدل قال اھل اللغة المسن الثنی الذی یلقی ویکون فی ذات الخف فی السنة السادسة وفی ذات الظلف والحافر فی السنة الثالثة وقال ابن فارس اذا دخل ولد الشاة فی السنة فھو ثنی ومسن (فتح الباری ص ۳ جلد ۱۰)

"ابن التین نے داودی سے نقل کیا ہے کہ مسنہ وہ ہے جس کے سامنے کے دانت برائے تبدیلی گر جائیں اہل لغت کہتے ہیں۔ جو اپنے سامنے کے دانت ڈالدے اور یہ اونٹ میں چھٹے سال میں ہوتا اور بکری گائے میں تیسرے سال۔ اور ابن فارس کہتے ہیں بکری کا بچہ دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔ جس کو ثنی بھی کہتے ہیں اور مسنہ بھی۔"

ثنی وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ بکری دنبہ اور گائے میں تیسرے سال ہوتا ہے۔ اونٹ میں چھٹے سال میں محکم میں ہے ثنی اونٹوں سے وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈالدے اور یہ چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری دنبہ سے دوسرے سال میں ہوتا ہے۔ اور تہذیب میں کہ اونٹ جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں داخل ہو۔

ان عبارتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مسنہ (یا ثنی) اس کو کہتے ہیں جس کے دانت نکلیں بغیر دانت نکلے مسنہ (یا ثنی) کہنا صحیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ سالوں کی تعیین ملکوں کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ ان

عبارتوں میں کہیں کہا ہے گائے بکری تیسرے سال میں دانت نکالتی ہے۔ کہیں کہا ہے گائے بکرے دوسرے سال میں دانت نکالتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بکرے کے دانت دوسرے سال میں نکل آتے ہیں۔ اور اسی بنا پر امام احمد وغیرہ نے دوسرے سال میں مسنہ یا ثنی کہا ہے۔ اور امام شافعی وغیرہ نے تیسرے سال میں ملاحظہ ہو عون المعبود جلد ۳ صـ ۳ پس اصل یہی ہے کہ دو دانت نکلے بغیر قربانی نہ کیا جائے خواہ سال سے اوپر ہو۔ اور خواہ کتنا موٹا تازہ ہو ورنہ قربانی شکی ہو گی۔

سوال :۔ چمڑہ قربانی بصورت چمڑ ادا کرنا ضروری ہے یا فروخت کر کے اس کی قیمت بھی صدقہ ہو سکتی ہے اگر دونوں صورتیں جائز ہیں تو بہتر کونسی ہے؟

جواب :۔ دونوں طرح جائز ہے بہتر صورت وہ ہے جو مساکین کے حق میں بہتر ہو۔ کیونکہ صدقہ کی غرض مساکین کو فائدہ پہنچانا ہے۔

سوال :۔ مساجد اور مدارس دینیہ کی تعمیر یا طلبہ مدارس دینیہ کے اخراجات اور مدرسین کی تنخواہوں میں چرم قربانی صرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ مساجد یا مدارس دینیہ کی تعمیر میں یا کسی اور مد میں جو وقت ہو، زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور قربانی کا چمڑہ لگانا جائز نہیں ہاں مدارس دینیہ کے طلباء کے اخراجات اور مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں خرچ ہو سکتا ہے طلبا مدارس دینیہ مساکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ۔ مدرسین اور مبلغین اسلام عاملین میں شامل ہیں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عاملین کی طرح اپنی محنت کا معاوضہ لیتے ہیں۔

سوال :۔ اور امامانِ مساجد کو دینا جائز ہے یا نہیں۔ آج کل عام دستور ہے کہ دیہات وغیرہ میں امامانِ مساجد کو مقرر کرتے ہوئے لوگ یہ شرط کر لیتے ہیں کہ دیگر خدمات کے علاوہ صدقہ فطر اور قربانی کے چمڑے بھی تمہیں دیئے جائیں گے۔ کیا یہ صورتیں شرعًا صحیح ہیں؟

جواب :۔ امامانِ مساجد کو زکوٰۃ، عشر اور چمڑہ قربانی دینا منع ہے۔ کیونکہ حدیث میں اذان پر اجرت لینی منع آئی ہے۔ اذان امامت کے لئے ہوتی ہے، تو امامت پر اجرت بطریق اولیٰ منع ہوئی امام کی ڈیوٹی صرف وقت کی حاضری ہے۔ اور مؤذن کی ڈیوٹی اس سے زیادہ احتیاط والی ہے۔ کیونکہ اصل وقت کی اطلاع وہی دیتا ہے۔ جب اذان پر اجرت منع ہوئی تو معلوم ہوا کہ عبادت کے لئے وقت

کی حاضری اجرت کا سبب نہیں ہے اور اس میں امام بھی شامل ہے پس محض امامت پر اُجرت کسی طرح بھی جائز نہ ہوئی۔

ہاں بچوں کی تعلیم وغیرہ پر جو محنت ہے اس کی اجرت جائز ہے۔

کیونکہ اس صورت میں یہ عاملین کے حکم میں ہوگا۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آج کل عموماً دیہات وغیرہ میں بچوں کی تعلیم کے لئے صدقۂ فطر عُشر، زکوٰۃ اور چمڑہ قربانی وغیرہ جس صورت سے دیئے جاتے ہیں یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس طرح گھر کی چیز گھر ہی رہ جاتی ہے۔ یعنی لوگوں کے اپنے ہی بچے ہوتے ہیں۔ اور اپنے ہی صدقات ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں نظام امارت کے سپرد ہوکر بیت المال میں جمع ہوجائیں تو اس بیت المال سے اس گاؤں کے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے۔

صحیح معنوں میں شرعی بیت المال کی صورت یہ ہے کہ:

جماعت کا امیر ہو اس کے ماتحت دیہات وغیرہ میں مقامی امیر ہوں جن کے ماتحت مقامی بیت المال ہو، ان کا نظام امیر جماعت کے تحت ہو۔ اس صورت میں عُشر زکوٰۃ، فطرانہ اور چمڑہ قربانی کا تعلق دینے والوں کے ساتھ نہیں رہتا بلکہ ان کے قبضہ وتصرف سے نکل کر امیر کے اختیار میں ہوجاتا ہے۔ اب گھر کی چیز گھر میں رہنے والی صورت نہ ہوگی، بلکہ حسب ضرورت یہاں خرچ ہوگا اور باقی جہاں ضرورت ہوگی وہاں منتقل ہوجائے گا"

مختصر یہ کہ صدقہ فطر، عُشر، زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑے یہ سب چیزیں ادا کرنے کے بعد ان کو اپنے قبضہ وتصرف میں رکھ کر اپنے ہی بچوں وغیرہ کی تعلیم پر صرف کرنا جیسے عموماً دیہات وغیرہ میں رواج ہے یہ صورت جائز نہیں۔!

نوٹ:۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعتی دینی ادارے جو زکوٰۃ عشر اور چرم قربانی وغیرہ دینے والوں سے آزاد ہیں، ان پر اُن کا تصرف واختیار نہیں ہوتا ان میں دینے سے یہ چیزیں ادا ہوجاتی ہیں۔

(اخبار تنظیم اہلحدیث ۲۷/مئی ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا عزیز زبیدی صاحب ۔ واربرٹن

قربانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوالات :۔ ۱ :۔ قربانی سب گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے یا صرف کرنیوالے کی طرف سے ہوتی ہے ؟ ۔

۲ :۔ قربانی فرض ہے یا سنت ؟

۳ :۔ کیا قربانی اپنے ہی ہاتھ سے ہو سکتی ہے ۔ دوسرے کے ذریعے نہیں ۔

۴ :۔ "بقر عید" کو کیوں "عید الاضحیٰ" کہتے ہیں اور اس کا صحیح تلفظ کیا ہے ؟

۵ :۔ حاجی عام طور پر زمزم، مٹی، کھجوریں اور غلاف کعبہ کے ٹکڑے بطور تبرک لاتے ہیں شرعاً کیا حکم ہے

۶ :۔ کہتے ہیں حضرت اسمٰعیل ؑ کی جگہ دنبہ یا مینڈھا رکھ دیا گیا ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

۷ :۔ اہل حدیث اور اہل ہوی لوگوں کی قربانی کا کیا حکم ہے ؟ ۔

جواب مدلل ہو ۔ (محمد سعید دیاستی ۔ کراچی شہر)

جواب ۱ :۔ سب گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے ۔ وہ بکرا چھترا ہو یا اونٹ اور گائے ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی فرماتے ہیں کہ ہمارا یہی دستور اور تعامل ہے کہ ایک شخص اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری بکرے کی قربانی دیا کرتا تھا ۔ بعد میں فخر و مباہات کا سلسلہ جاری ہو گیا، تو ایک ایک کی طرف دینے لگ گئے ! كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ يَذْبَحُهَا الرَّجُلُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَصَارَتْ مُبَاهَاةً (موطا محمد ص۲۱۶ وغیرہ عن عطاء)

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک عہد کی بات ہے، دوسری روایات میں اس کی تصریح آگئی ہے

عن عطاء بن یسار قال سألت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کان الرجل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یضحی بالشاة عنه وعن اهل بیته

الحدیث اخرجه ابن ماجه ص۲۳۴ والترمذی وصححه ۔

حضرت عبد اللہ بن ہشام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہی بکری اپنے سب گھر والوں کی طرف

سے قربانی دیا کرتے تھے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عن جمیع اھلہ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد۔

احناف کے نزدیک ایک بکرا چھترا سب گھر والوں کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ (ہدایہ صـ۲۲۲ جلد ۴) امام ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ بطور کراہت کہتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ قربانی سب کی طرف سے ہوتی ہی نہیں۔

خالفہ فی ذلک ابوحنیفۃ والثوری علی وجہ الکراھۃ لا علی وجہ عدم الاجزاء بدایۃ المجتھد (صـ۳۳۴ ج ۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ کراہت کے ساتھ لیکن کہ ایک گھر کی قربانی سب کی طرف سے حنفیہ کے نزدیک بھی ہو جائے گی۔

دلیل میں وہ قیاس پیش فرماتے ہیں۔ والقیاس ان لا تجوز الا من واحد لان الاراقۃ واحدۃ وھی القربۃ (ہدایہ ص ۲۲۲ جلد ۴) لیکن یہ صریح حدیث کے خلاف ہے لہٰذا اما دان کا قیاس ممنوع کوئی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس کے علاوہ انہوں نے حسب عادۃ احادیث کی تاویلیں کر ڈالی ہیں، جو صرف تاویلیں ہیں، دلائل نہیں ہیں امام ابن القیم رح فرماتے ہیں کہ:۔ حضور کا یہی اسوہ حسنہ ایک بکری ایک شخص اور اس کے اہل بیت کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی:۔ وکان ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشاۃ تجزی عن الرجل وعن اھل بیتہ ولو کثر عددھم (زاد المعاد فصل ہدیہ ان یضحی بالمصلی صـ۲۸۱) امام خطابی رح فرماتے ہیں کہ (حدیث) تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد۔ رد اس امر کی دلیل ہے کہ ایک بکری آدمی اور اس کے اہل بیت سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے، خواہ وہ کثیر ہی ہوں۔ دلیل علی ان الشاۃ الواحدۃ تجزئی من الرجل واھلہ وان کثروا (دار تحفۃ الاحوذی ص ۳۵۸ ج ۲) امام شوکانی فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ گھر کے افراد سو سے بھی زیادہ ہوں تو بھی ایک بکری ان سب کے لیے کافی ہے۔

والحق انھا تجزئی عن اھل البیت وان کانوا مائۃ نفس او اکثر (نیل صـ۱۲۰ ج ۵) حضرت شاہ ولی اللہ رح کا مسلک بھی یہی ہے والاضحیۃ مسنتہ من معز عن جذع من ضان فی کل اھل بیت (حجۃ اللہ البالغہ صـ۲۴ ج ۲ باب العیدین)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے برادران احناف اپنے نظریہ کی وجہ سے گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ کہ گھر سارا اسی شرف اور فضیلت سے قاصر اور محروم رہے؟ تمام حیرت ہے، یہاں تک کہ صدقہ فطر میں تو گنجائش رکھی گئی تھی کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی "فطرانہ" ادا کیا جائے۔ ویخرج عن اولادہ الصغار (ہدایہ باب صدقۃ الفطر صـ۲۰ ج ۱) لیکن قربانی کے سلسلے میں فتویٰ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی قربانی دینا ضروری نہیں

ہے۔ انه لا يجب عن ولده وهو ظاهر الرواية (هداية ص۴۳۳ جلد۴) عليه الفتوى كذا فى فتاوى قاضى خان (بين السطور هداية ملخصا ص۴۳۳ جلد۴)۔

حضرت ابو سریحہ فرماتے ہیں، سنت کے معلوم ہونے کے بعد مجھے میرے خاندان نے مجھے کم عقلی پر آمادہ کیا، حالانکہ ایک گھر والے ایک اور دو بکریاں قربانی دیا کرتے تھے۔ اب ہمارے پڑوسی ہمیں کنجوس بناتے ہیں حملنى اهلى على الجفاء بعد ما علمت من السنة كان اهل البيت يضحون بالشاة والشاتين والان يبخلنا جيراننا۔ (ابن ماجه ص۲۳۳ باب من ضحى بشاة عن اهله۔

غرض اسی قسم کے اعتراض پہلے بھی کیا کرتے تھے، پر اصحاب الحدیث نے اس طعن و تشنیع کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کبھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ حجۃ الوداع میں حضورؐ نے ازواج مطہرات کی طرف سے بھی گائے قربانی دی تھی امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حضورؐ کا آخری عمل ہے اذ هذا فى حجة الوداع وهو اخر عمله عليه السلام (محلى ص۳۸ ج ۳)

جواب ۲:۔ جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے واجب نہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت بلال رضؓ حضرت ابو مسعود بدری رضؓ حضرت سعید بن المسیبؒ، علقمہ رحؒ اسود رحؒ امام ابو حنیفہ رحؒ کے شیخ حضرت عطاء امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف، امام اسحٰق بن راہویہ۔ حضرت ابو ثور امام مزنی، امام ابن المنذر و امام داؤد ظاہری وغیرہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے (نووی شرح مسلم، کتاب الاضاحی و باب وقتها ص۱۵۳ ج ۲)

امام ابن حجر عسقلانی رحؒ کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کبھی کبھی قربانی نہیں بھی کیا کرتے تھے کہ کہیں لوگ اسے فرض نہ تصور کرلیں۔ بل صح عنهما انهما كانا لا يضحيان مطلقا احيانا خشية ان يظن وجوبها (درايه ص۲۲۵ تحفة الاحوذى ... بحوالہ بیہقی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اماماں دین کا اسی پر عمل ہے کہ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور یہی قول ہے امام ثوری اور امام ابن المبارک کا۔

والعمل على هذا عند اهل العلم ان الاضحية ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن النبى صلى الله عليه وسلم يستحب ان يعمل بها وهو قول سفيان الثورى وابن المبارك (ترمذى ص۱۸۲ ج ۱)

حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ حضرت امام اوزاعی، امام ربیعہ ابو اللیث اور بعض مالکی فرماتے ہیں واجب ہے پر دولتمند پر امام محمد کہتے ہیں جو شہروں میں مقیم ہیں ان پر واجب ہے حضرت امام ابو حنیفہ

کے نزدیک دولتمند کی نشانی اس کا مالک نصاب ہونا ہے (نووی شرح مسلم ص ۳۵ ج ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ:۔

کیا قربانی واجب ہے؟ تو جواب دیا کہ:۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور مسلمانوں نے قربانی دی۔ پھر اس نے یہی سوال کیا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا پھر فرمایا کیا عقل ٹھکانے ہے؟ حضور اور مسلمانوں نے قربانی دی تھی۔ (ترمذی ص۲۵۵ مع تحفۃ الاحوذی)

مقام عزیمت اور عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس بحث میں پڑے بغیر، قربانی دی جایا کرے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ، خدا خوش ہو جائے، اور وہ "تو لے" بغیر سمجتا ہے۔

ہاں علمی حد تک اگر اس کی وضاحت آپ ضرور ہی چاہتے ہیں تو ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ ا نظریہ وجوب احوط ہے، عدم وجوب کے دلائل بیان کر کے حضرت امام شوکانی بیان فرماتے ہیں۔ مفید مطلب نہیں ہیں، آخر میں فرماتے ہیں۔ ہاں ام سلمہ والی روایت اس کے لیے مفید ہو سکتی ہے کیونکہ تفویض اور تعلیق عدم وجوب پر دال ہوتی ہے۔ لمریات بعدم الوجود بما یصلح للصرف کما عرفت نعم حدیث ام سلمۃ الاتی قریبا ربما کان صالحا للصارف لقولہ۔ واراد احدکم ان ضحی، لان التفویض الی الارادۃ یشعر بعدم الوجوب (نیل الاوطار ص۹۵ ج ۵) ہمارے نزدیک ہر تعلیق اور تفویض خیار پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اپنے پس منظر کے تابع ہوتی ہے، جیسے اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الایۃ۔ میں ہے۔ اگر ذبح واجب ہے تو تعلیق "عند التعمیل" سے متعلق ہوگی جیسا کہ یہاں۔ بہر حال جو قربانی دے سکتا ہے وہ ضرور دے، جو غیر مستطیع ہے، نہیں دے سکتا نہ دے، حضورؐ سے اس کا ترک ثابت نہیں ہے، اگر یہ سنت ابراہیمی ہے، تو وہ واجب تھی۔ کیونکہ آپ مامور تھے۔

یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ والے میرے ابا! آپ کو جو حکم ہوتا ہے کر ڈالئے!) پ ۲۳۔ الصّفّٰت ع ۳)

ہمیں حکم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم ع کے طریقے کی پیروی کرو کیونکہ خدا نے اس "سنت" کو آنے والوں کے لیے بھی باقی رکھا ہے۔ وترکنا علیہ فی الاخرین رایضا فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا (پارہ ۳ ع آل عمران ع ۱۰) تو اس ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو جو سب طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کا ہو رہا تھا"

جو طریقہ رب کی طرف سے شروع ہو اس کو "ملت" کہا جاتا ہے۔ قربانی حضرت ابراہیم کے لیے مشروع تھی۔ آپ اس کے مامور تھے۔ لہٰذا وہی طریقہ ہمارے لیے بھی مشروع ہے اور ہم بقدر طاقت اس کی تعمیل کے

پابند ہیں۔ ہاں جو نہیں دے سکتے اور غیر مستطیع ہیں۔ وہ مستثنیٰ ہیں، لیکن مستطیع اور دے سکنے والے کی نشانی صاحب نصاب ہونا نہیں، بلکہ دل اور ہمت کی بات ہے، حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق حضور ﷺ تو کبھی مستطیع (صاحب توفیق (صاحب نصاب) نہیں ہوتے تھے لیکن بات دل کی تھی، جبیب کے حضور نذرانہ پیش کرنا ہو پھر "نصاب" کے پیمانوں کا ہوش بھی رہے، یاری نہیں گذارہ ہے۔

جواب ۳:۔ کوئی خاص مجبوری ہو۔ مثلاً ذبح کرنا نہیں آتا یا حوصلہ نہیں پڑتا اور اناڑی پن کی وجہ سے بکرے چھترے کو تکلیف زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر دوسرے سے بھی ذبح کرایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے۔ حضور ﷺ نے زیادہ اپنے ہاتھ سے قربانی دی ہے۔ ہاں ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا ہے۔ ثم قال اشحذیھا علی حجر ففعلت ثم اخذھا و اخذ الکبش فاضجعہ الحدیث (رواہ مسلم، ذبحہا بیدہ (بخاری)

حضرت خلیل اللہ نے بھی اپنے ہاتھ سے دی تھی۔ فلما اسلما وتلہ للجبین (الصفت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، امر ابو موسیٰ بناتہ ان یضحین بایدیھن (بخاری باب من ذبح اضحیۃ غیرہ)

معلوم ہوا کہ عورتیں بھی ذبح کر سکتی ہیں بلکہ ہو سکے تو اس "سنت" کا احیاء ضرور کیا جائے! ہاں سلیقہ یا ہمت نہ ہو تو پھر خیر ہے۔

دوسرے کو بھی ساتھ لگا سکتا ہے۔ واعان رجل ابن عمر فی بدنتہ (ایضا)

جبیب کے حضور ہدیہ پیش کرنا ہو، اور پھر اپنے ہاتھ سے اور خود حاضر ہو کر پیش نہ کیا جائے، بڑی بے ذوقی کی بات ہے۔ ہاں واقعی مجبوری امر دیگر ہے۔!

جواب ۴:۔ عام طور "عید الضحیٰ" مشہور ہے جو غلط ہے۔ ہمارے ہاں دو لفظ زیادہ مشہور ہیں"۔ اَضحیٰ یا اضحیۃ۔ اصل میں اضحیۃ اضحویۃ۔ تھا، صرفی قاعدے کے مطابق، واو کو یا سے بدل کر، اسی میں مدغم کر دیا گیا تو وہ "اضحیۃ" ہو گیا۔ اس کی جمع "اضاحی" ہے۔ اضحیٰ، اضحاۃ کی جمع ہے، بنو قیس اس کو مذکر بولتے ہیں لیکن بنو تمیم مؤنث، اس کے علاوہ اس کا تلفظ یوں بھی ہے:۔

اِضحیۃ، ضَحِیۃ جس کی جمع ضَحَایا آتی ہے (نووی ص۱۵۳ ج ۲) اِضحیۃ، ضحیۃ، اِضحاۃ (التنقیح حاشیہ قدوری ص۲۳۸)

اس کو "اضحیٰ" اس لیے کہتے ہیں کہ، قربانی "چاشت" (ایک پہر دن چڑھے) کے وقت کی جاتی ہے۔

اور عربی میں اس ٹائم کو "ضحی" کہتے ہیں، اس لیے عیدالاضحی اس کا نام پڑ گیا ہے۔

(ضحیٰ اضحاۃ کی جمع ہوئی تو "عیدالاضحیٰ" کے معنی ہوئے۔ "قربانیوں کی عید" (کہ اس میں جانوروں کی قربانیاں اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہیں) تو پھر قربانی کا یہ عمل چاشت (ضحیٰ) کے وقت شروع ہوتا ہے (یعنی ایک پہر دن چڑھے) شاید یہی وجہ تسمیہ ہو۔

جواب۵:۔ ماء زمزم۔ (زمزم کا پانی) متبرک ہے:۔

زمزم انها مبارکة. (طیالسی ابواب فضائل الامکنة والازمنة ص۲۰۳ ج ۲)

یہ جبریل امین کا کھودا ہوا کنواں ہے اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے پلانے کو مہیا کیا گیا تھا:۔

وهی هزمة جبرئیل وسقیا اسمعیل (دارقطنی)

غذا بھی ہے اور شفا بھی:۔

اسے بطور تبرک لے جانا صحیح ہے:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحمله (ترمذی)

امام شوکانی رحمہ لکھتے ہیں:۔ یہ روایت باہر لے جانے کی دلیل ہے:

فیه دلیل علی انه لاباس بحمل ماء زمزم الی المواطن الخارجة عن مکة (نیل الاوطار ص۷۵ ج۵)

کھجوریں۔ عجوہ مدینہ منورہ کی خاص کھجوریں ہیں، حضور ﷺ نے ان کو شفاء اور تریاق فرمایا ہے:۔

ان فی عجوة العالیة شفاء وانها تریاق ص۱۸۱ ج ۲)

لیکن یہ ایک طبی خاصیت ہے۔ اس حد تک جو ان سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے، باقی رہا تبرک؟ حدیث سے ثابت نہیں، جذبات اور خوش فہمی الگ بات ہے۔

مٹی:۔ کسی بیمار کے پھوڑا یا زخم ہوتا تو لعاب مبارک سے انگلی تر کر کے مٹی لگاتے پھر مقام ماؤف پر انگلی رکھ کر یوں دعا کرتے تھے۔ بسم اللہ تربة ارضنا بریقة بعضنا لیشفیٰ به سقیمنا باذن ربنا

(مسلم باب استحباب　　ص۲۲۲ ج ۲ بخاری باب رقیة النبی ﷺ)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی خاک جو ہماری تھوک ہے ہمارے بیمار کو شفاء ہو گی ہمارے رب کے حکم سے ائمہ نے لکھا ہے ارض (زمین) سے مراد روئے زمین ہے۔ فرمایا سرزمین دینہ کی خاک بھی ہو سکتی ہے (نووی ملخصا)

برکت ہی سہی، بہرحال ایک خاص مقصد کی حد تک، جو بہرحال مٹی لانے والوں کے سامنے نہیں ہوتا:

امام نوویؒ فرماتے ہیں، زمزم کے پانی کے سوا مٹی اور کنکر غیرہ لے آنا وہ مناسب نہیں ہے، امام ابو الفضل بن عبدان فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کے ٹکڑے لے جانا بھی جائز نہیں، اس کا بیچنا یا خریدنا بھی جائز نہیں فرماتے ہیں، غلاف کعبہ کی جو بھی چیز لے جائے گا۔ اس کو واپس کرنا ہوگا۔ امام نوویؒ نے اس کی تائید کرتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اسی طرح غیر حرم کی مٹی اور پتھر، حرم میں لے جانا بھی جائز نہیں ہے امام ابن الصلاح فرماتے ہیں، یہ بات خلیفہ وقت کی صوابدید پر ٹھہری ہے تاہم اگر کہنہ ہو کر ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر غلاف کعبہ کو کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ وبہ قال ابن عباس و عائشة وام سلمة (روضة الطالبين ص۱۶۸ ج ۳ للنووی)

اصل عبارت یہ ہے یکرہ نقل تراب الحرم واحجارہ الی سائر البقاع ولا یکرہ ماء زمزم قال الشیخ ابو الفضل بن عبدان۔ ولا یجوز قطع شئ من ستر الکعبة ونقله وبیعه وشراؤه... ومن حمل انه شیئا لزمه ردہ..... قلت الاصح انه لا یجوز اخراج تراب الحرم وبهذا قطع صاحب المهذب والمحققون من اصحابنا.... وقال الشیخ ابو عمرو بن الصلاح... الامر بها الی الامام یصرفها فی بعض مصارف بیت المال بها وعطاء واحتج بما رواہ الازرقی صاحب کتاب مکة ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان ینزع کسوة البیت کل سنة فیقسمها علی الحاج وهذا الذی اختارہ الشیخ من متعین لئلا یتلف بالبلی وبه قال ابن عباس وعائشة وام سلمة (روضة الطالبين ص۱۶۸ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کیا بھی جائے تو بطور تبرک نہیں بلکہ اس لیے کہ ضائع نہ ہو، کام آجائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس، عائشہ اور ام سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ یہ کپڑا (غلاف کعبہ) جس کو مل جائے وہ جنبی ہو یا حائضہ یا کوئی اور، بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

قالوا ویلبسها من صارت الیه من جنب وحائض وغیرهما (الیضا)

نیز فرمایا: کعبہ کی خوشبو بھی نہیں لانی چاہیے، ہاں اپنی خوشبو لے جاکر اس سے ملا کر استعمال کر سکتا ہے ولا یجوز اخذ طیب الکعبة فان اراد التبرك۔ اتی بطیب من عنده فمسحها به ثم اخذ والله اعلم (روضة الطالبين هذوی ص۱۶۸ ج ۳)

گو ان چیزوں کو عظیم شعائر اللہ سے ایک نسبت ہے۔ لیکن اس لیے نہیں کہ، ان کا استحصال کیا جائے۔ جذبات کی بات اور ہے، لیکن مسئلہ کی الگ ہے۔ مسئلہ یہی ہے کہ ان کو بطور تبرک گھر میں لا کر اپنے، بت خانوں (فضائے حرم کے مخالف فضاؤں) میں لا کر بسانا۔ احترام نہیں، بے ادبی ہے، یا سستی بخشش اور ارزاں خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک عامیانہ اسلوب بہت سے لوگ

تو ان کو "دنیا" بنانے کی تمنا سے کرلاتے ہیں گویا کہ وہ شعلۂ دین کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں خیال فرمایئے کہ یہ حضرات دین وایمان کا کس قدر اس طرف کرتے ہیں؟ حرم کی مٹی کو لاکر گھر کو "حرم" بنانا یوں ہے جیسے ابرہہ نے منحار میں ایک جعلی "حرم کعبہ" بنا ڈالا تھا۔ جو بہرحال برا ہے پرہیز اچھا ہے واللہ اعلم۔

انسان کو بعض مقامات سے گہرا قلبی تعلق ہوتا ہے، لیکن بعض لوگ غلو عقیدت میں ان مقامات سے جو کچھ ان میں دیا بطور "عقیدت" لے آتے ہیں تاہم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے بعض حضرات کی دنیا ہی کچھ اور ہوتی ہو۔ جو مسئلہ کی بات نہ ہو بلکہ وہ اپنے قلبی سکون کیلئے چارہ سازی کرتے ہوں۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں تو حرم میں یقیناً عرصہ رہتے ہیں "پیشاب پاخانہ" کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ جو انتہائی دشوار بات ہے۔ حضرت زجاج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حرم میں پاخانہ نہیں کیا کرتے تھے۔ وکان لا یتغوط فی الحرم (مینیوع الحکوم ۱۶) مگر ان تبرکات کی بھرمار کرنے والوں کے "عشق" کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں جاکر سب کچھ کرتے ہیں اور حج ادا کرنے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی بھی کرتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی کیسے کہے کہ یہ ٹھوس عقیدت بلا جذبات پر مبنی بات ہے۔

جواب ۶: ابن ابی حاتم وغیرہ نے مسند احمد وغیرہ سے کچھ اس قسم کی روایات نقل ان کی روایاتی حیثیت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے حضرت امام ابن حزم رح فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت ذبیح کی جگہ مینڈھا قربان ہوا تھا باطل ہے۔

واما الاحتجاج بانہ فدی الذبیح بکبش، نباطل، وما صح ذلک قط (المحلی ص۳۰ ج ۷)

بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں معروف معنی میں "اضحیہ" جیسی قربانی والی بات ہی نہیں تھی۔ تو اس سے اس کے تلاپے لانے کی صورت ہی کوئی نہیں۔

ولا کان امر ابراھیم علیہ السلام اضحیۃ فلا تدخل للاضاحی فیہ (محلی ص۳۳ ج ۷)

کبش ابراہیمی (مینڈھے) والے واقعہ کو وہ "ظن کاذب" کہتے ہیں (دبالظن الکاذب فی کبش الذبیح دایضا)

ترمذی کی ایک روایت میں ان "ضحایا" (قربانیوں) کو سنت ابراہیمی کہا گیا ہے۔

یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی؟ قال سنتہ ابیکم ابراھیم۔ (ترمذی عن زید) لہذا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ان کا کوئی مذکور نہیں تھا تو کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابن حزم رح کے اسناد کی کوئی اہمیت نہ رہتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ

روایت بالکل بیکار ہے اس کے دو راوی بس سبحان اللہ ہیں (۱) ابو معاذ حائز المجاشعی، امام ابو حاتم اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں، اس کی حدیث صحیح نہیں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے روایت صرف سلام بن مسکینی نے کی ہے (میزان) سلام قدری تھے (میزان)

دوسرے راوی ابو داؤد نفیع بن الحارث الاعمی صمدانی ہیں۔ امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں یہ شخص حدیثیں وضع کیا کرتا تھا (خلاصہ تہذیب الکمال) امام عقیلی فرماتے ہیں غالی رافضی تھا۔ امام نسائیؒ اور امام دار قطنیؒ کے نزدیک "متروک" ہے امام ابو زرعہ کا ارشاد ہے کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں، امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں۔ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے یہ شخص واعظ بھی تھا اور بھکاری بھی، حضرت قتادہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے (میزان ص۲۷۲ ج ۴) یہ حدیث ضعیف المخرج اور اس کی اسناد لغو ہی ہے۔

نا حدیث ضعیف المخرج اسناد ورا کما قال المنذری۔ الودا ۃ ص۲۸ ج ۱)

اس لیے مینڈھے کی قربانی والی بات صرف کہانی ہے اور وہ بھی اسرائیلی دراصل یہ ساری خرابی وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ۔ میں ذبحہ کی تعیین کرنے کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ کتاب وسنت جب یہ پردہ نہیں اٹھاتے تو پھر دوسری سب ٹامک ٹوئیاں والی بات ہے، جس طرح حضرت سارہ کو بہن کہنے کے اسباب متعین کرنے کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے بخاری کی روایت کا حال ہوا ہے وہی یہاں ہو رہا ہے۔ بہرحال وہ "ذبح عظیم" صرف مینڈھا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایک عام شئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کچھ اور حقیقت ہے جو ذبیح کا عظیم بدل قرار پائی ہے اور وہ کیا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث اس بارے میں بالکل خاموش ہیں اس لیے آپ بھی خاموش رہیں۔ اسرائیلی روایات کی تصدیق اور تکذیب دونوں ممنوع ہیں (مشکوٰۃ) جس ذمہ داری کے بوجھ سے آپ کو آزاد رکھا گیا ہے۔ آپ اس کو لینے کی کوشش نہ کریں، کیوں کہ ذمہ داری بہت بڑی آزمائش ہے

جواب:۔ ان کی قربانیوں کا مستقبل نہیں رہا۔ کیونکہ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۔ (پ۔ الانعام ع ۲۰) "بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں"۔

قربانی کی بنیادی اساس ہے، جس سے زندگی مالامال ہونی چاہیئے خاصکر ذبح کے وقت مندرجہ ذیل اعلان اور دعا کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قربانی دینے والا اس وقت بالکل یکسو ہو صرف خدا کی طرف

اس کا رخ ہو۔ جہاں شرک وبدعت کا کوئی شائبہ نہ ہو دُعا یہ ہے:۔ انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ (ابن ماجہ وغیرہ)

سلف اہل تفسیر تقریباً ''ذبح عظیم'' کی اس تفسیر پر نظر آتے ہیں کہ وہ مینڈھا تھا جس روایت جامع ترمذی کی فاضل مفتی نے تضعیف فرمائی ہے وہ اس قسم کی دوسری روایات کے مفاہیم کی تائید سے اس ''اجماع کی ''سند'' کی حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔ رہے ہمارے امام حافظ ابن حزمؒ تو انہوں نے جس بناء پر محمول مرفوع روایت کو ''باطل'' ٹھہرایا ہے وہ اپنی جگہ شاید درست ہو۔ وہ ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں جو مینڈھے کو اونٹ اور گائے کی قربانی سے اس طرح کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے افضل قرار دیتے ہیں حافظ ابن حزم کا موقف یہ ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی افضل ہے۔

لہٰذا نفس اتنی بات بہرحال صحیح ہے کہ ''ذبح عظیم'' سے مراد مینڈھا ہے اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''فدیہ اسماعیل'' کے طور پر مینڈھا ہی عطا فرمایا گیا تھا باقی تفصیلات کے بارے میں جو چاہیں رائے رکھ لیجئے (ع،ح)

''میں نے اپنا رُخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور صرف اس کا ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ سات حصہ داروں میں سے اگر چھ نصرانی ہوں یا صرف ایک شخص گوشت کی نیت رکھتا ہوا تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

وان کان شریک الستة نصرانيا او رجلا يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم ؂ (ہدایہ ص۴۲۹ ج۴ کتاب الضحایا)

نصرانیت شرک کی واضح مثال ہے اور ''گوشت خور'' اور جو لوگ سراپا ''بدعتی یا مشرک اور نرے دنیادار'' ہوں، ان کی قربانی کے سلسلے میں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے۔

خود حضورؐ نے بھی اپنی امت کی طرف سے جو قربانی دی تھی اس میں بھی یہ شرط رکھی۔ من شهد لك بالتوحيد (مسند احمد وغیرہ) کہ جو موحد ہو۔ معلوم ہوا جو موحد اور بندہ حنیف نہیں بلکہ ہرجائی ہے اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں دل بہلانا یا خوش فہمی کی اور بات ہے۔ بہرحال انہیں سب سے پہلے بدعات اور شرکیہ رسومات سے توبہ کرنا چاہیئے، ورنہ قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار الاعتصام ۱۹۷۴ء)

سوال: احکام قربانی کے کیا کیا ہیں تفصیلاً بیان فرما دیں۔

الجواب: اُضحیۃ یعنی قربانی میں اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ مگر مذہب صحیح و محقق یہی ہے کہ سنت مؤکدہ ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بخاری نے ایک باب اس کی سنیت کا منعقد کیا ہے۔ اور یہی دلائل اس کی سنیت پر ہیں بخوف تطویل اختصار کیا۔ واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں، ونہ کسی صحابہ سے وجوب منقول ہے اور حدیث جو ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص باوجود قدرت کے قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلی میں نہ حاضر ہو۔ عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (رواہ ابن ماجۃ) اول تو اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ اصوب یہی ہے کہ موقوف ہے دوسرے اس سے وجوب نہیں نکلتا بلکہ تاکید نکلتی ہے جیسا کہ کچے پیاز وغیرہ کے کھانے میں فرمایا کہ مسجد میں کھا کر نہ آو حالانکہ بالاتفاق اس سے حرمت نہیں نکلتی اسی واسطے حضرت سے حلت ثابت ہے کما لا یخفی عن من لہ فهم سلیم۔ اور سنیت دلائل سے ثابت ہے جنکی تفصیل یہاں اختصاراً نہیں کی گئی قال الحافظ بن حجر فی فتح الباری وکانہ ترجم بالسنۃ اشارۃ الی مخالفۃ من قال بوجوبها قال بن حزم لا یصح عن احد من الصحابۃ انها واجبۃ وصح انها غیر واجبۃ عن الجمهور وعن محمد بن الحسن هی سنۃ غیر مرخصۃ فی ترکها وقال الطحاوی وبہ ناخذ ولیس فی الآثار مایدل علی وجوبها انتهی۔ واقرب مایتمسک بہ الوجوب حدیث ابی هریرۃ رفعہ من وجد سعۃ فلم یضح فلا یقربن مصلانا اخرجہ بن ماجۃ واحمد ورجالہ ثقات لکن اختلف فی رفعہ ووقفہ والموقوف اشبہ بالصواب۔ قالہ الطحاوی وغیرہ ومع ذلک فلیس صریحا فی الایجاب انتهی ملخصا۔

اور اس کے لئے صاحب نصاب زکوۃ ہونا بھی شرط نہیں کیونکہ کوئی دلیل اس شرط پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف استطاعت یعنی قدرت ہونی چاہیئے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رض مذکورہ ہے کما لا یخفی اور اقامت یعنی مسافر نہ ہونا بھی شرط نہیں کیونکہ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ بخاری نے مسافر کی قربانی کرنیکا ایک باب منعقد کیا ہے اور اس میں حدیث لایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر مکہ میں قربانی کی باب الاضحیۃ للمسافر والنساء

فیہ اشارة الی خلاف من قال ان المسافر لا اضحیة علیہ انتہی ما فی فتح الباری۔

اس سے صراحةً مستفاد ہوتا ہے کہ اقامت شرط نہیں ہے کما لایخفی۔ اور مذہب حنفی میں واجب ہے صاحب نصاب زکوٰة پر جیسا کہ صدقہ فطر میں شرط اس کے کہ مسافر نہ ہو۔

الاضحیة واجبة علی کل مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی علی نفسہ وعن ولدہ الصغار والنساء لما روینا من اشتراط السعة ومقدارہ ما یجب بہ صدقة الفطر انتہی۔ ما فی الہدایة ملخصاً۔ بقدر الحاجة۔

اور شخص قربانی کرنیکا ارادہ رکھے اس کو چاہئے کہ جب سے ذالحجہ کا چاند دیکھے تب سے قربانی تک سر وریش کا بال وناخن وغیرہ نہ لے

عن ام سلمة رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم ہلال ذی الحجة واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ رواہ الجماعت الا البخاری کذا فی المنتقی الاخبار اور وقت اس کا بعد نماز کے ہے قبل نماز کے نہیں جائز اور اگر کوئی قبل نماز کے کریگا تو صحیح نہ ہوگا دوسرا کرنا ہوگا کیونکہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھے پھر قربانی کرے۔ اور جس نے پہلے نماز کے قربانی کی اس کی قربانی صحیح نہ ہوئی وہ اس کے کھانیکا گوشت ہے دوسری قربانی کرے

عن البراء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما نبدأ فی یومنا ہذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما ہو لحم قدمہ لاہلہ لیس من النسک فی شئی الحدیث رواہ البخاری۔ اور حنفی مذہب میں بھی یہی وقت ہے مگر دیہاتی لوگوں کیلئے وقت الاضحیة یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انہ لا یجوز لاہل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اہل السواد فیذبحون بعد الفجر۔ کذا فی الہدایة۔

اور سن بکری[1] کا ایک سال یعنی ایک پورا اور دوسرا شروع اور گائے اور بھینس کا دو سال یعنی دو سال پورے اور تیسرا شروع اور اونٹ کا پانچ سال اور چھٹا شروع ہونا چاہئے۔ اور بھیڑ ایک سال

[1] یعنی بکری دوسرے سال میں اور گائے بھینس تیسرے سال اور اونٹ چھٹے سال میں عموماً دو دانت ہوتے ہیں اسلئے بکری کیلئے دو سال۔ گائے کیلئے تین سال اور اونٹ کیلئے چھٹے سال کا ذکر کیا ہے۔

سے کم کا بھی جائز ہے بشرطیکہ خوب موٹا اور تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سال سے کم عمر کی قربانی نہ کرو۔ اور ضرورت کے وقت بھیڑ کا جذعہ کر لو۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان رواہ الجماعۃ الا البخاری کذا فی منتقی الاخبار۔

اور مسنہ ہر جانور میں سے ثنی کو کہتے ہیں اور ثنی کہتے ہیں بکری میں سے جو ایک سال کی ہو دوسرا شروع اور گائے بھینس میں جو دو سال کی ہو تیسرا شروع اور اونٹ کا جو پانچ سال ہو چھٹا شروع ہو۔

قولہ الا مسنۃ قال العلماء المسنۃ ہی الثنیۃ من کل شیئ من الابل والبقر والغنم انتہی ما فی نیل الاوطار والثنی من الشاۃ ما دخل فی السنۃ الثانیۃ کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب القاسم الحسین وہو المقدم علی الغزالی والقاضی ناصر الدین البیضاوی منتہی العرب میں ہے ثنی گفتی شتر در سال ششم درآمدہ انتہی والثنی منہا ومن المعز بن سنۃ ومن البقر بن سنتین ومن الابل بن خمس سنین ویدخل فی البقرۃ الجاموس لانہ من جنسہ انتہی ما فی الہدایۃ اور جذعہ بھیڑ میں سے اس کو کہتے ہیں جو سال سے کم ہو۔

الجذع من الضان ما تمت لہ ستۃ اشہر فی مذہب الفقہاء وذکر الزعفرانی رحمۃ اللہ علیہ انہ ابن سبعۃ اشہر انتہی ما فی الہدایۃ مگر بشرط مذکورہ قالوا ہذا اذا کانت عظیمۃ بحیث لو خلط بالثنایا یشتبہ علی الناظر من بعید انتہی ما فی الہدایۃ ۱؎۔

اور شرط یہ ہے کہ جانور قربانی اتنے عیوب سے خالی ہو۔ اور یہ کہ سینگ اسکا آدھا یا آدھے سے زیادہ نہ کٹا ہو۔ دوسرے اسی طرح کان نہ کٹا ہو تیسرے کانا یا اندھا نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ ظاہر لنگڑا نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ بہت بیمار نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اسکی ہڈی کا گودا نہ باقی رہا ہو۔ ساتویں یہ کہ اس کان نہ پھٹا ہو۔

۱؎ یہ سب فقہی عبارتیں جمع کی گئی ہیں لغت عرب اور محدثین کی تحقیق مقصود ہو تو قربانی کے جانوروں پر ایک تحقیقی مقالہ جو آگے آرہا ہے اس کا غور سے مطالعہ کریں (سعیدی)

عن علی علیہ السلام قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یضحی با عضب القرن والاذن قال قتادۃ فذکرت سعید بن المسیب فقال العضب النصف فاکثر من ذلک رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی ولکن ابن ماجۃ لم یذکر قول قتادۃ الی آخرہ وعن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع لا یجوز فی الاضاحی العوراء البین عورھا. والمریضۃ البین مرضھا والعرجاء البین عرضھا والکثیر التی لا تنقی رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار وعن علی قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلۃ ولا مدابرۃ ولا شرقاء ولا خرقاء رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی. وابن ماجۃ وانتہت روایتہ الی قولہ والاذن کذا فی المشکوٰۃ۔

اور حنفی مذہب میں بھی ان سب عیوب سے خالی ہونا چاہیئے اور سوا ان کے دم بھی اس کی نصف سے زیادہ نہ کٹی ہو مگر یہ کہ سینگ کٹے ہوئے ہوں یا کان پھٹا۔ یہ حنفی مذہب میں عیب نہیں ہے اور کان آدھے سے زیادہ کٹا ہو تب عیب ہے ورنہ نہیں۔

ولا یضحی بالعمیاء والعوراء والعرجاء التی لا تمشی الی النسک ولا العجفاء ولا تجزی مقطوعۃ الاذن والذنب ولا التی ذھب اکثر اذنہا وذنبہا وان بقی اکثر الاذن والذنب جاز ویجوز ان یضحی بالجماء انتہی ما فی الھدایہ۔

اور یہ عیوب جب معتبر ہیں کہ وقت خریدنے کے موجود ہوں اور جب وقت خریدنے کے جمیع عیوب مذکورہ سے مبرا تھا اور بہ نیت قربانی کے جمیع عیوب سے سالم خرید لیا تب کوئی نیا عیب حادث ہو تو اس کی قربانی صحیح ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

وعن ابی سعید قال اشتریت کبشا اضحی بہ فعدی الذئب فاخذ الالیۃ قال فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح بہ رواہ احمد وھو دلیل علی ان العیب الحادث بعد التعین لا یضر انتہی کذا فی المنتہی۔ اور حنفی مذہب میں امیر تو دوسری بدل لے اور غریب کیلئے وہی صحیح وکافی ہے۔ وھذا الذی ذکرنا اذا کانت ھذہ العیوب قائمۃ وقت الشراء ولو اشتراھا سلیمۃ ثم تعیب بعیب مانع ان کان غنیا علیہ غیرھا وان کان فقیرا تجزیہ ھذہ لان الوجوب علی الغنی بالشرع

ابتداء لا بالشراء فلم تتعین به وعلی الفقیر بشرائه بنیة الاضحیة فتعینت انتہی ما فی الهدایه
اور خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے۔
وعن عائشة رض قالت ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین سمینین عظیمین املحین اقرنین موجوئین رواہ احمد انتہی ما فی منتقی الاخبار۔ اور بہت سی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں بخوف تطویل ایک ہی پر اکتفا کیا حنفی مذہب میں ہے
ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی لان لحمها اطیب وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین املحین موجوئین انتہی ما فی الهدایة ملخصاً بقدر الحاجة۔ اور قربانی میں سے ازروے قرآن وحدیث کے خود کھائے اور فقیروں محتاجوں کو کھلائے کوئی قید نہیں کہ کس قدر کھائے کس قدر فقیروں کو دے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلوا منها واطعموا القانع والمعتر۔ ترجمہ کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنیوالوں کو۔ اور حنفی مذہب میں مستحب ہے کہ تہائی فقیروں محتاجوں کو دے یاکل من لحم الاضحیة ویطعم الاغنیاء والفقراء و یدخر ویستحب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث انتہی ما فی البدایة ملخصاً۔
اور قصاب کی اجرت قربانی میں سے نہ دے اپنے پاس علیحدہ دے عن علی رض قال بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقمت علی البدن فامرنی فقسمت لحومها ثم فقسمت جلالها و جلودها وقال سفیان حدثنی عبدالکریم عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن علی رض قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی منها شیئا فی جزارتها رواہ البخاری۔
ترجمہ: حضرت علی رض سے روایت ہے کہ فرمایا آپ نے بھیجا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس کھڑا ہوا میں قربانیوں پر پس حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کیا میں نے گوشت ان کا پھر حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کی میں نے جھولیں ان کی اور چمڑے ان کے اور کہا سفیان رحمہ اللہ... نے حدیث سنائی مجھ کو عبدالکریم نے مجاہد سے اور اس نے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا حضرت علی رض نے حکم کیا مجھ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ کھڑا ہوں میں قربانیوں پر اور نہ دوں ان سے قصائی کی اجرت میں کچھ.... اور قربانی کے چمڑوں کو یا تو صدقہ کر دے جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے یا اس سے کوئی چیز استعمال کی مثل مشک ڈول وغیرہ کے بنا لے۔

نیچے نہیں جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور حنفی مذہب میں بھی یہی ہے۔

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منہا او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال وغیرھا انتہیٰ مافی الہدایۃ واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز المہین محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ۔ عبدالحمید غفر اللہ عنہ۔

محمد عبید اللہ — مصنف تحفۃ الہند۔

فقیر محمد عبد الحق ۱۲۹۵

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوھاب ۳۰۰

امیر الدین ۱۳۰۱

یہ جواب صحیح ہے حررہ ابو العلی محمد عبدالرحمن الاعظم گڑھی المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ نعم الجواب ابوالقاسم محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ۔

محمد طاہر ۱۳۰۴

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۳۹۹

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۲/۵۳

؎ مشہور تین دن تک ہے

۱۰ - ۱۱ - ۱۲ اور بعض احادیث سے چار دن ۱۳ تک ہے اور بعض نے آخر ماہ تک جواز بتایا ہے دیکھو کتاب سے پہلے کا دوسرا ورق میں نے اس پر مختصر بتایا ہے

سید اقتدار احمد
سہسوانی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کے جانوروں کی عمر پر
ایک تحقیقی مقالہ

ترتیب

ابوالحسنات علی محمد سعیدی

خانیوال

جذعہ ضان کے سوا قربانی کے جانور کا دانت ہونا ضروری ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم شریف کی روایت ہے لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان یعنی قربانی میں صرف مسنہ ذبح کرو لیکن اگر میسر نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو۔

چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو اس لئے معلوم ہوا کہ اور جانوروں کا مثلاً اونٹ بکری، گائے کا جذعہ جائز نہیں ہے بلکہ ان جانوروں کا مسنہ ہی کرنا چاہیئے۔ اب ہم جذعہ اور مسنہ کی لغوی تحقیق اور شراح حدیث کی تشریحات ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے معنی اور مطالب بخوبی واضح ہو جاویں چونکہ جذعہ ضان کی کھلی ہوئی اجازت موجود ہے اس لئے ہمیں اس کی نسبت ائمہ حدیث کی تشریح وتحقیق نقل کرنے کے بعد جذعہ معز (بکری کے جذعہ) جذعہ بقر (گائے کے جذعہ) جذعہ ابل (اونٹ کے جذعہ) کی نسبت بھی ائمہ حدیث کی تحقیقات لکھ دینی چاہیے تاکہ پورے طریق سے مسئلہ کی وضاحت ہو جاوے۔

اقول وباللہ التوفیق۔

جذعہ ضان کی عمر کی نسبت جمہور اہل علم اور ائمہ لغت کی تحقیق فتح الباری میں ہے ۱۔ الجذع من الضان ما اکمل سنة ودخل فی الثانیة وھو الاصح عند الشافعیه وھو الاشھر عند اھل اللغة (فتح الباری پ ۲۳ صفحہ ۳۲۹) (۲) نووی میں ہے ۱۔ الجذع من الضان ماله سنة تامة ھذا ھو الاصح عند اصحابنا وھو الاشھر عند اھل اللغة وغیرھم (نووی شرح مسلم جلد ثانی صہ ۱۵۵)

(۳) نیل الاوطار میں ہے ۱۔ الجذع من الضان ماله سنة تامة ھذا ھو الاشھر عن اھل اللغة وجمھور اھل العلم من غیرھم (نیل الاوطار جزء ۵ صفحہ ۲۰۲)

(۴) تحفۃ الاحوذی میں بحوالہ نہایہ ابن اثیر میں ہے ۱۔ ومن الضان ما تمت له سنة (تحفہ جلد ثانی صفحہ ۵۵)

(۵) مجمع البحار (لغت حدیث) میں ہے ۱۔ الجذع من الضان ما تمت له سنة (مجمع جلد اول صفحہ ۱۸۱)

(۶) بذل المجهود میں ہے ۱ فی اللغة ما تمت له سنة (بذل جلد رابع صہ ۱)

ان سب سے معلوم ہوا کہ بھیڑ کا جذعہ وہ بچہ کہلاتا ہے جو پورے ایک سال کا ہو، نیز یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلک جمہور اہل علم اور اماما ن لغت کا ہے۔ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کو جمہور اہل

علم کی طرف منسوب فرمایا ہے، ملاحظہ ہو من الضان ما اکمل السنة وھو قول الجمھور (فتح پ ۲۳)

لیکن اور مسائل اختلافیہ کی طرح اس میں بھی حنفیہ نے اختلاف کیا ہے جس کا ذکر خود ائمہ حدیث نے اور فقہ کے مصنفین نے بھی کیا ہے۔

جذعہ ضان کی عمر میں حنفیہ اور حنابلہ کا اختلاف اور جمہور اہل علم اور ائمہ لغت سے ان کا شذوذ

(۱) ہدایہ میں ہے: والجذع من الضان ما تمت له ستة اشھر فی مذھب الفقھاء (ہدایہ مع کفایہ جلد رابع ص۳۲)

(۲) نووی میں اس طرح ذکر ہے: قیل ماله ستة اشھر (نووی جلد ثانی ص۱۵۵)

(۳) فتح الباری میں اس طرح ہے: وثانیھا نصف سنة وھو قول الحنفیة و حنابله (فتح پ ۲۳ ص۳۲۹)

(۴) بذل المجہود میں ہے فسره فی شرح المنتقی شرعًا بما اتی علیه اکثر الحول (بذل جلد رابع ص۷۱)

تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک جذعہ ضان بھیڑ کا وہ بچہ ہے جو پورے ۶ ماہ کا یا اس کچھ زیادہ عمر کا ہو، چونکہ یہ قول لغت کے خلاف تھا اس لئے ہدایہ میں جذعہ ضان کی تشریح کرتے ہوئے فی مذھب الفقھاء کی قید لگادی تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ائمہ لغت کی یہ تشریح نہیں ہے کفایہ میں ہے۔ قید بمذھب الفقھاء احترازًا عن قول اھل اللغة ❊ ❊ (کفایہ جلد ۴ ص۳۲) اسی طرح بذل المجہود میں ہے وقیده بقوله شرعًا لانه فی اللغة ما تمت له سنة۔ (بذل جلد ۴ ص۷۱)

معلوم ہوا کہ ائمہ لغت کی تصریح احناف کے مذہب کے یکسر خلاف ہے اور یہ کہ صحیح مسلک وہی ہے، جسے ہم نے امام شوکانیؒ امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ کی تصریحات سے جمہور اہل علم کی تحقیق کے مطابق یکسالہ بچہ کا قول نقل کیا ہے اس بارہ میں اور بھی شاذ اقوال ہیں جنہیں قیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ جمہور اہل علم کے خلاف ہیں اور ائمہ مذاہب میں سے کسی مشہور مذہب کی طرف منسوب بھی نہیں۔ اس لئے ہمیں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اعلام: حسب تصریح حافظ ابن حجرؒ وغیرہ جذعہ ضان وہی ہے جو یکسالہ ہو، پس بعض کتب اہلحدیث میں بھیڑ کے چھ سات ماہ والے بچہ کے قربانی کی نسبت جو اجازت ملتی ہے وہ دراصل فقہی اجتہادی قول حنفیہ کے مطابق ہے جو کہ جمہور اہل علم اور ائمہ لغت کے خلاف ہے۔

جذعہ معز کی اجازت ایک صحابی کو

جذعہ ضان کی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم جذعہ معز کی نسبت امامان حدیث کی کتابوں سے نقل کر کے یہ ثابت کریں گے کہ "جذعہ معز" اور کسی کے لئے جائز نہیں صرف ایک صحابی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص اجازت دی تھی اور اس موقعہ پر ہم جذعہ معز کی نسبت بھی

شراح حدیث کی تصریحات کو نقل کریں گے۔

بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبردہ بن نیار رضؓ نے نماز عید سے پہلے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر ڈالا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاتک شاۃ لحم کہ پہلے کر ڈالنے سے تو صرف گوشت خوری کا فائدہ ہوگا قربانی تو نہ ادا ہوئی، تو حضرت ابوبردہ رضؓ نے کہا میرے پاس معز کا جذعہ موجود ہے۔ حکم ہو تو اس کی قربانی کردیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا! اذبحھا ولا تصلح لغیرک (ملاحظہ ہو بخاری پ۲۳)
مسلم شریف میں اسی طرح ہے کہ انہوں نے کہا تھا ھی خیرٌ من مسنۃ۔ اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ان کا یہ مقولہ ہے ھی احب الی من شاتین مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جذعہ معز کے لئے اجازت طلبی کے موقعہ پر کہا کہ میرا جذعہ معز اس قدر فربہ اور تیار ہے کہ مسنہ سے بھی بہتر اور دو بکریوں سے بھی عمدہ ہے، تب حضور علیہ السلام نے فرمایا خیر تم اس کو ذبح کردو لیکن دوسرے کیلئے یہ جائز نہیں۔ (مسلم جلد ثانی ص۱۵۴) مسلم اور بخاری کی متفق علیہ روایت سے ظاہر ہے کہ جذعہ معز دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ چنانچہ امام نووی شارح مسلم نے اپنی فوائد میں لکھا ہے:۔ وفیہ ان جذعۃ من المعز لا تجزی فی الاضحیۃ وھذا متفق علیہ اور امام شوکانی رحؒ لکھتے ہیں!۔ وفیہ دلیل علی ان جذعۃ المعز لا تجزی فی الاضحیۃ قال النووی وھذا متفق علیہ۔ (نیل الاوطار جز خامس مصری ص۲۰۲) صاحب عون لکھتے ہیں!۔ ان الجذع من المعز لا یجزی عن احد ولا خلاف ان الثنی من المعز جائز۔ (عون المعبود جلد ثالث ص۵۲)

اب ہم شراح حدیث اور ائمہ لغت کی تصریحات جذعہ معز کی نسبت نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ جس جذعہ معز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کی عمر کیا ہے۔ جذعہ معز کی نسبت (۱) حافظ ابن حجر رحؒ نے لکھا ہے فھو ما دخل فی السنۃ الثانیۃ۔ (فتح الباری پارہ ۲۳ ص۳۲۳)

(۲) تحفہ الاحوذی میں نہایہ ابن اثیر کے حوالہ سے یہ عبارت ہے!۔ الجذع من البقر والمعز ما دخل فی السنۃ الثانیہ (تحفہ جلد ثانی ص۳۵۵)

(۳) منتہی الادب میں ہے!۔ جذع آنچہ بیش از ثنی باشد یعنی گوسپند و گاؤ بسال دوم در آمدہ (منتہی الادب جلد اول صفحہ ۱۹۱)

(۴) فقہ اللغۃ میں ہے:۔ کل من اولاد المعز والضان فی السنۃ الثانیۃ جذعٌ (فقہ اللغۃ وسر العربیۃ للامام اللغوی الثعالبی ص۱۵۰)

(۵) مجمع البحار میں ہے :- الجذع من البقر والمعز ما تم له سنة وطعنت فی الثانیة (مجمع جلد اول ص۱۸۱)

(۶) بذل المجہود میں ہے :- واما الجذع من المعز فهو ما دخل فی السنة الثانیه (بذل جلد ۴ ص۵ نقلا عن الحافظ)

ان تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ بکری کا وہ بچہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو وہ جذعہ معز کہلاتا ہے اب ظاہر و باہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ پس کسی صورت میں بکری بکرا، خصی، بدھیا جو پورے ایک سال کے ہوں قربانی کے لئے درست نہیں۔

عتود یعنی بکری کے یکسالہ بچہ کی اجازت ایک اور صحابی کو

بخاری شریف میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے کچھ جانور صحابہ کرام میں تقسیم کرنے کے لئے حضرت عقبہ بن عامر کے سپرد فرمائے تو انہوں نے تقسیم کر دیئے باقی صرف ایک عتود رہ گیا تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ میرے لئے تو کچھ نہیں رہا صرف ایک عتود باقی بچتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ضح به انت کہ تم اسی کی قربانی کر دو۔ (بخاری شریف پارہ ۲۳ کتاب الاضاحی)

یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں اس روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ امام بیہقی رح نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رض کے اسی واقعہ کے متعلق حضور کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں :- ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَلَا رُخْصَةَ فِيْهَا لِاَحَدٍ بَعْدَكَ ؎ (فتح پ ۲۳ ص۳۲۷)

مسلم کے شارح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- روی البیهقی باسناد الصحیح عن عقبة بن عامر قال اعطانی رسول الله صلی الله علیه وسلم غنما اقسمها ضحایا بین اصحابی فبقی عتود منها فقال ضح به انت ولا رخصة فیها لاحد بعدك ؎ ۔ امام بیہقی رح کی روایت صحیحہ کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے یکسالہ بکری کی قربانی کی اجازت صرف عقبہ بن عامر رض کو دی تھی اور سد الباب فرما دیا کہ تمہارے سوا اور کسی کے لئے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

ناظرین کرام! بخاری اور مسلم کی ہر دو روایات گذشتہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور نے اس قسم کی اجازت دو صحابیوں کو دی تھی، ایک حضرت ابوبردہ بن نیار رض کو دوسرے حضرت عقبہ بن عامر کو، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں۔ قال البیهقی وسائر اصحابنا وغیرهم کانت هذه رخصة لعقبة بن عامر کما کان شلها رخصة لابی بردة بن نیار ۔ (نووی ص۱۵۵) حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں :- فلم یثبت الاجزاء لاحد ونفیه عن الغیر الا لابی بردة وعقبة بن عامر۔ یعنی ابوبردہ بن نیار کی طرح عقبہ بن عامر کو بھی رخصت مل گئی تھی

اور ان دونوں کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں (فتح پارہ ۲۳ صلہ ۳۲۹ وکذا فی زرقانی جلد ثانی صلہ ۳۲۲
اسی طرح امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں والتاویل الذی قالہ البیہقی وغیرہ متعین والی المنع من التضحیۃ بالجذع من المعز ذھب الجمھور۔ (نیل الاوطار مصری جزء خامس صلہ ۲۰۲ روایت عقبہ بن عامر)
یعنی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجیہ کی ہے وہی درست ہے صرف انہیں دونوں کے لئے رخصت تھی ان کے ماسوا اوروں کے لئے عتود (جذعہ معز) کی قربانی نادرست ہے جیسا کہ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اب ہم عتود کی تشریح نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے جس عتود سے منع کیا ہے اسکی عمر کیا ہے
عتود کی تشریح ائمہ حدیث ولغت کے اقوال سے | فتح الباری میں ہے وھو من اولاد المعز ما قوی ورعی واتی علیہ حول (فتح پارہ ۲۳ صـ ۳۲۷

(۲) نووی میں ہے:۔ قال اھل اللغۃ العتود من اولاد المعز خاصۃ قال الجوھری وغیرہ ھو ما بلغ سنۃ (نووی جلد ثانی صلہ ۱۵۵)

(۳) عون المعبود میں بحوالہ "نہایہ" یہ عبارت ہے۔ العتود من اولاد المعز اذا قوی واتی علیہ حول (عون المعبود جلد ثالث صلہ ۵۳)

(۴) نیل الاوطار میں ہے: قلت والعتود من ولد المعز مارعی وقوی واتی علیہ حول۔ (نیل جزء ۵ صلہ ۲۰۳
(۵) تیسیر الوصول میں ہے العتود من اولاد المعز ما اتی علیہ حول (ملاحظہ ہو کتاب الاضاحی فصل ثالث فیما یجزئ من الاضاحی۔

(۶) زہر الربی میں ہے: العتود ھو الصغیر من اولاد المعز اذا قوی ورعی واتی علیہ حول۔ (زہر الربی علی النسائی للعلامہ جلال الدین السیوطی صفحہ ۲۰۳)
(۷) کشف الغمہ میں ہے: والعتود من اولاد المعز مارعی وقوی واتی علیہ حول۔ (کشف الغمہ مصری للامام الشعرانی جزء اول صلہ ۱۸۹)
(۸) مجمع البحار میں ہے: ھو الصغیر من اولاد المعز اذا قوی واتی علیہ حول۔ (مجمع جلد ۳ صلہ ۳۱۵) (۹) منتہی الارب میں ہے: عتود بزغالہ یکسالہ (منتہی الارب جلد سوم صلہ ۹)
ناظرین کرام! ان حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ عتود جس کی اجازت حضرت عقبہ بن عامر کو تنہا ملی تھی اور دوسروں کے لئے ممنوع کر دیا گیا ہے وہ بکری کا یکسالہ بچہ ہے۔ پس اس روایت سے بھی ظاہر

واظہر ہوا کہ بکری، بکرا خصی، بدھیا جو یکسالہ ہوں ان کی قربانی درست نہیں۔

چونکہ حضور علیہ السلام نے جذعہ ضان کی اجازت جذعہ کے ساتھ ضان کی قید لگا کردی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سوا جذعہ ضان کے جذعہ معز، جذعہ بقر، جذعہ ابل کی اجازت نہیں ہے۔ جذعہ معز کی نسبت تو پہلے مفصلاً بیان ہوچکا ہے اب جذعہ بقر اور جذعہ ابل کی عمروں کی نسبت لکھا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس عمر کی گائے اور اونٹ بھی نا درست ہیں۔

جذعہ بقر کی عمر تحفۃ الاحوذی میں نہایہ کے حوالہ سے ہے:- الجذع من المعز والبقر ما دخل فی السنۃ الثانیۃ (تحفہ جلد ثانی ص۳۵۵)

(۲) کفایہ میں بحوالہ مغرب لکھا ہے:- الجذع من البھائم ما قبل الثنی ومن البقر والشاۃ فی السنۃ الثانیۃ (کفایہ جلد رابع ص۳۴)

جذعہ ابل کی عمر فتح الباری میں ہے:- الجذع من الابل ما دخل فی الخامسۃ (فتح پ۲۳ ص۲۴)

(۲) کفایہ میں بحوالہ مغرب منقول ہے الجذع من البھائم ما قبل الثنی الا انہ من الابل فی السنۃ الخامسۃ (کفایہ جلد رابع ص۳۴)

(۳) فاذا کان الابل فی الخامسۃ فھو جذع (فقہ اللغۃ للامام اللغوی الثعالبی ص۱۲۷)

(۴) منتہی الارب میں ہے: شتر بسال پنجم درآمدہ (منتہی الارب جلد اول ص۱۹۱)

حوالہ جات بالا سے معلوم ہوا کہ "جذعہ بقر" گائے کا وہ بچہ ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو اور "جذعہ ابل، اونٹ" وہ بچہ ہے جو چار سال ختم کرکے پانچویں میں داخل ہو۔ پس جس طرح جذعہ معز (بکری کا یک سالہ بچہ) قربانی کے لئے درست نہیں ہے اسی طرح جذعہ بقر اور جذعہ ابل بھی قربانی کے لئے جائز نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ مسوی شرح موطا میں لکھتے ہیں:- لا یجوز من الابل والبقر والمعز دون الثنی (مسوی جلد اول ص۱۸۱)

اور بذل المجہود میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری لکھتے ہیں: لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف (بذل المجہود جلد ۴ ص۱۷)

مطلب یہ ہے کہ جذعہ معز و بقر و ابل بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں بقر و ابل اور معز کی قربانی جائز ہے مگر اس وقت جبکہ یہ مسنۃ (مثنیہ) ہوں ورنہ نہیں۔ اب ہم ذیل میں مسنۃ کی نسبت علماء حدیث و اماماں

لغت کی تحقیقات لکھیں گے۔ تاکہ معلوم ہو کہ مسنہ جو قربانی کے لائق ہے اُس سے شارع کی مراد کیا ہے؟

مسنہ کی تعریف شارحین حدیث واماماں لغت کی زبان سے۔

(۱) امام نووی رح نے لکھا ہے:۔ قال العلماء المسنة هي الثنية من كل شئ من الابل والبقر والغنم وما لثنية اكبر من الجذعة بسنة (نووی جلد ثانی صہ ۱۵۵)

(۲) امام شوکانی رح نے لکھا ہے: المسنة هي الثنية من كل شئ من الابل والبقر والغنم فما فوقهما۔ (نیل الاوطار جز خامس صہ ۲۱۲)

(۳) حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے: قال اهل اللغة المسن الثني الذي يلقي سنه و يكون في ذات الظلف والحافر في السنة الثالثة وقال ابن عباس اذا دخل ولد الشاة في الثالثة فهو ثني ومسن (فتح الباری پارہ ۲۳ صہ ۳۲۸)

(۴) علامہ امیر یمانی نے لکھا ہے: المسنة الثنية من كل شئ من الابل والبقر (سبل السلام صہ)

(۵) صاحب فتح العلام نے لکھا ہے: الثنية من الغنم ما دخل في السنة الثالثة ومن البقر كذالك ومن الابل في السادسة (فتح العلام مصری جلد ثانی صہ ۲۹۵)

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح نے لکھا ہے: الثني من الابل ما استكمل خمس سنين ومن البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن في الثالثة مسوی شرح موطا صہ ۱۸۱)

(۷) صاحب تیسیر الوصول نے لکھا ہے: الثني من ذوات الظلف والحافر ما دخل في السنة الثالثة ومن ذوات الخف ما دخل في السنة السادسة (تیسیر الوصول خلاصہ تجرید الاصول مولفہ قاضی القضاۃ شرف الدین البارزی باب الہدی والاضاحی)

(۸) علامہ شیخ محمد طاہر نے لکھا ہے: الثنية من المعز ما دخل في السنة الثالثة وكذا من البقر ومن الابل ما دخل في السادسة (مجمع البحار جلد اول صہ ۱۶۶)

(۹) صاحب عون نے بحوالہ نہایہ لکھا ہے: الثنية من الغنم ما دخل في السنة الثالثة ومن البقر كذالك ومن الابل ما دخل في السادسة (عون المعبود جلد ثالث صہ ۵۳)

واضح ہو کہ غنم معز اور ضان یعنی بکری اور بھیڑ دونوں کو بولا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد ثانی صہ ۲۴۷ وكذا في بذل المجهود والغنم صفتان المعز والضان (بذل جلد رابع صہ ۷)

خُف ۔ درحافر بے چرے ہوئے کھُر کو کہتے ہیں مگر خُف اونٹ کے لئے بولا جاتا ہے اور حافر گھوڑے کے لئے (ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد اول ص۲۶۳) اور ظِلف چرے ہوئے کھُر کو کہتے ہیں جو کہ گائے اور بکری اور بھیڑ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مجمع میں ہے ا والظلف هو المنشق من القوائم للبقر والغنم كالحافر للفرس والخف للبعير (مجمع البحار جلد ثانی ص۳۳۲)

ان حوالہ جات بالا سے یہ چند امور ظاہر ہوئے اوّل یہ کہ مُسِنّہ اور ثنیہ ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں۔ دوئم یہ کہ ثنیہ معز، ثنیہ ضان، ثنیہ بقر ہم عمر جانوروں کا نام جیسا کہ ہمارے حوالہ جات کے ۲ ، ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۹ کے روسے ظاہر و باہر ہے۔ سوم ثنیہ معز وضان اور ثنیہ بقر اور ثنیہ ابل کی عمروں کی تعیین معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس کو تفصیل کے ساتھ نیچے لکھا جاتا ہے۔

ثنیہ ابل؛ اونٹ کا وہ بچہ ہے جو پانچ سال پورا کر کے چھٹے سال میں قدم رکھے۔ ثنیہ بقر: گائے کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ ثنیہ معز بکری خصی وغیرہ کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے، ثنیۂ غنم۔ بھیڑ یا مینڈھا کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ جب اونٹ یا گائے یا بکری ثنیہ ہو جاوے یعنی وہ اُن عمروں کو پہنچ جائیں جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تب یہ جانور قربانی کے لائق ہوتے ہیں۔

محدثین کرام شکر اللہ سعیہم کی روش مُسِنّہ کی تشریح میں مختلف رہی ہے۔ بعضوں نے مُسِنّہ کی تشریح میں جانور کے ساتھ اُس کے اس عمر کی قید لگا دی ہے کہ جس عمر میں وہ جانور مُسِنّہ ہوتا ہے اور بس اور بعضوں نے دانت نکلنے کو اصل سمجھ کر عمر کا ذکر تبعاً کیا ہے۔ چنانچہ ہم اب اسی کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فتح الباری میں ہے: وحکی ابن التین عن الداودی ان المسنۃ التی سقطت اسنانها للبدل وقال اهل اللغۃ المسن الذی یلقی سنه ویکون فی ذات الخف فی السنۃ السادسۃ وفی ذات الظلف والحافر فی السنۃ الثالثۃ (فتح پ ۲۳ ص۳۲۸)

(۲) عون المعبود میں ہے:۔ الثنی من الابل الذی یلقی سنه وذالك فی السادسۃ ومن الغنم الداخل فی السنۃ الثالثۃ۔

بحوالہ محکم اور بحوالہ الصحاح یہ عبارت ہے۔ الثنی الذی یلقی ثنیته ویکون ذالك فی الظلف والحافر فی السنۃ الثالثۃ وفی الخف فی السنۃ السادسۃ (عون جلد ۳ ص۵۳)

(۳) سندھی علی حاشیہ النسائی میں ہے:۔ مسنۃ اسم فاعل من اسنت اذا طلع سنها وذالك بعد

السنتین او من ا سن الرحیل ا ذا کبر ۔ (مقولہ علامہ سندھی حنفی علی النسائی جلد ۲ ص۲۰۳)

(۴) تیسیر الوصول میں ہے: المسنة التی لھا سنتان (تیسیر الوصول فصل ثالث فیما یجزی من الاضاحی)

(۵) مجمع البحار میں ہے: والمسنة تقع علی البقرۃ والشاۃ اذا اثنیا ویثنیان فی السنة الثالثة

(مجمع جلد ثانی ص۱۴۸)

(۶) منتہی الارب میں ہے: ثنیہ کہ دندان پیش برآمدہ ای ناقہ درسال ششم درآمد و گوسپند و گاؤ در سوم

درآمدہ (منتہی الارب جلد اول صفحہ ۱۷۰)

(۷) فقہ اللغت میں ہے: والابل اذا کان فی السادسة والقی ثنیتہ فھو ثنی ص۱۴۷، وولد

البقرۃ الاھلیة فی السنة الثالثة ثنی (ص۱۴۹) وکل من اولاد الضان والمعز

فی السنة الثالثة ثنی (ص۱۵۰) ملاحظہ ہو فقہ اللغة وسر العربیة للامام اللغوی الثعالبی۔

(۸) منجد میں ہے: الثنی الذی یلقی ثنیتہ وھی اسنان مقدم الفم۔ (منجد بحث ثنی)

ناظرین کرام! ان حوالہ جات مذکورہ بالا سے یہ ظاہر ہوا کہ مسنّہ یا ثنیہ اونٹ یا گائے یا بکری ہے

کہ جس کے دودھ کے دانت آگے کے نوجوانانہ دانتوں کے نکلنے کے سبب گر گئے ہوں اور بلحاظ عمر وہ اونٹ

ثنیہ ہے۔ جو چھٹے سال میں قدم رکھے اور اسی طرح وہ گائے یا بکری ثنیہ (مسنہ) ہے۔ جو تیسرے سال

میں قدم رکھے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ بقر (گائے) اور معز (بکری) جب ثنیہ ہوتے ہیں۔ تو دونوں ہم عمر ہوتے

ہیں۔ یعنی بکری بھی اپنے دانت ہونے کے وقت تیسرے سال میں داخل ہو لیتی ہے اور گائے بھی اپنے

دانت ہونے کے وقت تیسرے سال میں داخل ہو لیتی ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ ہمارے پہلے قائم کردہ

حوالہ جات کے علاوہ مندرجہ بالا حوالہ جات کے ۱، ۲، ۵، ۶، ۷ سے ظاہر و باہر ہے۔ مسنّہ کے

متعلق مذکورہ بالا مباحث جو عرض کئے گئے ہیں۔ وہ سب تقریباً کتاب الاضاحی سے متعلق ہیں۔ اب ہم

کو مسنہ کی تشریح میں کتاب الزکوٰۃ سے جو ملتی ہے اس کو بھی عرض کرتے ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ

البقر میں ومن کل اربعین بقرۃ مسنة کے حدیث میں مسنہ کا لفظ وارد ہے اس کی تشریح شارحین

حدیث نے جو فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) زرقانی شرح موطا میں ہے: مسنة التی دخلت فی الثالثة۔ زرقانی جلد ۲ ص۵۸)

(۲) مصفیٰ میں ہے: مسنہ آنست کہ گذشتہ باشد بروے دو سال و داخل شدہ در سال سوم (مصفیٰ ا ص۲۰۳)

(۳) مسوی میں ہے۔ والمسنة التی طعنت فی الثالثة (مسوی جلد اول ص۲۰۵)

(۴) سندھی حاشیہ نسائی میں ہے: مسنة ای مادخل فی الثالثة (مقولہ علامہ سندھی حنفی نسائی ص۳۳۹)

(۵) تحفۃ الاحوذی میں ہے: مسنة ای ماکمل لہ سنتان وطلع سنہا ودخل فی الثالثة تحفہ کتاب الزکوٰۃ ص۲)

(۶) بذل المجہود میں ہے۔ مسنة وھی التی طعنت فی الثالثة سمیت بذالک لانہا طالعت سنہا (بذل المجہود جلد ثالث کتاب الزکوٰۃ ص۱)

(۷) ہدایہ مع کفایہ میں ہے: وھی التی طعنت فی الثالثة (کتاب الزکوٰۃ فصل فی البقر ص۱۲۳)

ناظرین کرام! حوالہ جات مندرجہ بالا سے ظاہر و باہر ہے۔ کہ مسنہ گائے کی وہ راس کہلاتی ہے جس کے دانت نکل آئے ہوں اور دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ واضح رہے عون المعبود، سبل السلام فتح العلام کے کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ البقر میں مسنہ کی تشریح میں "ذات الحولین" لکھا ہے مگر یہ اگلی تشریحات کے معارض نہیں۔ کیوں کہ جو راس دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھے۔ وہ "ذات الحولین" تو بہرحال ہے اس کے علاوہ یہ بھی بات ہے کہ عون المعبود اور فتح العلام کے کتاب الاضاحی کے اندر تحت لفظ مسنہ انہی شارحین نے مسنہ بقر اسے قرار دیا ہے جو دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھے۔ کما تقدم آنفاً پس ان کے ہر دو مقام کی تشریح میں کوئی تعارض پیدا کرنے کی بجائے وہی تطبیق دینی چاہیئے جو کہ میں نے عرض کی ہے۔ بہرحال کتاب الزکوٰۃ کے اندر واقع شدہ لفظ مسنہ کے وہ تشریحات جو بحوالہ تحفہ وسندھی و بذل و مسوی وغیرہ کے عرض کئے گئے ہیں۔ ان تشریحات کے بالکل مطابق ہیں جو کتاب الاضاحی کے لحاظ مسنہ کے ماتحت پہلے عرض کئے جا چکے ہیں۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ اونٹ اور گائے اور بکری اس وقت قربانی کے قابل ہوں گے جب کہ ان کے دودھ کے دانت نوجوانانہ دانتوں کے نکلنے کے سبب گر جاویں اور اونٹ پانچویں سال سے نکل کر چھٹے سال میں قدم رکھ لے اور گائے و بکری دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھیں کہ دانت کا نکلنا ہی اور مذکورہ بالا عمروں مذکورہ بالا جانوروں کا پہنچنا ان کے ثنیہ اور مسنہ ہونے کا وقت ہے۔

واضح ہو کہ جانوروں کے ثنیہ ہونے کے لئے صرف ان کے دانت کا نکلنا ضروری ہے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کسی سرزمین کے آب و ہوا کی تاثیر ایسی ہو کہ وہاں مذکورہ بالا جانور مذکورہ بالا عمروں میں پہنچنے سے کچھ پہلے ہی مسنہ (ثنیہ) دانت والے ہو جاویں۔ تو ایسے موقعہ پر اعتبار دانت کے نکلنے کا ہی رہے گا۔

کیوں کہ دراصل مطمح نظر ہر ایک کا دو دانت ہے اور عمروں کی نسبت جو تفصیلات ہیں، وہ محدثین کرام کے تجربہ اور پیش آمدہ اندازہ ہیں۔ اس لیے ناقص راقم الحروف کی رائے میں بغرض سہولت قربانی کے جانوروں کی شناخت کا دارومدار اگلے دانتوں کے نکلنے کے موقع پر عمروں کی جو تعین فرمائی ہے، وہ بہت بڑی حد تک ان کے صحیح تجربہ پر مبنی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل | عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یتقی من الضحایا والبدن التی لم تسن یعنی عبداللہ بن عمرؓ احتراز مے کرد از قربانیہا اشتراں ہدے چیزے کہ دنداں نہ برآوردہ۔ (مصفیٰ جلد اول ص۱۸۱)

زرقانی میں ہے: الا یضحی الا مثنی المعز والضان والابل والبقر (زرقانی ص۲۳۴) مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے میں سے ہر ایک چیز کی قربانی اس وقت کرتے تھے جبکہ ان کے دانت نکل آئیں اگرچہ بھیڑ کا جذعہ یعنی بے دانت والا حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے مگر وہ بھیڑ کا دانتا ہی قربانی میں کرتے تھے۔ بہرحال جذعہ ضان کے سوا اور جانوروں کی قربانی کے لیے دانت ہونا ضروری ہے۔ صرف دانت کی شرط ضروری قرار دینے سے جیسا کہ محدثین اعلام کی تصریحات سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ جماعت اہل حدیث اور احناف میں جو اس کے اندر اختلاف ہے وہ بھی رفع ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسنہ وہ ہے جو دانت والا ہو (ملاحظہ ہو بذل المجہود کتاب الزکوٰۃ ص۱۰۱) اور ملاحظہ ہو مقولہ علامہ سندھی حنفی علی النسائی جلد ثانی ص۲۰۳۔ اور ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد ثانی ص۱۴۱) اور جماعت اہل حدیث بھی یہی کہتی ہے کہ مسنہ وہی ہے جو دانتہ ہو۔ پس اختلاف کہاں رہ گیا! ؎ کون کہتا تھا کہ ہم تم میں جدائی ہوگی ؛ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔

ہم صاحب بذل کی اس تشریح پر کہ مسنہ وہ ہے جس کے دانت نکل آئے ہوں، خوش ہو رہے تھے، لیکن قدوری و بدائع کے حوالہ سے آپ کے اس لکھنے پر کہ الثنی من المعز والضان ابن سنۃ سے ہماری خوشی مبدل بہ حیرت ہو گئی کہ کہاں تو دانت نکلنے کی قید تھی اور کہاں اب ابن سنۃ؟ کیوں نہ ہو یہ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے:

والمعز ما تمت لہ سنۃ (ملاحظہ ہو مسوی جلد اول ص۱۸۱) والثنی عند ابی حنیفۃ من الضان اور ہدایہ میں ہے: والثنی من الضان والمعز ابن سنۃ (ملاحظہ ہو ہدایہ مع کفایہ جلد۴ ص۳۴

(دکذا فی کنز الدقائق ملا؟) پس انتصار مذہب میں اگر قلم کا رُخ اِدھر بھی پھر گیا تو کیا بے جا ہوا؟
ہاں مولانا کے رنگین قلم سے حیرت انگیز امتضاد تشریح پڑھ کر مجھے یہ شعر یاد آیا ؎

معشوق ما بمذہب ہر کس برابراست ٭ با مطرب شراب خورد، باز اہد نماز کرد

بعد اللتیا والتی خلاصہ معروضات یہ ہے کہ قربانی کے لئے جانور کا دانتہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں بھیڑ، منیڈھا اگر دانتہ نہ ہوں تو بھی جائز ہیں، بشرطیکہ جمہور اہل علم کی تشریح کے مطابق وہ ایک سال کے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ بعضے عالم بنگلہ کے کہتے ہیں کہ جو کوئی خصاء بہائم ماکول لحم ہو یا غیر ماکول لحم ہو کریگا وہ فاسق ہے اس سے ترک اکل و شرب و ملاقات واجب ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز۔ علمائے شرع برائے خدا جواب باصواب ارشاد فرمادیں ثواب اس کا عند اللہ تعالیٰ پاویں۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اَوّلاً مدعی مذکور پر ثبوت پہنچانا حدیث نہی خصاء بہائم کے بسند صحیح متصل الاسناد مطابق شرائط اہل الحدیث وفقہ کے واجب ہے لان الاسناد من الدین کمافی

مقدمة صحیح مسلم وغیرہا دا لمدعی مطالب بالبرہان ۔ ثانیاً بعد ثبوت حدیث صحیح متصل الاسناد کے اس کی تعمیم میں کلام ہوگا کہ یہ نہی خصاء کے غیر ماکول لحم میں وارد ہے نہ ماکول لحم میں اب ہم قطع نظر صحت حدیث و عدم صحت سے کر کے کہتے ہیں کہ نہی خصاء بہائم کے ساتھ جانور غیر ماکول لحم کی خاص ہے جیسے خر و خچر وغیر اور ماکول لحم اس نہی میں شامل نہیں بدلالت نص قرآنی کے ۔ کیونکہ مقصود اعظم چارپایہ ماکول لحم سے اکل ہے قطع نظر دیگر منافع عام سے چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورۃ انعام فرمایا ہے ۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ انتہی مافی سورۃ

اور جانور ماکول میں لحم لذیذ و مرغوب فیہ اور مشتہی خصی اور موجود کا ہوتا ہے ۔ اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کبش موجوئین کی قربانی کی عن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین الی آخرہ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی کذا فی المشکوٰۃ اور لحم ہنیں یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا بدبودار اور بدمزہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ ارباب طباع سلیمہ اور لطیفہ پر مخفی نہیں ۔ تو لحم ہنیں اور فحل غیر خصی کا جب مستلذات و مشتہیات سے نہ ہوا تو مستلذات سے خارج ہوا اور قسم ضد طیب میں داخل ہوا اور حال یہ کہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو مستلذات کھانے کا ارشاد فرمایا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اول سورۃ مائدہ میں فرمایا اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ۔ یعنی اس آیۃ کریمہ میں اللہ جل شانہ نے انہیں جانوروں کے اکل کا حکم ہے فرمایا کہ جن کے اکل کا حکم سورۃ انعام میں صادر ہوا ۔ بعد ازاں اسی سورۃ مائدہ میں پھر فرمایا يَسْئَلُوْنَكَ : یا محمد : مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ مِنَ الطَّعَامِ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ المستلذات ۔ جلالین ۔ پس اس آیۃ میں خدا تعالیٰ نے ہر قسم مطعومات و ماکولات مستلذات کے کھانے کا امر فرمایا اور شرح ان آیتوں کی تفسیر کبیر سے بخوبی لکھی جاتی ہے قولہ تعالیٰ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وھذا متصل بما تقدم من ذکر المطاعم والماکل المسئلة الثالثة العرب فی الجاھلیة کانوا یحرمون اشیاء من الطیبات کالبحیرة

والسائبة والوصيلة والحام فهم كانوا يحكمون بكونها طيبة الا انهم كانوا يحرمون اكلها بشبهات ضعيفة فذكر تعالى ان كلما يستطاب فهو حلال واكد هذه الاية بقوله قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ وبقوله وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ واعلم ان الطيب فی اللغة هو المستلذ والحلال الماذون فيه يسمى ايضا طيبا تشبيها بما هو مستلذ لانهما اجتمعا فی انتفاء المضرة فلا يمكن ان يكون المراد بالطيبات هٰهنا المحللات والا لصار تقديره الاية قل احل لكم المحللات ومعلوم ان هذا ركيك فوجب حمل الطيبات على المستلذات المشتهى فصار التقدير احل لكم ما يستلذ ويشتهى ثم اعلم ان العبرة فی الاستلذاذ والاستطابة باهل المروة والاخلاق الجميلة فان اهل البادية يستطيبون اكل جميع الحيوانات و يتاكد دلالة هذه الاية بقوله تعالى خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فهذا يقتضى التمكن من الانتفاع بكل ما فی الارض الا انه تعالى ادخل التخصيص فی ذلك العموم فقال وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ونص فی هذه الايات الكثيرة على اباحة المستلذات والطيبات فصار هذا اصلا وقانونا مرجوعا اليه فی ما يحل ويحرم الاطعمة انتهى ما فی التفسير الكبير بقدر الحاجة۔

اب دانشمندان شرع شریف غور فرماویں اس مقام میں کہ اصل غرض ومطلب تحریر آیات بینات مذکورہ بالا سے یہ کہ رب العباد نے اپنے بندگان مسلمین کو اذن واجازت کھانے پینے مستلذات کی فرمائی اور ہدایت کی زیادہ تر طعام خوردنی روزمرہ عرب وعجم کا گوشت اونٹ اور بقر وغنم کا دستور العمل رہا اور غنم اور بقر میں خاص کر گوشت خصی کا لذیذ اور کمال مرغوب ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل مذاق صافی طبع اس کو خوب جانتے ہیں اور گوشت تیس یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا نہایت بدبودار اور مکروہ ہوتا ہے کیونکہ تیس میں گونہ خبث پائی جاتی ہے[1]۔ کہ استیفائے منافع کما حقہ اسے حاصل نہیں ہوسکتا اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زکوٰۃ میں دینے سے منع فرمایا۔

ولا يخرج فی الصدقة المفروضة هرمة الكبيرة التى سقطت اسنانها ولا ذات عوار بفتح العين والف بعد الواو ای معيبة بما ترد به فی البيع ولا تيس وهو فحل الغنم او مخصوص بالمعز لقوله تعالى ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون كذا فی ارشاد السارى شرح صحيح البخارى للعلامة القسطلانى۔ غور کرو کہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے تیس کو افراد خبیث میں شمار کر کے مصداق آیت کریمہ مذکورہ کا ٹھیرایا اور عمدۃ القاری شرح

[1] کیونکہ کثرت شہوت کی وجہ سے اکثر آلۂ تناسل کو چوستا ہے: سعیدی)

شرح صحیح بخاری میں کہا وتیس وھو غیر مرغوب فیه لنتنه - انتہی - خبیث پلید ضد طیب و نتن بوے ناخوش : صراح - الخبث والخبیث مایکره رداءة وخساسة محسوساً کان او معقولاً واصله الردی الجاری مجری خبث الحدید واصل الطیب ما یستلذه الحواس وما یستلذه النفس و طعام مطیبٌ للنفس اذا طاب کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب خبث الحدید ریم آھن. مراح اور اگر بزعم فاسد مدعی ناہی غنم اور بقر میں دستور خصی او روجاء کرنے کا نہ ہوتا تو کوئی قسم مستلذات کی غنم و بقر میں نہ پائی جاتی حالانکہ شارع لطیف خبیر نے بندوں کو مستلذات کھانے کا حکم فرمایا اور جو کوئی خصی اور وجاء کرنے سے مانع ہو اور فاعل اس کے گنہ گار جانے وہ مخالف حکم الٰہی کا ہوگا بنا بر انکار دلالت نص قرآنی مذکورہ بالا کے اور بسبب خبث بد بوئے لحم تیس کے علمائے ماہران نصوص قرآنی کے نہی خصاء بہائم میں غیر ماکول لحم کے قائل اور مجوز ہوئے اور ماکول لحم کو نہی سے خارج کیا کہ خبث بد بوئے کی خصا اور وجاء کرنے سے زائل ہو اور طیب و مستلذ خالص ہو جاوے بحکم شارع عز و جل کے اور جو تمام نر غنم اور بقر تیس ہے اور فحل ہے بزعم زاعم زمانہ آنحضرت صلعم میں رہتے اور خصی او رموجوء نہ ہوتے تو زکوٰۃ دینے میں ممانعت خاصی کی کیوں ہوتی اس لیے کہ اگر تمام غنم و بقر غیر خصی ہوتے تو زکوٰۃ انہیں غیر خصی میں سے دیجاتی بنا بر اس کے کہ جس صفت کے جانور ہوں اسی صفت زکوٰۃ دیجاتی ہے شرعاً - مثلاً اگر سب جانور عیب دار ہوں تو زکوٰۃ لینے والا ہوے ایک جانور عیب دار اوسط درجہ کا چنانچہ تشریح اس کی شروح حدیث اور فتاویٰ مطولات ہر مذہب میں بوجہ بسط و تفصیل مذکورہ ہے کما لا یخفی علی الماہر المسائل الشرعیة اور عرف عام اور عادت معہودہ قدیم الایام سے جاری بھی ہے - بقدر اعداد ریوڑ غنم اور گلہ بقر کی تیس اور فحل غیر خصی بقصد احبال اور گابھہ کی دو چار رہتے ہیں - اور باقی سارے خصی اور موجوء ہوا کرتے ہیں اور بنا پر اسی اسم و رواج قدیم کے معمول تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ دو کبش موجوء خرید کر کے ہر سال قربانی کیا کرتے تھے ایک کبش موجوء[1] امت کیطرف سے اور ایک اپنی طرف اور آل اطہار کیطرف سے چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ابوہریرة سے روایت کی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا محمد بن یحییٰ

---

(۱) یعنی خصی کیا ہوا - سعیدی -

ثنا عبد الرزاق ابنا سفیان الثوری عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن عائشۃ و عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی اشتری کبشین اقرنین املحین موجوئین فذبح احدھما عن امتہ لمن شھد للہ بالتوحید وشھد لہ بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد صلعم رواہ ابن ماجۃ فی سننہ۔

پس حدیث ابن ماجہ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ عادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی ہر سال دو کبش موجو یعنی خصیہ سودہ و کوفتہ قربانی کیا کرتے تھے چنانچہ ترکیب کان اذا کی عادت معہودہ پر دال صریح ہوتی ہے۔ کان اذا اتی مریضا او اتی بہ قال اذھب الباس رب الناس الی آخرہ متفق علیہ عن عائشۃ رض کان اذا اتی باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجھہ الی آخر مارواہ ابوداؤد واحمد کان اذا اتی الفیئ قسمہ فی یومہ فاعطی الآھل حظین واعطی العزب حظا کمارواہ ابوداود وکان اذا اتی بطعام سال عنہ اھدیۃ ام صدقۃ الی آخر مارواہ الشیخان والنسائی عن ابی ھریرۃ کان اذا اضجعہ من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول باسمک اللھم احیی وباسمک اموت علی مارواہ مسلم واحمد والنسائی عن البراء والبخاری عن حذیفۃ کان اذا اراد ان ینام وھو جنب غسل فرجہ وتوضا للصلوۃ کمارواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی کان اذا اور نظائر ترکیب۔ کان اذا کے بہت چند نظیریں واسطے تنبیہ ناواقفوں کے لکھ دیں اور جو خصی اور غیر موجود کرنے کا دستور نہ ہوتا تو ہر سال آنحضرت صلعم موجو خرید کرکے کہاں سے قربانی کرتے فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ اور خصی کرنا بزعم زاعم مثلہ اور منہی عنہ ہوتا شرعا تو زمانہ نزول وحی میں منع ہوتا۔ جیسے سرور کائنات نے نماز جنازہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی پڑھی تو اس پر نہی وارد ہوئی ولا تصل علی احد منھم الآیۃ۔ اور خصا کرنے میں نہی وارد نہ ہوئی بلکہ اس کا رواج مستمر رہا۔ پس اس میں جواز خصا کی پائی گئی نہ انکار وقد استدل جابر وابو سعید الخدری علی جواز العزل بانھم کانوا یفعلون والقرآن ینزل ولو کان مما ینھی لنھی عنہ القرآن کما فی کتب الحدیث فثبت بالتعامل والرواج فی زمن النبی صلعم تقریر جواز الاختصار والوجاء قطعا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وما آتاکم الرسول فخذوہ وھو الآیۃ فبدلالۃ النص السابق وبھذا الوجہ الوجیہ قال العلماء الخصاء وھو نھی تحریم بلا خوف فی بنی آدم قال القرطبی الخصاء فی غیر بنی آدم ممنوع فی الحیوان الا لمنفعۃ حاصلۃ فی ذلک کتطییب اللحم او قطع ضرر عنہ وقال النووی یحرم خصاء الحیوان غیر الماکول مطلقا اما الماکول فیجوز فی صغرہ ویحرم فی کبرہ انتھی مافی فتح الباری شرح صحیح البخاری مختصرا بقدر الحاجۃ فان الاختصاء فی الآدمی حرام صغیرا کان او کبیرا قال البغوی وکذا یحرم خصاء کل حیوان لا یوکل اما الماکول فیجوز فی صغرہ ویحرم فی کبرہ کذا فی المرقاۃ واللمعات وابن

سان علی ان الذکر فی الضان والمعز افضل لکنه مقید بما اذا کان موجوءًا ای مرضوض الا نثیین ای مدقوقهما قال العلامة ابن عبد البر ومفهومه انه اذا لم یکن موجوءًا لایکون ویضحی بالجماء والخصی کذا فی الدر المختار قوله والخصی وعن الامام انه اولی لان لحمه اطیب وقد صح انه علیه الصلوٰۃ والسلام ضحی بکبشین املحین موجوئین کذا فی الطحطاوی والشامی والخصی لان لحمها اطیب وقد صح ان النبی صلی اللہ علیه وسلم ضحی بکبشین املحین موجوئین انتہٰی ما فی الهدایه -

اور جو چند اشخاص سلف سے تفسیر آیت کریمہ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ میں خصار مروی ہے سو مرفوع نہیں اور غیر مرفوع حجت نہیں ہے - عند المحدثین کما لا یخفی علی الماھر باصول الحدیث والفقه - پس اگر خصار مثلہ ہوتا تو رسول خدا صلعم اس پر نہی اور ممانعت فرماتے اور حدیث ابن ماجہ سے کبش موجور کا قربانی کرنا مرفوعًا ثابت ہوا اور جب موجو مرغوب اور مطبوع ہوا تو اصل فعل خصار اور وجار بطریق اولیٰ مرغوب اور مطبوع ہوگا - کیونکہ حسنیۃ و مشروعیت و محمودیت مشتق کی اوپر جواز اور مشروعیت و محمودیت مشتق منہ کے موقوف ہے مثلاً واصل رحم محمود ہے باعتبار صلہ رحمی کے کما لایخفی علی المتامل الذکی - امام محی السنہ بغوی نے معالم میں تفسیر فلیغیرن خلق اللہ کے عکس اشخاص سابقین کے نقل کی ہے قال ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة وسعید بن المسیب والضحاک یعنی دین اللہ نظیرہ لا تبدیل لخلق اللہ ای دین اللہ بتحلیل الحرام وتحریم الحلال انتہٰی ما فی المعالم مختصرًا - اہل فطانت اور دیانت پر واضح ہو کہ ہرگاہ نہی خصار بہائم ساتھ جانور غیر ماکول لحم کے مختص اور متعین ہوئی عند العلماء المحققین اور اباحت خصار و وجاء کی بقصد نفع اعظم تطییب لحم و ازالہ خبث بدبوئی پائی گئی چنانچہ تشریح و تفصیل اس کی بوجہ احسن سابق مذکور ہوچکی پس اس صورت میں خصا و وجاہ کرنے والیکو منسوب بفسق و معصیت کرنا اور محل استعجاب ہے شرعًا بلکہ بغور قواعد شرعی قائل اس کا خود مخالف شرع اور مورد ملامت متصور ہوتا ہے - یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم الآیة ما علینا الا البلاغ فاعتبروا یا اولی الابصار حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

زشرف سید کونین شد شریف حسین - ما احسن هذا الجواب القرین بالصدق والصواب ویوافقه ما اخرجه عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وغیرهم ان ابا التیاح سال الحسن البصری عن اختصاء الغنم فقال لا بأس به واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربه القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبه الجلی والخفی - (ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی)

جواب صحیح است ورائے نجیح در ینکہ نہی خصار بہائم مخصوص بغیر ماکول لحم است چنانکہ

رائے صاحب محی السنہ بغوی و علامہ قرطبی و علامہ نووی و شیخ ابن حجر عسقلانی وغیرہ است و مؤید و شاہد ابن ماجہ در مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ است۔ حدثنا اسحٰق بن یوسف ثنا سفیان عن عبد اللہ بن عقیل بن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ ان عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر نحوہ۔ و نیز در مسند احمد مذکور است حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ وعائشۃ وبھذا السند رواہ الحاکم فی المستدرک وروی البیہقی ایضاً من طریق سفیان عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل و نیز در مسند احمد و اسحاق بن راہویہ و معجم طبرانی مذکور است عن شریک عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن علی بن حسین عن ابی رافع قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین موجوئین خصیین و در مسند ابن ابی شیبۃ ثنا عفان حدثنا حماد بن سلمۃ انبا محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عبد الرحمٰن بن جابر بن عبد اللہ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اُتی بکبشین املحین عظیمین اقرنین موجوئین فاضجع احدھما وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللھم عن محمد وآل محمد ثم اضجع الآخر الحدیث وکذالک رواہ اسحاق بن راہویہ وابو یعلی الموصلی فی مسندیھما و حافظ ابن حجر عسقلانی در تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر گفتہ حدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین موجوئین احمد۔ ابن ماجۃ۔ والبیہقی والحاکم من حدیث عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن عائشۃ او ابی ہریرۃ ھذہ الروایۃ الثوری ورواہ زہیر بن محمد عن ابی رافع اخرجہ الحاکم ورواہ حماد بن سلمۃ عن ابن عقیل عن عبد الرحمٰن بن جابر عن ابیہ ولہ شاہد من حدیث ابی عیاش عن جابر رواہ ابوداؤد والبیہقی ورواہ احمد والطبرانی من حدیث ابی الدرداء قال ضحی رسول اللہ صلعم بکبشین جذعین موجوئین رواہ احمد فی مسند والطبرانی۔

پس از روایت ابن ماجۃ وغیرہ ہویدا گردید کہ مرغوب خاطر عاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در قربانی گوسپند موجوء وخصی بود لہذا وقت ارادہ قربانی گوسپند موجوء وخصی بود وخصی خرید فرمودہ قربانی می کردند و رغبت بسوئے شئ نمی باشد مگر بعد وجدان شئ۔ پس اگر دستور و رواج خصی کردن و جائز نمودن نبودے چگونہ رغبت بآن شئ شدے و اگر نہی عنہ بودے نہی ازاں می فرمودند بحکم رسالت چنانکہ عادت شریف آنحضرت صلعم بود کہ وقتیکہ چیزے منہی عنہ میشد غصہ و ناخوش بودہ بر سبیل عموم ارشاد می فرمودند کہ ما بال الناس یفعلون کذا و کذا و چوں دو بز موجوء وخصی بر فاعلش نہی و زجر نہ فرمودند پس در چیز اباحت بلا ریب داخل شد قطع نظر از سنت و مستحب بودن و سکوت و تقریر بران مستلزم جواز اباحت لامحالہ خواہد بود کما لایخفی علی الماہر بالشریعۃ المحمدیۃ علی صاحبھا الف صلوٰۃ و تحیۃ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

۱۲۸۱ سید محمد نذیر حسین

اجاد المجیب فیما افادو للہ درہ کما فیما افاد وقد ثبت ان النبی صلعم ضحیٰ بالموجوء ولو ثبت النہی منہ صلعم فیہ فھو تقریر منہ صلعم ولو کان ھذا منھیا عنہ لکان فی سکوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا وارتکابہ بنفسہ بتصحیۃ فتح الباب وھو لا یلیق بعظیم شانہ صلی اللہ علیہ وسلم وایضا فیہ تطییب لارزاق الناس ومنافع لھم واستلذا ذلھم واصلاح البھائم فکیف یکون باطلا منھیا عنہ فقط۔ حررہ العبد الذلیل محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ۔ محمد اسمٰعیل علیگڑھ اصاب من اجاب محمد لطف اللہ علیگڑھ محمد اسد علی اسلام آبادی۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۲

سوال:۔ دعوے قربانی گاؤ کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کتاب مذکور میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں ہے۔ مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے کہ دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے۔ فقط چونکہ یہ بیان ان کا متعلق قرآن شریف مسائل مذہب کے ہے لہٰذا علماء کی خدمت میں استفتا ہے کہ یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیان ہنود سراسر غلط ہے ہم مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ارشادات سے قربانی گائے کی اجازت بخوبی ثابت ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے سترہویں پارے بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ترجمہ:" اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے تو اللہ کا نام لو ان پر کھڑے ہوئے۔ پھر جب گر جائیں گردنیں ان کی تو خود کھاؤ اُن میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے اور مانگنے والے کو یوں ہی تمہارے بس میں کر دیا ہے ہم نے ان جانوروں کو تاکہ احسان مانو؛ قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہیں تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی آئی ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی۔ اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار چھاپی یعنی اس کی جلد دوم طبع ششم سطر اخیر صفحہ ۷۹ وسطر اول صفحہ ۸۰ میں آیت کے

ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا وَالْبُدْنَ اور اونٹ گائے جو قربانی کے واسطے ہانکے لئے جاتے ہیں۔ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ۔ کر دیا ہم انہیں یعنی ان کے ذبح کو تمہارے واسطے مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ دین الٰہی کے نشانوں میں سے اور بیشک ہم حنفی مذہب والوں کے تینوں امام یعنی ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے سب پیروؤں کا یہی مذہب ہے کہ۔ بُدْنَہ۔ یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں انہیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری ہے اور یہاں انہیں کے مذہب پر فتویٰ وعمل ہوتا ہے۔ ہدایہ۔ دُر مختار۔ قاضی خان۔ عالمگیری وغیر مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں۔ در مختار مطبع ہاشمی جلد ۲ صفحہ ۵۸۲ سطر ۱ میں ہے بُدْنَۃٌ هِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ سُمِّيَتْ بِهٖ لِضَخَامَتِهَا۔ ترجمہ بدنہ۔ اونٹ اور گائے ہے ان کے ڈیل دار ہونیکے سبب ان کا یہ نام ہوا۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد اول صفحہ ۲۳۷ میں ہے والبدن من الابل والبقر الخ وفیہ ایضا ان البدنۃ تنبئی عن البدانۃ وھی الضخامۃ انتہی مختصراً۔ ترجمہ۔ اور بُدن اونٹ اور گائے ہے الخ تحقیق بدنۃ بدانت سے خبر دیتا ہے اور وہ فخامت ہے۔ یعنی ڈیل دار ہونا ہے فتاویٰ عالمگیری مطبع احمدی جلد اول صفحہ ۹۲ میں ہے۔ البدنۃ من الابل والبقر۔ ترجمہ بدن اونٹ اور گائے دونوں سے ہے اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عنقریب مذکور ہوگا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اسی رکوع کے شروع میں فرماتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ ترجمہ۔ اور ہر گروہ کیلئے ہم نے مقرر کر دی قربانی کہ اللہ کا نام لیں۔ چوپاؤں کے ذبح پر جو اللہ انہیں دیئے یہاں فرمایا کہ چوپاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قربانی کیلئے بنایا ہے اور آٹھویں پارہ چھٹی سورہ سورہ انعام کے سترھویں رکوع میں چوپاؤں کی تفصیل یہ بیان فرمائی ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (الی قولہ تعالیٰ) وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ۔ ترجمہ چوپائے آٹھ نر و مادہ ہیں۔ بھیڑ سے دو۔ اور بکری سے دو۔ اور اونٹ سے دو۔ اور گائے سے دو۔ تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا دونوں مادہ نے: ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ گائے بکری بھیڑ سب کی قربانی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اس لئے تفسیر مذکور فرمائیتی نولکشور کی جلد مستور صفحہ ۳۰ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپاؤں پر اللہ کا نام لینے کے

تفسیر میں لکھا ہے زبان چارپاؤں میں سے یعنی اونٹ ۔ گائے بکرا اس سے قربانی مراد ہے کہ خدا کے نام پر ذبح کریں اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے ۔ بیل ۔ بچھیا ۔ بچھڑا سب کا کھانا حلال ہے ۔ جسکی حلت خود قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے ،، اللہ تعالیٰ پہلے پارے دوسری سورۃ سورۃ بقر کے آٹھویں رکوع میں فرمایا ہے ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۔
ترجمہ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو اور ساتویں پارے چھٹی سورۃ سورۃ انعام کے دسویں رکوع میں موسیٰ وہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کر کے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔
ترجمہ : یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ٹھیک راستہ پر چلایا تو تو انہیں کی راہ چل اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جب تک ہماری شریعت اسے منسوخ نہ فرمادے تو گائے کی قربانی کرنے کی اجازت یوں بھی ہمیں ثابت ہوئی ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ کئی شریعتوں سے چلا آتا ہے تفسیر مذکور فرمایشی نولکشور جلد اول کے صفحہ ۱۷ سطر اخیر و صفحہ ۱۸ سطر اول میں اس حکم الٰہی ذبح گاؤ کی حکمت یوں لکھی ۔ اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا کہ گوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو انہیں دکھا دیا کہ جسے تم پوجا وہ ذبح کرنے کے قابل ہیں عبادت اور مدح کے لائق نہیں (۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں اگر گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی ۔ قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انہیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے اللہ فرماتا ہے ،، مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ ترجمہ جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لو اور جس سے روکے اس سے بچو ۔ اور فرماتا ہے ۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
ترجمہ ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور فرماتا ہے ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ ترجمہ : یہ نبی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ تو صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گائے قربانی کی اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں سب سے زیادہ مشہور و مستند ہیں جنہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ بالبقرۃ۔ ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترک فی الابل والبقرۃ کل سبعۃ منا فی بدنۃ۔ ترجمہ۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔ صحیح مسلم شریف میں انہیں سے روایت ہے۔ اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ منا فی بدنۃ فقال رجل لجابر ایشترک فی البدنۃ ما یشترک فی الجزور قال ما ھی الا من البدن وحضر جابر الحدیبیۃ قال نحرنا یومئذ سبعین بدنۃ اشترکنا کل سبعۃ فی بدنۃ اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحضر الاضحی فذبحنا البقرۃ عن سبعۃ۔ ترجمہ۔ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ بقر عید آئی تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی سبحان اللہ جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور ہمیں اس کا حکم دیا اسے مذہب اسلام کے خلاف جاننا یا مذہب اسلام میں اس کی اجازت و ہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) ان بیان میں ایک بڑی ناانصافی یہ ہے کہ ہمارے تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا۔ جو ہم روشن طور پر ادا کر چکے اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا وید کا نام کیوں نہ لیا جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں اگر سچے ہیں تو اب اپنے وید سے گائے کی قربانی کی ممانعت ثابت کریں اور شاستر کو بنائے مذہب رکھتے ہیں تو ہماری بھی کتب فقہ کو بنائے مذہب جانیں۔ ہدایہ۔ درمختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا ہزار دو ہزار جس قدر کتابیں چاہیں دیکھ لیں جن میں قربانی کا باب مذکور ہے ان سب میں قربانی گائے نہایت صریح طور پر مسطور ہے تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے (۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کر دیا کہ مورتی پوجن اور رتھوں کے آگے گھنٹا بجانا سنکھ پھونکنا مہادیوں پر پانی ٹپکانا ہولی دوالی وغیرہ وغیرہ

صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی اپنی مذہبی ٹھیرا رکھی ہیں جن کا ذکر اُن کے وید میں کہیں نہیں سب ان کے خلاف مذہب ہیں کہ میں کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے اس کا پتہ نہیں دیتے پچھلے ہنود نے محض براہ حیلہ انہیں مذہبی بنا رکھا ہے۔

(۷) سب سے زائد یہ ہے کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے خود صاف صاف قربانی گائے کی اجازت دے رہا ہے اخبار پائنیر صفحہ ۷ کالم ۲ مطبوعہ ۱۱/ اپریل ۱۸۹۳ء میں ایک مضمون چھپا ہے کہ ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی۔ اس میں وید سے نقل کیا ہے اے اگنی یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں اور تمنا ہے کہ یہ سانڈ اور گنیاں تجھے پسند آویں رگ وید ۱۶۱۶۔ ۷ہم میں نہ دل سے سونا کا عرق پینے والی اگنی خالق کی جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل گنیاں اور منت کے مینڈھے چڑھائے جاتے ہیں۔ ستائش کروں گا۔ رگ وید ۱۰۔۹۱۔۱۴ اسی اخبار میں برہنہ پران اور ستیارتھ پرکاش اور ترتیا برہن جلد ۲ باب ۸ اور منو کی سامہر تھی ۱۵ الم وغیرہا کتب مذہب ہنود سے ہندؤں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت ہے۔ اسی طرح یہ امر مہارت وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔ فیصلہ ہائیکوٹ مقدمہ قربانی ۱۸۸۷ء میں تاریخ ہنود زمانہ پیش سے حکام ہائیکوٹ نے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنے دینی رسوم میں گئو میدہ یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے اور متقدمین حکمائے نے اس کی تاکید کی تھی تو ثابت ہوا کہ ہندو اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گائے کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں یہ مزاحمت بیجا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جن کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح انہیں اختیار نہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم جواب بہت درست ہے۔ عنایت الٰہی عفا اللہ عنہ۔ جواب صحیح ہے۔ محمد منفعت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ [محمد منفعت علی] جواب صحیح حق ہے خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند فی الواقع قربانی گائے کی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ محمد اشرف علی عفی عنہ۔

از گروہ اولیا
اشرف علی

اصاب من اجاب ابوالحسن بندہ محمد امین الدین عفی عنہ | لاشک فیہ۔ محمد امین است |

الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ۔ قربانی گائے کی قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جواب مجیب حق صریح ہے اور بیان ہنود غلط فقط۔ واللہ اعلم بالصواب العبد عزیز الرحمن دیوبندی عفی عنہ | و توکل علی العزیز الرحیم | یہ جواب قرآن وحدیث کے سراسر مطابق اور مذہب اہل اسلام کے بلا تامل موافق ہے فقط۔ العبد محمود حسن عفی عنہ دیوبندی | محمود حسن |

یہ بیانات اصول اسلام یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف اور کتب فقہ کے موافق ہیں کوئی مبالغہ یا خلاف کتاب بات نہیں فقط حررہ محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی | محمد ناظر حسن |

بیان ہنود محض غلط اور سراسر کذب ہے۔ قرآن مجید۔ واحادیث سے بلاشبہ گائے کی قربانی ثابت ہے۔ فقط حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ ۱۲۸۱ | محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۵۶م ۵۷م

سوال: گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی کے شریک ہونے کا حکم خاص ہدی میں ثابت ہے یا قربانی بھی ثابت ہے بیلوا توجروا۔

جواب: قربانی میں بھی ثابت ہے سبل السلام جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ میں ہے یندب بلبس احسن الثیاب والتطیب باجود الاطیاب فی یوم العید ویزید فی الاضحی الضحیۃ باسمن مایجد لما اخرجہ الحاکم من حدیث الحسن السبط قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العیدین ان نلبس اجود ما نجد وان نتطیب باجود ما نجد وان نضحی باسمن ما نجد البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن عشرۃ وان نظہر التکبیر والسکینۃ والوقار وقال الحاکم بعد اخراجہ من طریق اسحق ہذا لولا جہالۃ اسحق لحکمت للحدیث بالصحۃ قلت ولیس مجہول فقد ضعفہ الازدی ووثقہ ابن حبان ذکرہ فی التلخیص انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔ | سید محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۱۲م

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ کھال قربانی کی قیمت سے مسجد کی مرمت کرانی یا فرش بنوانا درست ہے یا نہیں اور زیادہ تر والنسب کیا ہے مسکین کو دیدینے میں یا مسجد کی مرمت اور فرش کے بنوانے میں یا مدرسہ اسلامیہ میں داخل کر دیتے میں ×

جواب: کھال قربانی کے مصرف ومستحق فقراء اور مساکین ہیں بلوغ المرام میں ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومہا

ونجودھا وجلالھا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتہامنھا شیئا متفق علیہ قال فی سبل السلام الحدیث علی انہ یتصدق بالجلود و الجلال الی قولہ وحکمھا لاضحیۃ حکم الھدی فی انہ لا یباع لحمہا ولا جلدھا وانہ لا یعطی الجزار منھا شیئا اجرۃ انتہی واللہ اعلم بالصواب حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۴۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں لانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں ہرگز نہیں لانا چاہیے یہ حق فقراء و مساکین کا ہے بلکہ اس میں سے قصاب کو اُجرت بھی نہیں دینا چاہیے واللہ اعلم بالصواب حررہ سید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ کھال قربانی کی قیمت اپنے مصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص قربانی کی کھال کو فروخت کریگا (یعنی اپنے مصرف میں لانیکے لئے) تو اس شخص کی قربانی ہی نہیں درایہ تخریج ہدایہ میں ہے حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ الحاکم والبیہقی من حدیث ابی ھریرۃ ؓ بھذا اوردہ الحاکم فی تفسیر سورۃ الحج درایہ کے حاشیہ میں ہے ۔ای صححہ الحاکم وصححہ لکن فیہ عبداللہ بن عیاش قال الذھبی فی مختصرہ ضعفہ ابوداود انتہی ہاں قربانی کی کھال کو بغیر فروخت کے اپنے مصرف میں لانا ہر طرح درست و جائز ہے مثلاً اس کا بستر ابنانا اور مشک اور ڈول بنوانا اور اپنے مصرف میں لانا بلاشبہ درست ہے منتقی میں ہے۔عن ابی سعید ان قتادۃ بن النعمان اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال انی کنت امرتکم الحدیث وفیہ واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا الخ رواہ احمد قال الشوکانی قال فی مجمع الزوائد انہ مرسل صحیح الاسناد انتہی۔ کتبہٗ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفاہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۴۲۳ ۴۲۲

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے جو وارث لوگ قربانی بقرعید میں دیتے ہیں۔ اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور میت کے وارثوں کو کھانا بموجب شرع شریف کے درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن مبارک کا فتویٰ لکھا ہے کہ اگر میت کی طرف سے قربانی کی جاوے تو قربانی کرنیوالا اس میں سے کچھ نہ کھائے بلکہ کل گوشت کو صدقہ کردے ۔ واللہ اعلم

بالصواب المجیب سید عبد الوہاب عفی عنہ - میرے نزدیک میت کی طرف جو قربانی کی جائے اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی والے کو کھانا درست ہے نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور آپ کی امت میں بعض لوگ مر بھی گئے تھے لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کا گوشت خود نہیں کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات کے صدقہ کردیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علی کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کردینا ہرگز ثابت نہیں رہا فتویٰ عبد اللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے اور ان کی اس رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۵۰ میں اس کی بحث تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ من شاء الاطلاع علیہ فیراجع الیہ واللہ اعلم کتبہ عبد الرحمن مبارکفوری عفا اللہ عنہ × فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۴ -

سوال ۱:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس میں کہ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اور برس روز کا یا زیادہ کا ہوگا تو قربانی وعقیقہ اس بچہ کا درست ہے یا نہیں +

جواب ۱:- ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ مشابہ ہرن کے ہے تو اس کی قربانی وعقیقہ ناجائز ہے اور اگر وہ مشابہ ہرن کے نہ ہو تو اس کی قربانی وعقیقہ جائز ہے لیکن دو برس سے کم کا نہیں ہونا چاہیے۔ ولا یجزی دون الثنی من المعز وهو ما استکمل سنتین وطعن فی الثالثۃ کذا فی الروضۃ الندیۃ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۲)

ہوالموفق واضح کہ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ بکری ہے تو قربانی درست ہے اور اگر بکری نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وقیل اذا نزا ظبی علی شاۃ اھلیۃ فان ولدت شاۃ تجوز التضحیۃ وان کانت ظبیا لا تجوز انتہی ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ یہی قول حق معلوم ہوتا ہے کیونکہ بکری قربانی کا حکم ہے اور ہرن کی قربانی جائز نہیں اور اگر ایسا بچہ پیدا ہوا کہ نہ اس کو بکری کہہ سکتے ہیں اور نہ ہرن تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ + فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۳

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز و درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: واضح ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز و درست ہے۔ یدل علیہ ما روی عن عائشۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطأ فی سواد ویبرک فی سواد وینظر فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ قال لہا یا عائشۃ ھلمی المدیۃ ثم قال اشحذیہا بحجر ففعلت ثم اخذہا واخذ الکبش فاضجعہ ثم ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللہم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد ثم ضحی بہ رواہ مسلم وفی المشکوٰۃ وفی روایۃ لاحمد وابی داؤد والترمذی ذبح بیدہ وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللہم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی انتہی اور ظاہر امت کا لفظ شامل ہے حی و میت دونوں کو کما قال صاحب رد المختار وسیاتی قولہ فانتظر ÷ اور نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے حسب وصیت آنحضرت صلعم کے کذا فی المشکوٰۃ عن حنش قال رأیت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رواہ ابو داؤد وروی الترمذی نحوہ انتہی۔ اور لفظ ترمذی کا یہ ہے۔ عن حنش عن علی انہ کان یضحی بکبشین احدہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والآخر عن نفسہ فقیل لہ امرنی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادعہ ابدا انتہی وقال فی الہدایۃ واذا اشتری سبعۃ بقرۃ لیضحوا بہا فمات احدہم قبل النحر وقالت الورثۃ اذبحوہا عنہ وعنکم اجزاہم وان کان شریک الستۃ نصرانیا او رجلا یرید اللحم لم یجز عن احد منہم ووجہہ ان البقرۃ تجوز عن سبعۃ لکن من شرطہ ان یکون قصد الکل القربۃ وان اختلف جہاتہا کالاضحیۃ والقران والمتعۃ عندنا لاتحاد المقصود وہو القربۃ وقد وجد ھذا الشرط فی الوجہ الاول لان التضحیۃ عن الغیر عرفت قربۃ الا تری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی عن امتہ علی ما روینا من قبل ولم یوجد فی الوجہ الثانی لان النصرانی لیس من اہلہا وکذا فی قصد اللحم ینافیہا واذا لم یقع البعض قربۃ والاراقۃ لا تتجزی فی حق القربۃ لم یقع الکل ایضا فامتنع الجواز وھذا الذی ذکرہ استحسان والقیاس ان لا یجوز وہو روایۃ عن ابی یوسف لانہ تبرع بالاتلاف فلا یجوز عن غیرہ۔ لان فیہ الزام الولاء علی المیت۔ انتہی۔ وقال فی الدر المختار وان مات احد السبعۃ المشترکین فی البدنۃ وقال الورثۃ اذبحوا عنہ وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القربۃ من الکل انتہی۔ وقال ابن العابدین تحت ھذا القول ھذا وجہ الاستحسان قال فی البدائع لان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ ویحج عنہ وقد صح ان رسول اللہ صلعم ضحی بکبشین احدہما عن نفسہ والآخر عن لم یذبح من امتہ وان کان منہم قد مات قبل ان یذبح انتہی ثم قال در فروع من

من فیحتی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسہ من لتصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح انتہیٰ وفی الفتاویٰ عالمگیری

یہ احادیث مذکورۃ اور روایات فقہیہ جواز قربانی از طرف میت پر صاف دلالت کرتی ہیں کما لا یخفیٰ علی من

لہٗ ادنیٰ درایۃ فی الفقہ والروایات واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ ام الکتاب فقط ۲ المجیب العبد المجیب الراجی فضل رب

الثقلین ابوالخیر محمد انور حسین بن السید محمد عنایت حسین المہوی المونگیری صانہا اللہ تعالیٰ عن موبقات الدارین۔

سید محمد نذیر حسین — فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۵

حضرت مولٰنا عبد الجبار کھنڈیلوی ؒ

قربانی کی کھالوں کا مصرف

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اندریں مسئلہ کہ چرم قربانی کا مصرف کون لوگ ہیں۔ اور زمانہ نبوت میں چرم قربانی کن کو دیا جاتا تھے۔

جواب: بعد حمد وصلوٰۃ کے صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو کہ چرم قربانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقراء ومساکین پر صدقہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک روایت منتقی وغیرہ میں ہے المساکین یعنی صحابہ رضؓ کہتے ہیں کہ ہم چرم قربانی مساکین پر صدقہ کیا کرتے تھے اور بخاری شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو حکم دیا کہ جلود قربانی کو تقسیم کردو یعنی صدقہ کردو بخاری شریف صفحہ ۲۳۲ جلد ۱ اور مساکین وفقراء مقامی زیادہ مستحق ہیں ہاں طلبہ مدرسہ جو فقراء ومساکین ہیں وہ بھی چرم قربانی کے مستحق ہیں لیکن کسی ادارہ خاص کو قربانیوں کی کھالیں وچرم دے دینا اور فقراء ومساکین مقامی کو محروم کرنا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے۔ اور پھر جو ادارہ خاص اس چرم قربانی کو لیتا ہے وہ اس کے مصرف شرعی پر خرچ بھی نہیں کرتا بلکہ مدرسہ میں جو ملازمین ومدرسین ہیں ان پر چرم قربانی کی قیمت جو صرف کی جاتی ہے وہ صدقہ نہیں ہے بلکہ ان کی محنت کا عوض حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت قصاب میں گوشت قربانی کا دینا بھی منع فرمایا ہے تو پھر چرم قربانی جو صدقہ برائے مساکین وفقراء ہے اس کو کسی عمل کے عوض میں ملازمین مدرسہ کو دیا جائے یہ اس کا مصرف شرعی نہیں ہے پس مسلمانوں کو چرم قربانی دینے میں مصرف شرعی

کا خیال کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی ادارہ مدرسہ چرم کو طلبہ فقراء پر خرچ کرے تو اس صورت میں ادارہ کو دے سکتے ہیں بشرطیکہ مقامی فقراء و مساکین کو مقدم رکھا جائے واللہ اعلم بالصواب و عنده علم الکتاب۔ حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اخبار الاعتصام لاہور جلد ۶ ش ۱۱

حضرۃ العلام مولانا محمد علی لکھوی (مدینہ منورہ)

قربانی کی کھال کا صحیح مصرف اہل حدیث کے نقطہ نظر سے

اخبار "الاعتصام" لاہور مورخہ ۱۰ صفر ۱۳۷۴ھ میں قربانی کی کھال کے مصرف پر ایک سوال کا جواب نظر سے گزرا جو مسلک اہلحدیث کے مخالف ہونے کے علاوہ ناقص اور تقریب میں غیر تام بھی ہے کیونکہ مصرف کا ایک ہی حصہ بیان کیا گیا ہے یعنی صدقہ کرنا اور مصرف کے دوسرے حصہ سے واللہ اعلم کیوں بالکل خاموشی اختیار کی گئی ہے، حالانکہ دوسرا حصہ مصرف کا عہد نبویؐ میں زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ تھا جو بقول خود صحابہ رضؓ حدیث صحیح میں ہے:- ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودک (بخاری و مسلم مختصراً) ـــ یعنی صحابہؓ قربانی کی کھال سے مشکیزے بنا کر استعمال کر لیتے تھے اور اُن میں چربی پگھلا کر رکھتے تھے۔۔۔ اور دوسری قولی حدیث میں ہے:- واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا۔ (امام احمدؒ)۔۔۔ یعنی قربانی کی کھال سے (اپنی ضروریات میں) فائدہ اُٹھا لیا کرو۔ بیچو مت۔

پھر اس ناقص جواب کی ایک سند کا منتقیؒ وغیرہ کا بلا پتہ حوالہ دیا ہے جو کہ اس میں نہیں مل سکتا اور دوسری سند بخاری کی جو کہ ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ تقریب تام ہے نہ جواب باصواب۔ یہ جملہ بھی (کہ "یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے") غلط ہوا جبکہ بخاری، مسلم اور امام احمد کی روایات سے ثابت ہوا کہ کھال سے مشکیزے بنا لیتے تھے۔ صدقہ نہیں کرتے تھے تو کیا صحابہ کرام رضؓ بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔ ولیتذکروا اولوا الالباب۔

پھر کسی ادارہ خاص کو کھال دے دینے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ "یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا" ـــ یہ جملہ بھی صحیح نہیں جبکہ خود جواب میں حضرت علی رضؓ کا ثبوت ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتمم کو بھی وکیل بنا دیا

جاتا ہے نہ یہ کہ اس کی ذات کے لئے کھال دی جاتی ہے... لہٰذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں ثابت ہوا اور اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔

آخر میں دینیات کے مدارس میں مدرسین اور خدام پر خرچ کرنے پر نزلہ گرایا گیا ہے کہ یہ مصرف شرعی نہیں" بعینہٖ زکوٰۃ میں برادران احناف کرام کا مسلک ہے اور برادران اہلحدیث کرام اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ہر دو جماعتوں کے درمیان متنازعہ فیہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ اوّل الذکر اس کو خاص بحق غازیانِ اسلام مقید کرتے ہیں اور مؤخر الذکر اس کو عام تمام خیراتی کاموں پر شامل گردانتے ہیں۔ احناف کرام واقعہ کو قاعدہ کلیہ کا حکم دیتے ہیں، جیسے جواب میں حکم دیا گیا ہے مگر اہلحدیث کرام نے اس کو عام کہا ہے، جیسا کہ کتاب و سنۃ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتاب اللہ میں ساٹھ سے زائد آیات میں فی سبیل اللہ کا استعمال اپنے عام معنوں میں اس طرح مستعمل ہے کہ وہاں غازیوں کے لئے ہونا محال ہے، اگرچہ بعض جگہ غازی کے لئے بھی ہے الحاصل یہ کہ گویا قرآن کی اصطلاح میں یہ لفظ عام ہی ہے کتاب اللہ کے بعد سنۃ کو دیکھیں تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ "فی سبیل اللہ" کا لفظ عام مطلق ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے بارہ میں سوال کے جواب میں روایت ہے ــــ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الحج من سبیل اللہ (ابوداود مختصراً) اور الحجۃ والعمرۃ فی سبیل اللہ۔ (امام احمد مختصراً) یعنی حج اور عمرہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس لئے حج کو جانے والے پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے (تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر جامع البیان وغیرہ) وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون و عمارۃ المساجد وغیر ذالک والاول اولی للجوع الجمہور علیہ۔

یعنی لفظ فی سبیل اللہ عام ہے۔ کسی خاص قسم (مثلاً فقراء) کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام خیر کے کام اس میں داخل ہیں مثلاً مردوں کے لئے کفن دینا۔ پلیں اور قلعے اور مساجد کی تعمیر کرنا (حاشیہ جامع البیان) اگرچہ محشی نے اس کو صیغہ تضعیف سے بیان کیا ہے مگر مذکورہ بالا احادیث بحوالہ ابوداؤد اور امام احمد اور اصطلاح کتاب اللہ سے یہ تضعیف خود بذاتہ ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان تصنیف امام اہلحدیث نواب سید صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے اور جمیع وجوہ الخیر پر شامل اور حاوی ہے۔

الحاصل جبکہ فرضی صدقات (زکوٰۃ) میں علماء محققین مخلصین سلفی اہلحدیث کا یہ مسلک عام ہے تو نفلی

صدقات قربانی کی کھال وغیرہ میں بطریق اولیٰ واخریٰ مسلک عام ہے، ایک ہی نوع کی تخصیص کی کوئی دلیل نہ فرضی صدقات میں، نہ نفلی میں ہرگز موجود نہیں۔ فرضی یا نفلی صدقات میں تخصیص کرنا مقلدین کا مسلک ہو تو ہو، محققین اہلحدیث کا یہ مسلک ہرگز نہیں ﴿

(حررہ محمد علی محی الدین لکھوی علوی مدرس بالمسجد النبوی علیٰ صاحبہ الف الف الصلوٰۃ والتسلیمات)

مورخہ ۳۰/ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ اخبار الاعتصام جلد ۶ ش ۲۵ ـ

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی

قربانی کی کھالوں کا مصرف

اخبار "الاعتصام" لاہور (مورخہ ۲۶/جمادی الاول ۱۳۷۴ھ ۲۰/جنوری ۱۹۵۵ء) میں بعنوان "قربانی کی کھال کا مصرف اہل حدیث کے نقطہ نظر سے مولانا محمد علی لکھنوی مدینہ منورہ کا مقالہ شائع ہوا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے جس فتویٰ پر مولانا نے تنقید فرمائی ہے اس کو انہوں نے غور سے نہیں پڑھا بلکہ اپنی خوش فہمی سے اس کو مسلک اہلحدیث کے مخالف اور تقریب غیر تام کا فتویٰ لگا دیا ہے خیال ہے کہ کوئی ذی علم، منصف مزاج ہر دو مضمون پر دیکھے گا تو مولانا موصوف کے مضمون کو مسلک اہلحدیث کے خلاف اور تقریب غیر تام پائے گا۔ اس لئے ہم مولانا موصوف کے مضمون پر تنقیدی نظر ضروری سمجھتے ہیں

آپ فرماتے ہیں، مصرف کا ایک ہی حصہ بیان کیا گیا یعنی صدقہ کرنا اور مصرف کے دوسرے حصہ سے واللہ اعلم ہوں بالکل خاموشی اختیار کی گئی۔ حالانکہ دوسرا حصہ مصرف کا عہد نبویؐ میں زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معمول بہ تھا جو بقول خود صحابہؓ حدیث صحیح میں ہے؛

ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودک ـ (بخاری مسلم مختصراً)

نے صحابہؓ قربانی کی کھال سے مشکیزے بنا کر استعمال کرتے تھے اور ان میں چربی پگھلا کر رکھتے تھے ـ

اور دوسری قولی حدیث میں ہے: واستمتعوا اجلودھا ولا تبیعوھا ـ (الحدیث امام احمد)

اس کو جواب چند وجوہ ہے :-

اولاً عرض ہے کہ جواب مطابق سوال کے تھا۔ مصرف تمام صورتیں بیان کرنا مفتی کا مقصود نہ تھا لہٰذا مصرف بعض صورت کا ذکر نہ کرنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ثانیاً جس کو اپنے مصرف کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے مصرف عام نہ تھا۔ عام مصرف تو مساکین پر صدقہ کرنا تھا کے بیان کردہ مصرف کے عام نہ ہونے پر خود حدیث یا دلالت کرتے ہیں، کیونکہ لفظ الناس معرف باللام حدیث میں آیا ہے جو عہد خارجی ہے یعنی اپنی ضرورت سے بعض صحابہ رضؓ غربت کی بناء پر چرم قربانی کو استعمال کر لیا کرتے تھے۔ اسی غربت کو مدنظر رکھ کر شارع علیہ السلام نے ان کو استمتعوا اجازت دی ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی ترجمہ حدیث کا ضروریات میں فائدہ اٹھا لیا کرو کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ مصرف عام واکثر نہ تھا۔ صرف بوجہ ضرورت کی بنا پر تھا۔

ثالثاً آپ نے حدیث کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں ـــ وہ ان کی حیثیت میں صحابہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ حدیث اس طرح سے ہیں:

قالوا یا رسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودك فقال رسول اللہ ما ذاك (الحدیث مسلم ص۱۵۸ جلد ۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں فرمایا۔ ضمناً اس کا جواز گو سمجھا گیا ہے مگر افسوس آپ نے حدیث کے الفاظ اس طرح سے نقل فرمائے ہیں کہ صحابہ رضؓ عام طور سے چرم قربانی کے مشکیزے بنا لیا کرتے تھے اور وہ چرم قربانی کو صدقہ نہیں کرتے تھے۔

رابعاً۔ حدیث میں استمتعوا ولا تبیعوا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ استمتاع ضرورت کی بنا پر تھا۔ کوئی عام مصرف چرم قربانی کا یہ نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چرم قربانی کے بیچنے سے ہی منع فرمایا۔

خامساً۔ حدیث احمد کے رجال سند کو آپ نے ذکر نہیں کیا اور نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح و تحسین بیان کی۔ جب تک اس روایت کی تحسین و تصحیح کسی محدث معتبر سے نہ ہو، حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی، نہ اس سے مصرف عام سمجھا جائے گا ـــ آگے چل کر فرماتے ہیں:-

دوسری سند بخاری کی جو ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ تقریب تام ہے، نہ جواب باصواب، یہ جملہ بھی کہ "یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے" غلط ہوا جبکہ بخاری مسلم اور امام احمد

کی روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کھال سے مشکیزے بنا لیتے تھے، صدقہ نہیں کرتے تھے تو صحابہ کرام بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ آپ کا حدیث بخاری کو ایک خاص واقعہ کہنا اور اس کو عام حکم نہ سمجھنا اس پر کیا دلیل ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات و حکم کے لئے امر کرنا یہ کلیہ قاعدہ و عام حکم نہیں ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو چرم قربانی مساکین پر صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔

رواہ البخاری وابن خزیمہ لکن البخاری روی بغیر لفظ علی المساکین وابن خزیمۃ روی من ھذا الوجہ بلفظ علی المساکین ۔۔۔۔ پس اب بھی آپ اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ فرمائیں گے؟ اگر آپ کا استدلال اور روایات کے متعلق ایسا ہی رہا جس کو آپ نے اختیار فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ کل آپ احادیث رفع یدین و آمین بالجہر کو بھی ایک خاص واقعہ کہہ کر اس سنت نبوی ؐ کے تارک ہو جائیں۔ فرمائیے کیا کسی محدث یا اہل حدیث نے اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ کہہ کر اس حدیث کو متروک العمل قرار دیا ہے؟ پھر آپ نے جو اس جملہ کو ۔۔۔ "کہ فقراء مقامی پر ظلم ہے"۔۔۔ غلط فرمایا ہے۔

اگر آپ اس پر غور کرتے تو اس کو ضرور نہ ظلم کہتے کیونکہ حدیث بخاری وغیرہ میں آیا ہے :-

توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم (الحدیث) پہلے فقراء مقامی صدقہ کے حق دار ہیں مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ رفاہِ عام کی خدمت والے ادارے چرم قربانی کو جمع کر کے اداروں اور مہتممین مدارس کو دیتے ہیں جو عام طور پر بطور مصرف صحیح خرچ نہیں کرتے بلکہ اس میں سے بطور معاوضہ خدمت اپنے ملازمین پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ کی حیثیت سے خرچ نہیں کرتے جو شرعاً درست نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت قصاب قربانی کے جانور سے دینا منع فرمائی، کیونکہ یہ معاوضہ ہے پس جو چیز مقامی فقراء کے حق کی ہے، دوسری جگہ لے جائی جائے گی تو یہ ظلم ہو گا یا نہیں؟ اگر کسی صحابی رضؓ نے اپنی ضرورت سے کوئی مشکیزہ بنا لیا تو یہ فقراء پر ظلم کیسے ہوا؟

پھر مولانا فرماتے ہیں کہ کسی ادارہ خاص کو کھال دے دینے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ جملہ بھی صحیح نہیں بلکہ خود جواب میں حضرت علی رضؓ کا ثبوت ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتمم کو بھی وکیل بنا دیا جاتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ذات کے لئے کھال دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں

اولاً عرض ہے کہ جواب مطابق سوال کے تھا۔ مصرف تمام صورتیں بیان کرنا مفتی کا مقصود نہ تھا لہٰذا مصرف بعض صورت کا ذکر نہ کرنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ثانیاً جس کو آپنے مصرف کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے مصرف عام نہ تھا۔ عام مصرف تو مساکین پر صدقہ کرنا تھا کے بیان کردہ مصرف کے عام نہ ہونے پر خود حدیث یا دلالت کرتے ہیں، کیونکہ لفظ الناس معرف باللام حدیث میں آیا ہے جو عہد خارجی ہے یعنی اپنی ضرورت سے بعض صحابہ رضؓ غربت کی بناء پر چرم قربانی کو استعمال کر لیا کرتے تھے۔ اسی غربت کو مدنظر رکھ کر شارع علیہ السلام نے ان کو استمتعوا اجازت دی ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی ترجمہ حدیث کا ضروریات میں فائدہ اُٹھا لیا کرو کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ مصرف عام واکثر نہ تھا۔ صرف بوجہ ضرورت کی بناپر تھا۔

ثالثاً آپ نے حدیث کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں ـــ وہ ان کی حیثیت میں صحابہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ حدیث اس طرح سے ہیں:

قالوا یارسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودک فقال رسول اللہ ماذاک (الحدیث مسلم ص۱۵۸ جلد۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں فرمایا۔ ضمناً اس کا جواز گو سمجھا گیا ہے مگر افسوس آپ نے حدیث کے الفاظ اس طرح سے نقل فرمائے ہیں کہ صحابہ رضؓ عام طور سے چرم قربانی کے مشکیزے بنا لیا کرتے تھے اور وہ چرم قربانی کو صدقہ نہیں کرتے تھے۔

رابعاً۔ حدیث میں استمتعوا ولا تبیعوا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ استمتاع ضرورت کی بنا پر تھا۔ کوئی عام مصرف چرم قربانی کا یہ نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو چرم قربانی کے بیچنے سے ہی منع فرمایا۔

خامساً۔ حدیث احمد کے رجال سند کو آپ نے ذکر نہیں کیا اور نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح و تحسین بیان کی۔ جب تک اس روایت کی تحسین و تصحیح کسی محدث معتبر سے نہ ہو، حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی، نہ اس سے مصرف عام سمجھا جائے گا ـــ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

دوسری سند بخاری کی جو ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ تقریب تام ہے، نہ جواب باصواب، یہ جملہ بھی کہ "یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے" غلط ہوا جبکہ بخاری مسلم اور امام احمد

کی روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کھال سے مشکیزے بنا لیتے تھے، صدقہ نہیں کرتے تھے تو صحابہ کرام بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ آپ کا حدیث بخاری کو ایک خاص واقعہ کہنا اور اس کو عام حکم نہ سمجھنا اس پر کیا دلیل ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات و حکم کے لیے امر کرنا یہ کلیہ قاعدہ و عام حکم نہیں ہوتا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو چرم قربانی مساکین پر صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔

رواہ البخاری وابن خزیمہ لکن البخاری روی بغیر لفظ علی المساکین وابن خزیمۃ روی من ھذا الوجہ بلفظ علی المساکین —— پس اب بھی آپ اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ فرمائیں گے؟ اگر آپ کا استدلال اور روایات کے متعلق ایسا ہی رہا جس کو آپ نے اختیار فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ کل آپ احادیث رفع یدین و آمین بالجہر کو بھی ایک خاص واقعہ کہہ کر اس سنت نبوی ؐ کے تارک ہو جائیں۔ فرمائیے کیا کسی محدث یا اہل حدیث نے اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ کہہ کر اس حدیث کو متروک العمل قرار دیا ہے؟ پھر آپ نے جو اس جملہ کو —" کہ فقراء مقامی پر ظلم ہے "— غلط فرمایا ہے۔

اگر آپ اس پر غور کرتے تو اس کو ضرور نہ ظلم کہتے کیونکہ حدیث بخاری وغیرہ میں آیا ہے:۔

توخذ من اغنیاۂھم وترد علی فقراءھم۔ (الحدیث) پہلے فقراء مقامی صدقہ کے حق دار ہیں مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ رفاہ عام کی خدمت والے ادارے چرم قربانی کو جمع کر کے اداروں اور مہتمین ملازمین کو دیتے ہیں جو عام طور پر بطور مصرف صحیح خرچ نہیں کرتے بلکہ اس ہی سے بطور معاوضہ خدمت اپنے ملازمین پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ کی حیثیت سے خرچ نہیں کرتے جو شرعاً درست نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت قصاب قربانی کے جانور سے دینا منع فرمائی، کیونکہ یہ معاوضہ ہے پس جو چیز مقامی فقراء کے حق کی ہے، دوسری جگہ لے جائی جائے گی تو یہ ظلم ہوگا یا نہیں؟ اگر کسی صحابی رض نے اپنی ضرورت سے کوئی مشکیزہ بنا لیا تو یہ فقراء پر ظلم کیسے ہوا؟

پھر مولانا فرماتے ہیں کہ کسی ادارہ خاص کو کھال دے دیئے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ جملہ بھی صحیح نہیں بلکہ خود جواب میں حضرت علی رض کا ثبوت ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتم کو بھی وکیل بنا دیا جاتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ذات کے لئے کھال دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں

ثابت ہوا اور اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔ آخر میں دینیات کے مدارس میں مدرسین اور خدام پر خرچ کرنے پر نزلہ گرایا گیا ہے۔ یہ مصرف شرعی نہیں۔ یہ بعینہٖ زکوٰۃ میں برادران احناف کرام کا مسلک ہے اور برادران اہل حدیث کرام اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ہر دو جماعتوں کے درمیان متنازعہ فیہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ اول الذکر اس کو خاص بحق غازیانِ اسلام مقید کرتے ہیں اور موخر الذکر اس کو عام خیراتی کاموں پر شامل کر ڈالتے ہیں الخ

جواباً عرض ہے کہ مولانا نے جو حضرت علی رضؓ پر مہتمم مدرس و ناظم کو قیاس کر کے وکیل بنایا ہے یہ آپ کا قیاس قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قربانی کرنے والے کسی ناظم و مہتمم مدارس کو اپنا وکیل نہیں بناتے ہیں کہ یہ ناظم ہماری کھالوں کو غربا پر صدقہ کر دیں بلکہ وہ لوگ کھالوں کو بطور صدقہ لے کر اُن کو فروخت کر کے خود بھی اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے ملازمین اور مدرسین کی تنخواہوں پر بطور معاوضہ کے دیتے ہیں ہاں کچھ حصہ طلبہ پر بھی خرچ کر دیتے ہیں جس کا کسی کو انکار نہیں ہے۔ کیا حضرت علی رضؓ نے وکیل بن کر قربانی کی کھالیں خود فروخت کر کے کسی معاوضہ میں صرف کی تھیں یا انہوں نے وکیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بن کر صرف مساکین پر چرم قربانی کو صدقہ کیا تھا؟ کیا صاحب قربانی اور اس کا وکیل قربانی کی کھالوں کو فروخت کر سکتا ہے؟ اور کیا حضرت علی رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھالوں کا مطالبہ کیا تھا؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو کھالیں بطور صدقہ کے دی تھیں۔ پس مولانا کیا زمانہ نبوت میں آپ ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ قربانی کے چرم کو بطور معاوضہ کسی صحابی نے کسی ذی ثروت یا غریب شخص کو دی ہو دوسرے چرم قربانی کو مساکین پر صدقہ کرنا کسی فقیہ نے اس کو احناف کا مذہب کہا ہے۔ کیا اہلحدیث قربانی کی کھالوں کو مساکین پر صدقہ کرنا جائز نہیں سمجھتے اور کیا مساکین پر صدقہ ان کا مذہب نہیں ہے آپ نے آٹھ مصارف میں مصرف فی سبیل اللہ کے عام کرنے پر بڑی فقاہت کو خرچ کیا ہے مگر افسوس آپ نے مصرف فی سبیل اللہ پر غور نہیں کیا ۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد عام ہوتا تو پھر باقی مصارف سبعہ کا ذکر کرنا ہی بیکار ہو جاتا ہے آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد خاص ہے اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہو سکتا اور دلیل اس پر ایک تو اتفاق مفسرین ہے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر جہاد سے کرتے ہیں اور دوسری حدیث صحیح ہے چنانچہ حدیث صحیح میں جہاد کو فی سبیل اللہ کہا ہے وَجَاءَ فِی حَدِیْثِ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ اِلَّا لِخَمْسَۃٍ لِغَازٍ

فِی سُبُلِ اللّٰہِ اَوِ الْعَامِلِ عَلَیْہَا ۔ الحدیث ۔ کذا فی المحلی لابن حزم ص۱۵۳ ج ۵ وَ دَقِی سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی فِی النَّفَقَۃِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَرَادَ الْخُرُوْجَ اِلَی الْغَزْوِ الخ تفسیر خازن ص۲۲ ج ۲ مطبوعہ مصر اسی لئے تفسیر خازن میں قول عموم فی سبیل کو مرجوع قرار دیا ہے اور قول خصوص غزوہ کو فی سبیل اللہ سے مراد لینا راجح بتایا ہے کما قال وَالْقَوْلُ الْاَوَّلُ ھُوَ الصَّحِیْحُ لِاِجْمَاعِ الْجُمْہُوْرِ عَلَیْہِ مولانا اس کی تضعیف کرنا بے دلیل ہے کسی مفسر متقدمین نے آیت میں فی سبیل اللہ کو عام نہیں بیان کیا اس لئے علامہ ابن حزم محلی میں لکھتے ہیں اَوْ اَمَّا سبیل اللہ فَھُوَ الْجِہَادُ حَقًّا (اِلٰی اَنْ قَالَ) قُلْنَا نَعَمْ وَکُلُّ فِعْلِ الْخَیْرِ فَھُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا اَنَّہٗ لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمْ یُرِدْ کُلَّ وَجْہٍ مِنْ وُجُوْہِ الْبِرِّ فِیْ قِسْمَۃِ الصَّدَقَاتِ فَلَمْ یَجُزْ اَنْ تُوْضَعَ اِلَّا حَیْثُ بَیَّنَ النَّصُّ وَھُوَ الَّذِیْ ذَکَرْنَا کَذَا فِی الْمُحَلّٰی ص۱۵۱ ج ۵ اس سے ظاہر ہوا کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے عام قسمت صدقات مراد نہیں ہے بلکہ اس فی سبیل اللہ سے مراد وہ خاص مصرف ہے جو نص سے ثابت ہے پس چرم قربانی کا مساکین کے علاوہ کسی مسجد یا مدرسہ میں مصرف کرنا بطور معاوضہ کسی نص قرآن وحدیث سے ثابت نہیں اور مولانا کا فی سبیل اللہ کے عام مطلق ہونے پر استدلال حدیث ابی داود و امام احمد سے کرنا جن میں حج وعمرہ کو فی سبیل اللہ کہا ہے۔ قابل غور ہے اولاً تو یہ روایتیں ضعیف ومضطرب ہیں۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں: حدیث ام معقل اخرجہ ابوداؤد والنسائی وترمذی وابن ماجۃ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ رَجُلٌ مَجْہُوْلٌ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ اَیْضًا اِبْرَاہِیْمُ بْنُ مُہَاجِرِ بْنِ جَابِرٍ الْبَجَلِیُّ الْکُوْفِیُّ وَقَدْ تَکَلَّمَ فِیْہِ غَیْرُ وَاحِدٍ وَفِیْ عَوْنِ الْمَعْبُوْدِ شَرْحِ اَبِیْ دَاوٗدَ قُلْتُ تَحْدِیْثُ اُمِّ مَعْقِلٍ طُرُقٌ وَاَسَانِیْدُ لَا یَخْلُوْا مِنَ الْاِضْطِرَابِ فِی الْمَتْنِ وَالْاِسْنَادِ وَقَالَ صَاحِبُ الْعَوْنِ الْمَعْبُوْدِ فِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَحَدِیْثُ اُمِّ مَعْقِلٍ فِیْ اِسْنَادِہٖ اَیْضًا اِبْرَاہِیْمُ بْنُ مُہَاجِرٍ الْبَجَلِیُّ الْکُوْفِیُّ وَتَکَلَّمَ فِیْہِ غَیْرُ وَاحِدٍ ۔ (عون المعبود ص۱۵۱ ج ۲) مولانا نے جو الفاظ حدیث کے نقل کئے ہیں وہ حدیث معقل کے ہیں دیکھو نیل الاوطار ص۱۲۵ ج ۴ دوسرے حج وعمرہ کو آپ نے جہاد فرمایا ہے۔ دیکھو ابن ماجہ بخاری وغیرہ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَی النِّسَاءِ جِہَادٌ قَالَ نَعَمْ جِہَادٌ لَا قِتَالَ فِیْہِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَۃُ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ رِوَایَۃِ الْبُخَارِیِّ فَقَالَ لٰکِنَّ اَحْسَنَ الْجِہَادِ وَاَجْمَلَہُ الْحَجُّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ ۔ الحدیث دیکھو عون المعبود ص۱۷ ج ۲ پس ان روایات کی رو سے فی سبیل اللہ کے لفظ کو عام مطلق کیسے کیا جا سکتا ہے تیسرے اگر حج وعمرہ کو فی سبیل اللہ فرد قرار بھی دیا جائے تو وہ نص حدیث سے

؎ اس کی توضیح آگے آرہی ہے۔

خاص ہے پھر بھی ان روایات متکلم فیہ سے لفظ۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کو عام مطلق کہنا صحیح نہیں حدیث بخاری کی بنا پر حضرت علی رضؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ کی قربانی کی کھالوں کو مساکین پر صدقہ کرنا بامر نبوی رضؓ بین دلیل ہے کہ چرم قربانی کے مستحقین مساکین ہیں۔ لہٰذا کسی ادارہ کا جو مسکین نہ ہو اس کو اپنے مصرف یا ملازمین اور مدرسین مدرسہ پر جو مساکین نہیں ہیں۔ ان کو معاوضہ کے طور پر چرم قربانی کا مصرف ٹھہرانا کسی حدیث میں نہیں آیا من ادعی فعلیہ البیان بابرہان ففیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ اخبار الاعتصام جلد ۶ ش ۲

توضیح امر قرآن مجید میں ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ - - - - - - پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں جھگڑا پڑے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو: پ ۵۔ پ ۳ میں ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج۔ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ ج لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ ؛ ان محتاجوں کو دو جو اللہ کی راہ میں بند ہو رہے ہیں زمین میں سفر نہیں کر سکتے: (علم دینی پڑھنے کی وجہ سے) ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے سے مالدار جانتے ہیں مگر تو ان کے چہرہ سے ان کو پہچان لیتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے: ترجمہ ثنائی تفسیر مدارک میں ہے۔ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی دین کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے اصل مراد یہاں مجاہدین ہیں اِحصار میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آجاتا ہے علیٰ ہذا فِیْ سَبِیْلِ میں بھی بڑی وسعت ہے دین کا کوئی سا کام ہو سب کے سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں گو اصل مراد جہاد ہے مفسر تھانوی نے کہا ہے کہ آیۃ کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں جس مشغولی وانہماک کی ضرورت ہے اسکے ساتھ اگر فکر معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی۔ م ماجدی ؛ حاشیہ ترجمہ ثنائی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں مفسر القرآن حضرت مولنا شیخ الاسلام ابو الوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ امرتسری اسی آیۃ کے تحت فرماتے ہیں۔ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الی حَبَسُوْا اَنْفُسَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ تَعَلُّمِ الدِّیْنِ اَوِ الْجِھَادِ اَوْ تَبْلِیْغِ الْاَحْکَامِ اَوْ غَیْرِ ذٰلِکَ مِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً پ ۲ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ لِلتِّجَارَۃِ وَغَیْرِھَا لِشُغْلِھِمْ ۱ھ ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے عشر۔ زکوٰۃ۔ وچرم ہائے قربانی کے مستحق مجاہدین اور دینی سرحد کے محافظ علماء اور طلباء ہیں جو دین سیکھتے اور سکھلاتے ہیں اور

اسلامی سرحد کے محافظ ہیں اگرچہ اپنے اپنے گھر میں وہ دولت مند بھی ہوں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے جب مسند خلافت پر بیٹھے تو فرمایا کہ پہلے میں بذریعہ تجارت بال بچوں کی پرورش کرتا تھا اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں اب میں اور میرا بال بچہ بیت المال میں کھائیں گے ظاہر ہے کہ بیت المال میں عشر۔ زکوٰۃ وغیرہ تمام قسم کے مال تھے فتاویٰ غزنویہ میں امام عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کہ صدقہ فطر اپنے گاؤں کے مساکین پر صرف کرنا افضل ہے یا غیر پر تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر اپنے گاؤں کے فقراء مساکین افضل ہیں اور اگر غیر گاؤں کے مساکین اپنے گاؤں سے زیادہ نیک ہیں تو غیر گاؤں کے فقراء زیادہ مستحق ہیں۔ ظاہر ہے۔ علماء اور طلباء جو قرآن وحدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں یہ دیگر غرباء اور مساکین سے زیادہ نیک ہیں اگرچہ موجودہ زمانہ کے طلباء اور علماء میں بھی بہت سی لغزشیں رائج ہو چکی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ عربی مدارس میں عشر و زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی کو جمع کرنا جائز بلکہ افضل ہے کیونکہ عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر غرباء مساکین اور فقراء ہی ہوتے ہیں جن کے لئے ہے مندرجہ ذیل اشیاء کا انتظام کرنا پڑھتا ہے۔ خورد و نوش۔ کمرہ جات۔ کتابیں چارپائیا تریاپائیا۔ بسترے۔ روشنی۔ اور اساتذہ وغیرہ ضروریات تعلیم اگر تمام اشیاء تیار ہوں لیکن معلم اور استاد نہ ہو تو فقراء اور مساکین تعلیم حاصل نہیں سکتے

فتفھمو و تتدبرو

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب عندہ علم

الکتاب حررہ ابوالحسنات علی محمد سعیدی

جامعہ سعیدیہ خانیوال پاک۔

ذبح سے پہلے کھال کی قیمت مقرر کرنا

سوال :- ایک گائے یا بکری وغیرہ کو پانچ آدمی مل کر کھانے کیلئے ذبح کریں۔ ذبح کے پیشتر کھال اور گوشت کی قیمت معین کر سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب :- حدیث میں ہے لَا يُبَاعُ صُوفٌ عَلَىٰ ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ - بلوغ المرام : یعنی اُون بھیڑ اور دُنبے کی پیٹھ پر نہ بیچی جائے۔ اور دودھ لیوٹی میں نہ بیچا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شئے پیدائشی طور پر دوسری شئے سے ملی ہوئی ہو اور اس وقت جدائی کے قابل ہو تو اس کو ملی ہوئی شکل میں فروخت نہ کرنا چاہیئے بلکہ جدا کر کے فروخت کی جائے۔ پس کھال اور گوشت وغیرہ کی قیمت ذبح سے پہلے معین کرنی ٹھیک نہیں۔ بلکہ کھال اتار کر اور گوشت کاٹ کر قیمت لگائی چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری ۳ ذالحجہ ۱۳۵۲ھ فتاوی اہلحدیث جلد ۳ ص ۲۰/۲۱۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ

عید اضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں اہل علم اس مسئلہ میں کہ عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے؟ مذہب ائمہ اور احادیث سے اس کی وضاحت فرمائی جاوے۔

جواب :- اس مسئلہ میں ائمہ کے قریباً سات قول ہیں عید کے بعد دو دن۔ امام مالک امام ابوحنیفہ رح امام احمد رح کا جو مسلک ہے۔ عید کے بعد تین دن، عطاء، حسن بصری، امام وضاعی امام شافعی رح ابو ثور وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ (۳) عید کے بعد چھ دن تک یہ قتادہ کا مذہب ہے (۴) دس دن تک : یہ ابن تین کا خیال ہے۔ (۵) ذوالحجہ کے بیس دن یعنی آخر ماہ تک (حسن بصری محمد بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمان (۶) عام شہروں میں صرف ایک دن اور منیٰ میں تین دن سعید بن جبیر جابر بن زید)۔

(۷) صرف عید کے دن (ابن سیرین۔ حمید بن عبدالرحمان محمد القاری ص ۱۱۴ ج ۱۰ انیل الاوطار ص ۲۱۶ ج ۵

مغنی ابن قدامہ مع شرح صـ۱۱۲ ج ۱۱ فتح الباری صـ۳۲۵ ۲۲

ان مذہب سے سب سے پہلا اور دوسرا مذہب معمول بہا ہے فقہاء حنفیہ کا رجحان پہلے مسلک کی طرف ہے۔۔ ہمارے ملک میں چونکہ عام لوگ حنفیہ ہیں اور وہ دوسرے مسلک کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے ضرور ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دوسرے مسلک کی وضاحت کی جائے تاکہ کم علم اور جاہل لوگ عامۃ المسلمین میں منافرت پھیلا نہ سکیں اور مسلمان جس مسلک پر چاہئیں عمل کریں۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔ الاُضْحِیَۃُ جَائِزَۃٌ یَوْمَ النَّحْرِ وَاَیَّامِ مِنٰی کُلِّھَا مِنٰی لِاَنَّھَا اَیَّامُ النُّسُکِ الخ۔ قربانی منی کے تمام دن جائز ہے کیونکہ یہ حج کے ایام ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

فان قال قائل فی الحجۃ وان ایام منی ایام اضحی کلھا قیل کما کانت الحجۃ بان یومین بعد یوم النحر یومی اضحیۃ فان قال قائل فکیف ذالک قیل نحر النبی صلعم وضحی فی النحر فلما لم یحظر علی الناس ان یضحوا بعد یوم النحر بیوم او یومین لم نجد الیوم الثالث مبایناً للیومین قبلہ لانہ ینسک فیہ ویرمی کما ینسک ویرمی فیھما فان قیل فھل فی ھذا من قیل نعم عن النبی صلعم فیہ دلالۃ سنۃ اھ کتاب الحج ج ۲ صـ۱۳۱۱

اگر پوچھا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ سارے ایام منیٰ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ تک میں قربانی درست ہے، جواب یہ ہے کہ عید کے دو دن قربانی جس دلیل سے درست ہے اسی دلیل سے تیسرے دن بھی جائز ہے۔ آنحضرت نے خود تو قربانی عید کے دن فرمائی اس کے بعد نہ دو دن کے لئے قربانی سے روکا نہ تیسرے دن کے لئے یعنی تیرہ تاریخ کے لیے گیارہ اور بارہ سے کوئی الگ حکم نہیں دیا بلکہ جب احکام حج میں وہ ان کے ساتھ برابر ہے تو قربانی میں ان سے بلا دلیل الگ کیوں کیا جائے۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں آنحضرتﷺ سے سنت میں اس پر دلیل موجود ہے۔ مختصر مزنی صـ۲۱۲ ج۵ برحاشیہ کتاب الاُمّ میں بھی مختصراً اس کی تائید موجود ہے

ابن قدامہ مغنی میں اس مسلک کے متعلق فرماتے ہیں۔ وروی عن علی آخرہ آخر ایام التشریق وھو مذھب الشافعی وقول عطاء والحسن لانہ روی عن جبیر بن مطعم ان النبی صلعم قال ایام منی کلھا منحر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صـ۱۱۲ ج۱۱ ذبح آخر ایام تشریق تک درست ہے۔ امام شافعی، عطاء حسن بصری کا یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل جبیر بن مطعم کی حدیث ہے۔

امام شوکانی جبیر بن مطعم کی حدیث پر گفتگو کے بعد فرماتے ہیں :-

وقد استدل الحدیث علی ان ایام التشریق کلھا ایام ذبح وھی یوم النحر وثلثۃ ایام بعدہ وقد تقدم الخلاف فیھا فی کتاب العیدین وکذالک روی فی الھدی عن علی علیہ السلام انہ قال ایام النحر یوم الاضحی وثلثۃ ایام بعدہ وکذا حکاہ النووی عنہ فی شرح مسلم وحکاہ ایضا عن جبیر بن مطعم وابن عباس وعطاء والحسن البصری وعمر بن عبد العزیز وسلیمان بن موسیٰ الاسدی فقیہ اھل الشام ومکحول والشافعی وداؤد الظاھری وحکاہ صاحب الھدیٰ عن عطاء والاوزاعی وابن المنذر ثم قال روی من وجھین مختلفین یشد احدھما الاخر عن النبی صلعم انہ قال کل منی منحر وکل ایام التشریق ذبح وروی من حدیث جبیر بن مطعم وفیہ انقطاع ومن حدیث اسامۃ بن زید عن عطاء عن جابر قال یعقوب بن سفیان اسامۃ ابن زید عند اھل المدینۃ ثقۃ مامون "

یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ تمام ایام تشریق میں ذبح درست ہے۔ یعنی یوم النحر اور اس کے بعد تین دن زاد المعاد میں حضرت علی سے منقول ہے کہ قربانی عید کے بعد تین دن درست ہے اس طرح نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے اور جبیر بن مطعم اور ابن عباس عطاء حسن بصری، عمر بن عبد العزیز سلیمان موسیٰ اسدی سے جو شام کے فقیہ ہیں۔ مکحول امام شافعی اور داؤد ظاہری سے نقل کیا ہے۔ ابن قیم نے عطاء، اوزاعی اور بن منذر کا مذہب بیان کیا ہے۔ پھر فرمایا یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کے لئے تقویت کا موجب ہے۔ جبیر بن مطعم کے طریقہ میں انقطاع ہے جابر کی حدیث اسامہ بن زید کے طریق سے مروی ہے کہ اسامہ بن زید اہل مدینہ میں بہت ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ قال ابن بطال تبعا للطحاوی لم ینقل عن الصحابۃ غیر ھذین القولین اھ صحابہ سے ان دو مذاہب کے سوا کوئی منقول نہیں اور دوسرے قول (یعنی قربانی چار دن ہے) کو جمہور کا قول فرماتے ہیں ا۔

وحجۃ الجمھور حدیث جبیر بن مطعم رفعہ فجاج منی منحر وفی کل ایام التشریق ذبح اخرجہ احمد لکن فی اسنادہ انقطاع ووصلہ الدار قطنی ورجالہ ثقات اھ فتح الباری ہند ص ۳۲۵/۲۳

جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی حدیث ہے۔ سارے ایام تشریق میں ذبح کرنا درست ہے۔ اسے امام احمدؒ نے معاضہ فرمایا اس کی روایتہ میں انقطاع ہے۔ دار قطنی نے اسے موصول بیان فرمایا ہے

اس کے رجال ثقہ ہیں۔

زیلعی نصب الرایۃ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں صـ۲۱۲ ج ۴:۔

الحدیث السابع قال علیہ السلام ایام التشریق کلھا ایام ذبح قلت رواہ احمد فی مسندہ وابن حبان فی صحیحہ فی النوع الثالث والاربعین من القسم الثالث من حدیث عبدالرحمان بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم عن النبی صلعم قال کل ایام التشریق ذبح عرفۃ کلھا موقف الخ وقد ذکرنا بتمامہ فی الحج ورواہ البزار فی مسندہ وقال ابن ابی حسین لم یلق جبیر بن مطعم ورمی البیھقی فی المعرفۃ ولم یذکر فیہ انقطاعا واخرجہ الدارقطنی فی سنتہ عن ابی معید عن سلیمان بن موسیٰ عن عمرو بن دینار عن جبیر بن مطعم مرفوعًا وابومعید بمثناۃ فیہ لین واخرجہ ھو والبزار عن سوید بن عبدالعزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ مرفوعًا قال البزار لا نعلم قال فیہ عن نافع بن جبیر عن ابیہ الا سوید بن عبدالعزیز وھو لیس بالحافظ ولا یحتج بہ اذا انفرد الخ ....

اس حدیث کو احمد نے مسند میں ابن حبان نے صحیح میں ذکر کیا ہے، لیکن اسی انقطاع میں عبدالرحمان بن ابی حسین جبیر بن مطعم سے نہیں، بیہقی نے اسے معرفۃ السنن والاثار میں ذکر فرمایا ہے اور انقطاع کا ذکر نہیں فرمایا دارقطنی نے ابوسعید کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ ابوسعید میں معمولی ضعف ہے۔ دارقطنی اور بزار، سوید بن عبدالعزیز کے طریق سے ذکر کیا ہے لیکن سوید ثقہ نہیں انفراد کی صورت میں یہ حجت نہیں۔ احمد اور بیہقی نے سلیمان بن موسیٰ کے طریق سے روایۃ کی ہے یہ بھی منقطع ہے۔ ابن عدی نے کامل میں بواسطہ معاویۃ بن یحییٰ صدفی ابوسعید خدری سے نقل فرمایا۔ معاویۃ بہت ضعیف ہیں۔ اس سند کو بعض نے موضوع کیا ہے۔

جبیر بن مطعم کی حدیث مختلف طرق سے مقطوع مرفوع ثقات ضعاف سب سے مروی ہے تمام طرق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے مگر اس کے باوجود مجموع طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ اس لئے ائمہ حدیث کا رجحان اسی طرف ہے کیونکہ باقی مسلک یا تو بالکل بے دلیل ہیں۔ یا ان کی بنیاد محض آثار صحابہ پر ہے۔ چنانچہ احناف کے مسلک کا بھی یہی حال ہے۔ اور پھر ان آثار میں غرابت بھی ہے چنانچہ زیلعی نصب الرایہ میں حضرت عمر و ابن عباس کے آثار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں قلت غریب جداً بہت ہی غرابت ہے صـ۲۱۲ ج ۲

ظاہر ہے امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک جمہور کا مسلک کے ہونے کے علاوہ دلیل کے لحاظ سے بھی نسبۃً مضبوط ہے اس لئے اس مسلک پر عمل درست ہے اور انکار جہالت ۔

امام بیہقی نے جبیر بن مطعم کی حدیث کے تمام طرق کا ذکر کیا ہے اور معاویہ بن یحیٰی صدفی کے طریق میں ابوسعید اور ابوہریرہ دونوں سے نقل کیا ہے ابن عباس حسن عطاء عمر بن عبدالعزیز سلیمان بن موسیٰ اور مکحول کے آثار کی روایتیں بھی ذکر کی ہیں جن سے مجموعی طور پر اس مسلک کے ماخذ کی قوت معلوم ہوتی ہے (سنن بیہقی ص۲۹۵ ج ۲)

علامہ ترکمانی حنفیہ کے لئے متعصب مشہور ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں لم یصح فی ھذا الباب عن النبی صلعم شیئ ص۲۹۷ ج ۹ ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دونوں طرف کوئی حدیث ثابت نہیں سارا مدار آثار صحابہ پر ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی مسلک پر انکار دیانت کے بھی خلاف ہے

علامہ جبیر بن مطعم کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں رواہ احمد ورواہ الطبرانی فی الاوسط عنہ ایام التشریق کلھا ذبح ورجال احمد وغیرہ ثقات (مجمع الزوائد ص۲۴ ج ۴)

احمد اور طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کا ذکر کیا اور احمد وغیرہ نے رجال ثقہ ہیں ۔

حافظ دار قطنی نے حدیث جبیر بن مطعم کو مرفوعاً ذکر فرمایا ہے اور صاحب، تعلیق المغنی نے نصب الرایہ کا اقتباس نقل فرمایا ہے جس سے حدیث جبیر بن مطعم کا مقام ظاہر ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے دیانتدار آدمی کے لئے دونوں مسلکوں میں ترجیح کے وجوہ آشکار ہوجاتے ہیں معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں مگر تنگدل اور متعصب کے لئے نصوص بھی کفایت نہیں کرسکتے ۔

حافظ ابن القیم فروع میں فرماتے ہیں اور حنابلہ کا مسلک اس مسئلہ میں احناف ہی سے ملتا ہے۔ مگر دلیل کی قوت کے پیش نظر ان کی رائے کا رجحان امام شافعی اور ائمہ حدیث کی طرف ہے وہ پوری جرأت کے ساتھ اس مسلک کی حمایت کرتے ہیں ۔ مختصر بحث کے بعد فرماتے ہیں :۔

وقد قال علی ابن ابی طالب ایام النحر یوم الاضحیٰ وثلثۃ ایام بعدہ وھو مذھب امام اھل البصرۃ و الحسن وامام اھل مکۃ عطاء ابن ابی رباح وامام اھل الشام الاوزاعی وامام فقھاء اھل الحدیث الشافعی واختارہ ابن المنذر ولان الثلثۃ تختص بکونھا ایام منیٰ وایام الرمی وایام التشریق و

یحجم صیامها فهی لغوة فی هذا الاحکام فکیف تصدق فی جواز الذبح بغیر نص ولا اجماع وروی من وجهین مختلفین یشد احدهما الاخر عن النبی صلعم۔ انه قال کل منی منحر کل ایام التشریق ذبح وروی عن حدیث جبیر بن مطعم وفیه انقطاع ومن حدیث عطاء عن جابر قال یعقوب بن سفیان اسامة بن زید عند اهل المدینة ثقة مامون زاد المعاد ص ۳۲۶ ج ۱ از مظہر ۴

بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبیر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں حالانکہ جبیر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں بلکہ موید ہے۔ اصل بنیاد دونوں مسلکوں میں مشابہت ہے جہاں دونوں کا ذکر ہے وہاں تیسرے سے روکنے کا کوئی قرینہ نہیں اور ایام منیٰ میں تشابہہ اور مضاہات ظاہر ہے۔ اس لئے حافظ رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم کی حدیث کا ذکر صرف تذکرۃ اور تائیداً کیا ہے اسے اساس استدلال قرار نہیں بتایا یہ وہ انصاف پسندی ہے جو تقلید اور جمود کے بعد کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ وہ امام احمد کے مسلک کو جانتے ہیں مگر دلائل کے ساتھ جا رہے ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں جن سے ایمان اور دیانت کی سرزمین ہمیشہ سرسبز شاداب رہے گی۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

الحافظ ابن تیمیہ نے جبیر بن مطعم کی حدیث کے بعض طرق ذکر کر کے فرمایا۔

هذا الطرق التی روی بها کلها منقطعات ولکن رواه ابن حبان فی صحیح موصولا بنحو هذا المتن (منتقی الاخبار ص ۲۰۸ جلد ۲)

یہ تمام طرق منقطع ہیں، لیکن ابن حبان نے یہ متن موصول بیان کیا ہے۔ یہ عبارت منتقی کے مصری نسخہ میں ہے غالباً ہندوستانی نسخہ میں نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن حبان نے اس متن کو موصولاً بیان کیا ہے۔ گویا انقطاع کی علت جاتی رہی۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ مسلک بہت حد مضبوط ہو جائے گا۔

اس وقت کسی مسلک پر تنقید کرنا مقصود نہیں ویسے بھی موضوع بہت طویل ہو گیا ہے۔ تلخیص الحبیر الدرایہ نے تخریج احادیث الہدایہ سے استفادہ اسی لئے نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن علامہ ترکمانی کی روش عجیب ہے وہ اپنے مخالف کو کبھی نہیں بخشتے اور نہ ہی کسی کو جائز رعایت دینے کے لیئے آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے مسلک کی تمام کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے جیسے بقول ابن قیم و علامہ ترکمانی اس موضوع پر کوئی حدیث مرفوع نہیں ملتی آیا یہ جرح سے خالی نہیں علامہ طحاوی کا اسناد ابن عباس کے قول کی سند جید ہے یہ بھی

محض تسکین قلب کا سامان ہے ورنہ ابن حزم چونکہ یقینیہ ذوالحجہ میں قربانی کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے دونوں مسلک کے آثار پر بھی گفتگو فرمائی ہے ان کی رسانید کا جائزہ لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلک کو بھی دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں امت کا تعامل دونوں مسلک پر عمل کرتے تھے۔ بلکہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے دونوں مسلک مروی ہیں (محلی ج ۷ ص ۳۷۷) آثار کی رسانید پر بحث فرمائی من شاء فلیرجع الیہ زرقانی نے شرح موطا میں امام شافعی رح کا مسلک ذکر فرما کر ابن حبان کی حدیث کو ذکر کیا ہے اس کی سند پر جرح نہیں کی۔ البتہ اپنے مسلک کے مطابق اس کی توجیہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے (زرقانی مطبوعہ مصر ص ۷۹ ج ۳) اخبار الاعتصام لاہور جلد ۶ ش ۲

مولانا عطاء حنیف لاہوری

اگر قربانی کے جانور کے سینگ کا خول اُتر جائے؟

سوال:۔ میں نے قربانی کرنے کے لئے ایک مینڈھا خریدا تھا مینڈھا تندرست اور قربانی کی شرائط کے مطابق تھا۔ لیکن اب وہ دوسرے مینڈھے سے ٹکرا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ میرے مینڈھے کے ایک سینگ کا پورا خول اُتر گیا ہے اور نیچے کا حصہ بدستور موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مینڈھا قربانی کے قابل ہے یا نہیں؟ سینگ کا خول اتر جانے سے قربانی کی شرائط میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے یا نہیں ــــ؟ (عبدالغنی پٹیالوی لیہ ضلع مظفر گڑھ)

جواب:۔ حدیث میں قربانی کے جانور کی جو شرائط وارد ہیں، ان کی رو سے اس کا ان سات عیوب سے مبرا ہونا ضروری ہے:۔

۱۔ آدھا یا آدھے سے زیادہ سینگ کٹا ہوا نہ ہو۔

۲۔ آدھا یا آدھے سے زیادہ کان کٹا ہوا نہ ہو۔

۳۔ کانا یا اندھا نہ ہو۔

۴۔ اتنا لنگڑا نہ ہو کہ اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

۵۔ بہت بیمار نہ ہو۔

۶۔ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اس کی ہڈی کا گودا باقی نہ رہا ہو۔

۷۔ اس کا کان پھٹا ہوا نہ ہو۔

لیکن ان شرائط کا تعلق جانور خرید کرنے سے قبل سے ہے۔ یعنی قربانی کرنے کے لئے ایسا جانور خرید کیا جائے کہ ان سات عیوب سے پاک ہو، اور اگر... نقص خریدنے کے بعد پیدا ہو جائے تو اس جانور کی قربانی کرنا شرعًا درست ہے۔ اس کی دلیل مسند امام احمد، ابن ماجہ اور بیہقی کی یہ حدیث ہے:

عن ابی سعید قال اشتریت کبشا اضحی بہ فعدی الذئب فاخذ الالیۃ قال فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح بہ۔ ترجمہ:۔ ابوسعید رضی اللہ تعالےٰ کہتے ہیں کہ میں نے قربانی کرنے کے لئے ایک دنبہ خریدا۔ اس پر بھیڑیئے نے حملہ کر دیا اور اس کی چکی زخمی کر دی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا اسی کی قربانی کر دو۔

امام ابو البرکات ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جانور میں قربانی کے لئے تعیین کرنے کے بعد عیب پیدا ہو جائے تو وہ قربانی کے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔ البتہ احناف کا یہ خیال ہے کہ امیر کو نیا جانور خرید کرنا چاہیئے۔ اور غریب کے لئے وہی صحیح اور کافی ہے۔ (ہدایہ)

اوپر حضرت ابوسعیدؓ کی جو روایت ذکر کی گئی ہے، نواب صدیق حسن خاںؒ نے مسک الختام میں اس پر خاصی بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "اس کی سند میں جابر جعفی ایک راوی ہے جس کے استاد محمد بن قرظہ مجہول ہیں"۔

لیکن اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "بیہقی کے نزدیک ان کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس لئے امام ابو البرکات ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اگر عیب تعیین کے بعد رونما ہو تو کوئی مضائقہ نہیں"۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی حضرت علی سے مروی روایات کے ضمن میں اس پر بحث کی ہے جس کا مقام یہ ہے اگر جانور کے سینگ کا اوپر کا حصہ (خول) اترا ہوا تو قربانی میں خارج نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ محدثین اور فقہاء کے نزدیک اگر نصف یا اس سے کم ٹوٹا ہوا ہو۔ تو ایسا جانور

قربانی کے لئے خریدا بھی جا سکتا ہے۔

اور اگر خرید اور تعیین کے بعد سینگ ٹوٹا ہو تو قربانی درست ہے۔ لہٰذا آپ اپنا مینڈھا قربانی دے سکتے ہیں قربانی کی رو سے اس میں نقص وارد نہیں ہوا۔

(اخبار الاعتصام جلد ۶ ش ۳۳)

چوتھے دن قربانی

کسی عذر کے بغیر قربانی چوتھے روز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوتھے دن قربانی: کُلُّ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ ذَبْحٌ۔ ترجمہ: تشریق کے دن: تیرہ تاریخ تک: قربانی کے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ یہ منقطع ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسے موصولاً بیان کیا ہے (عزیز زبیدی ماہنامہ ترجمان اہلحدیث لاہور جلد ۱۵ شمارہ ۵)

توضیح البیان: چوتھے دن قربانی جائز ہے کسی عذر کی بناء پر یا روزانہ مسلسل قربانی کرنے کی وجہ سے کسی عذر کے بغیر چوتھے دن قربانی کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بلا عذر نماز آخر وقت میں پڑھے تو اس سے حکماً نماز ادا ہو جائیگی لیکن جو شان اور فضیلت اول وقت میں ہے اس سے محروم ہے۔

قرآن مجید میں اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی حدیث سے روز اول کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا روز اول قربانی افضل ہے اور کسی عذر کی بناء پر تیسرے چوتھے روز جائز ہے۔

هذا ما عندی
واللہ اعلم وعلمہ اتم
الراقم علی محمد سعیدی
جامعہ سعیدیہ خانیوال

از قلم مولانا سید اقتدار احمد مرحوم سہسوانی

ایام نحر کے تحقیقی مقالہ پر تشریحات

اب سے چالیس سال پیشتر یعنی دس ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ ہجری میں استاذی مولانا محمد بشیر محدث سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ تعین ایام نحر کی بابت تحریر فرمایا تھا جس میں ۱۰-۱۱-۱۲- ذی الحجہ کی تعین کے خلاف آخر ذی الحجہ تک جواز کا ثبوت تھا۔ وہ فتویٰ بشکل اشتہار وحید المطابع واقع محلہ دارانگر بنارس میں طبع ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا مرحوم کا قیام ریاست بھوپال میں تھا۔ اشتہار کے اندر وعدہ کیا گیا تھا مسئلہ مسؤلہ مع جملہ مالہا وما علیہا بڑے رسالہ کے اندر چھپے گا۔ جب مولانا مرحوم کا قیام دہلی میں ہوا تو اس بڑے رسالہ کو بہت سے لوگوں نے مولانا کے پاس دیکھا چنانچہ میں نے بھی دیکھا کہ وہ رسالہ پورا ضخیم بلکہ خاصی کتاب تھی۔ مگر افسوس اس کتاب کے چھپنے سے پیشتر مولانا نے جہان فانی کو الوداع کہا اور اہل علم و تحقیق چشم براہ رہ گئے تلامذہ و معتقدین نے بہت کچھ جستجو کی لیکن رسالہ ہاتھ نہ لگا۔ مرحوم کا کتب خانہ تو حاجی عبدالغفار مرحوم دہلوی علی جان والے نے ان کے بیٹے مولوی محمد مرحوم سے خرید لیا تھا۔ لیکن یہ رسالہ اس کتب خانہ میں نہ تھا۔ اب بعض عزیزان وطن سے مسلسل سن رہا ہوں کہ وہ رسالہ مولانا کا علمی میرے ہی وطن سہسوان میں میرے ہی ایک عزیز کے پاس موجود ہے جس کا انہوں نے خود ذکر کیا ہے مگر اب وہ کسی مصلحت یا غرض سے نہ تو رسالہ کسی کو دکھاتے ہیں نہ اپنے پاس موجود ہونے کا اقرار کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب بہرکیف اگر یہ رسالہ دستیاب ہو گیا ہوتا تو کبھی کا چھپ چکا ہوتا یا اب دستیاب ہو جائے تو چھپ کر اہل علم و تحقیق کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ قبل از طبع اشتہار، جب مسئلہ کی شہرت ہوئی اور شیخ حسین یمنی محدث مرحوم مقیم بھوپال نے یہ مسئلہ سنا تو بہت متعجب ہوئے اتفاقاً ایک روز مسجد میں ملاقات ہوئی تو مولوی محمد بشیر مرحوم سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ جب تک مسئلہ ہمیں نہ سمجھا دو گے ہم مسجد سے باہر نہ جانے دیں گے۔ ابتداً تو مولوی محمد بشیر مرحوم نے پاس ادب اور لحاظ استادی سے گریز کیا اور دوسرے وقت پر ٹالا مگر جب شیخ حسین صاحب نہ مانے تو مولوی محمد بشیر بھی مسجد میں بیٹھ گئے اور اکثر و بیشتر نمازی بیٹھ کر لطف مکالمہ اٹھانے لگے۔ دونوں محدثوں یا استاد و شاگرد کی عالمانہ و محدثانہ مگر مہذبانہ و مخلصانہ گفتگو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی آخر میں شیخ صاحب نے فرمایا۔

مولوی محمد بشیر! اب ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں اب ہم نے مان لیا۔ بیشک تم حق پر ہو۔ اس واقعہ کے بعد فتویٰ چھپا لیکن کوئی رسالہ یا فتویٰ مخالفت میں مولینا مرحوم کے پاس نہ آیا۔ نہ اب تک میرے علم میں آیا۔ اشتہار مجولہ بھی قریب قریب ناپید ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کسی کے پاس ہو۔ میرے پاس صرف ایک کاپی موجود ہے جو امتداد زمانہ سے نہایت بوسیدہ حالت میں ہے کاغذ اپنی عمر ختم کر چکا جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے بعض بعض الفاظ بمشکل تمام پڑھے جا سکے۔ ایسی صورت میں اشتہار کے احیاء ثانیہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے لوگوں کی فرمائش سے دوبارہ طبع کرایا جاتا ہے۔ اور اس فتوے کا نام ایام النحر من عاشر ذی الحجۃ الیٰ آخر الشہر رکھدیا ہے۔ والسلام

سید اقتدار احمد سہسوانی
مقیم محلہ نبی اسرائیلان علیگڑھ
مکان مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم
۶/جون ۱۹۲۹ء

توضیح المفید برفتاویٰ علماء حدیث: اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایام نحر قربانی کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف ہے اس میں سے مصنف کا رسالہ بھی ہے شیخ الشیخ مرحوم نے قرآن اور حدیث کے عموم سے ثابت کیا ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ سے آخر ذی الحج تک قربانی کا وقت ہے لیکن اس پر تعامل امت نہیں پایا گیا میرے نزدیک اس کی مثال نمازوں کے اوقات کی ہے، مثلاً نماز ظہر کا وقت دلوک الشمس سے ایک مثل تک اور عصر کی نماز کا وقت غروب الشمس تک ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین و محقق محدثین کا تعامل اول وقت کا ہے آخر وقت عادت بنالیں نماز تو ہو جائے گی، لیکن منافقانہ نماز ہو گی۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ہے اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰۰ اونٹ قربانی کیا تھا، لیکن ۱۰ تاریخ کو سب کے سب قربانی کئے اگر سارے ماہ میں مساوی ہوتا تو متفرق ایام میں آپ قربانی فرماتے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلہ میں کہ اضحیہ آخر شہر ذوالحجہ تک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب وہو الموفق للصواب

اضحیہ آخر شہر ذوالحجہ تک جائز ہے۔ دلیل اس پر یہ آیۃ سورۂ حج کی ہے لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ج یہ نص مطلق ہے لیکن حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو صحیح مسلم میں مروی ہے ان النبی صلعم اذا رأیتم ھلال ذی الحجۃ واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ۔ نص مطلق قرآنی کو شہر ذی الحجہ کے ساتھ مقید کر دیا۔ اور اول وقت اضحیہ کی تعیین احادیث صحیحہ نے کر دی جو صحیحین وغیرہما میں مروی ہیں ان میں سے ہے حدیث براء رضی اللہ عنہ کی قال قال النبی صلعم ان اول ما نبدء بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما ھو لحم قدمہ لاھلہ لیس من النسک فی شئ۔ ان دو قیدوں میں جو ان احادیث سے سمجھی جاتی ہیں کسی کا خلاف نہیں ہے اور آخر وقت اضحیہ کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کیونکہ ادلہ جو اس باب میں کتب میں منقول ہیں وہ تین ہیں۔ اول دلیل داؤد ظاہری وغیرہ کی جن کا یہ مذہب ہے کہ قربانی خاص ہے شہر ذی الحجہ کی دسویں روز کے ساتھ۔ ان کی بڑی قوی دلیل حدیث الیس ھذا یوم النحر۔ ہے۔ پس اول تو اس حدیث کی دلالت اختصاص پر غیر مسلم ہے۔ و بر تقدیر تسلیم حدیث کے ایسے معنی کرنا چاہئے جو موافق ہوں آیت کے۔ ظاہر آیۃ کا تو صاف دلالت کرتا ہے اس پر کہ اضحیہ ایام معلومات میں چاہئے جس کا اقل تین یا دو ہیں علی اختلاف القولین فی اقل الجمع اور داؤد ظاہری جو معنی حدیث میں آخر وقت اضحیہ کی تعین پر کوئی دلیل نہ ہوئی۔ دوسری دلیل مالکیہ و حنفیہ و حنابلہ کی ہے ان کی بڑی قوی دلیل اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے جو موطا امام مالک میں مروی ہے الاضاحی یومان بعد یوم الاضحی یہ قول صحابی ہے اور قول صحابی بعد ثبوت بالسند میں جمہور محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے اور مالا یدرک بالرائے ہونا اس کا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ ابن عمر رض نے استنباط اس تحدید کا آیت سے کیا ہو اس طرح پر کہ آیت میں لفظ ایام لفظ جمع ہے اور اقل جمع تین ہیں اس لئے تین دن اضحیہ کے ہوئے اور اس تحدید کے باب میں صراحۃً کوئی حدیث مرفوع

ان کے پاس نہ ہو۔ فلا بد لنفی ھذا الاحتمال من دلیل ومن یدعی کونہ مما لا یدرک بالرأی فعلیہ الدلیل

تیسری دلیل امام شافعی کی ہے ان کی دلیل حدیث جبیر بن مطعم ہے جس میں یہ زیادت ہے وفی کل ایام تشریق ذبح جمہور محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے اگر کسی طریق کو ترجیح دی جائے تو اضطراب رفع ہو جاتا ہے لیکن انقطاع باقی رہتا ہے کیونکہ کوئی طریق راجح انقطاع سے خالی نہیں ہے اور اگر کسی طریق کو ترجیح نہ دی جائے تو اضطراب ثابت رہتا ہے اگر کوئی شبہ کرے کہ حافظ نے تخریج ہدایہ میں لکھا ہے واخرجہ الدارقطنی من وجھین آخرین موصولین فیھما ضعف انتھٰی۔ پس دونوں طریق کی وجہ سے اس حدیث کی تقویت ہو جائے گی تو جواب یہ ہے کہ یہ طریق کوئی جدید نہیں ہیں بلکہ طرق موجبہ اضطراب ہیں جو سبب ضعف ہیں داخل ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ اس باب میں ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے یہ دونوں روایتیں حدیث جبیر بن مطعم کی تقویت کے لئے کافی ہیں تو جواب یہ ہے کہ حدیث ابو ہریرہ و ابو سعید رض موضوع ہیں یا شدید الضعف اس لئے تقویت نہیں کر سکتی ہیں اور منقطع و مضطرب جمہور بلکہ کل محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آخر وقت اضحیہ کی تعین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ پس آیۃ مذکورہ آخر وقت اضحیہ کے بارہ میں اپنے اطلاق پر باقی رہی کیونکہ تقیید مطلق کی بغیر دلیل کے جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اضحیہ آخر شہر ذی الحجہ تک جائز ہے اور موید ہے اس کی حدیث ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن و سلیمان بن یسار جس کو ابو داؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔ جمال الدین مزی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف میں لکھتے ہیں:۔ حدیث ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن و سلیمان بن یسار انہ بلغھما ان رسول اللہ صلعم قال الاضاحی الی ھلال المحرم اذا اراد ان یستأنی ذلک اخرجہ ابو داؤد فی المراسیل عن موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابان عن یحییٰ عن محمد بن ابراھیم عن سلیمان بن یسار مولی میمونۃ وابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن بہ انتھٰی اس مرسل کے سب رجال رجال صحیحین ہیں۔ اور دارقطنی نے بھی اس کو اپنے سنن میں روایت کیا ہے لفظ اس کا یہ ہے حدثنا ابوبکر النیسابوری نا احمد بن سعید بن صخر نا حبان بن ھلال انا ابان بن یزید نا یحییٰ نا ابن کثیر عن محمد بن ابراھیم حدثنی ابو سلمۃ و سلیمان بن یسار انہ بلغھما ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم قال الضحایا الی آخر الشھر لمن اراد ان یستأنی ذالک انتھٰی ... سب رجال اس کے رجال صحیحین ہیں سوائے ابوبکر

نیساپوری کے ان کی توثیق پر علماء کا اتفاق ہے۔ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں
ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن زیاد بن واصل بن میمون النیسابوری قال الدار قطنی ما رأیت احفظ منہ وقال الدار قطنی ایضاً کنا ببغداد فی مجلس فیہ جماعۃ من الحفاظ یتذاکرون فجاء رجل من الفقہاء فسألہم من روی عن النبی صلعم جعلت لی الارض مسجدا وجعلت تربتہا طہوراً فقالت الجماعۃ روی ہذا الحدیث فلان وفلان فقال السائل ارید ہذا لفظ یکن من احد منہم جواب قالوا لیس لنا غیر ابی بکر نیساپوری فقاموا کلہم الیہ فسألوہ عن ہذا للفظ فقال نعم حدثنا فلان عن فلان وساق فی الوقت الحدیث من حفظہ واللفظ فیہ ہذا آخر ما ذکرہ الشیخ ابو اسحٰق واتفق العلماء علی توثیق ابی بکر ہذا واثنا علیہ واکثر الدار قطنی عنہ فی سُنَنہ انتہیٰ۔

زیلعی تخریج ہدایہ احادیث مس المراۃ کے ذکر میں لکھتے ہیں والنیساپوری امام مشہور۔ دار قطنی نے ابو بکر نیساپوری کی روایت کی چند جگہ اپنی سنن میں تصحیح کی ہے۔ یہ مرسل اگرچہ جمہور محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے مگر تائید کے لئے کافی ہے اور ائمہ اربعہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کثیرہ اور جمہور اصولیین کے نزدیک قابل احتجاج ہے اور شیخین وابن خزیمہ اور حاکم کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ماہر علم اصول حدیث پر یہ بات مخفی نہیں اس لئے اتباع آئمہ اربعہ وغیرہ ہم کو اس کا تسلیم کرنا ضرور ہے اور مرسل مذکور کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ عبارت فتح الباری سے جو آگے انشاء اللہ تعالیٰ نقل کی جائیگی ظاہر ہو گا۔ اور یہی موید اس کی ہے حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی جس کو بخاری اپنے صحیح میں تعلیقاً لائے ہیں لفظ ان کا یہ ہے وقال یحییٰ بن سعید سمعت ابا امامۃ بن سہل قال کنا نسمن الاضحیۃ بالمدینۃ وکان المسلمون یسمنون۔ اور ابو نعیم نے مستخرج میں اس کو موصول کیا ہے فتح الباری میں قول مذکور کے تحت میں ہے وصلہ ابو نعیم فی المستخرج من طریق احمد بن حنبل من عباد بن العوام اخبرنی یحییٰ بن سعید وھو الانصاری ولفظہ کان المسلمون یشتری احدھم الاضحیہ فیسمنہا ویذبحہا فی آخر ذی الحجۃ انتہیٰ۔

یہ ابو امامہ وہ شخص ہیں جن کی صحابیت من حیث الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ من حیث الروایۃ تابعی ہیں اور من حیث الروایۃ ان کی صحابیت متفق علیہا ہے اور تابعین میں سے عمر بن عبد العزیز و ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن وسلیمان بن یسار و ابراہیم نخعی کا یہ مذہب ہے اور ابن حزم نے بھی اسی

کو اختیار کیا ہے۔ فتح الباری میں ہے۔ وقیل الی اخر الشھر وھو عن عمر بن عبد العزیز وابی سلمۃ بن عبد الرحمن وسلیمان بن لیسار وغیرھم وقال بہ ابن حزم متمسکا بعدم دماودنص بالتقیید واخرج ماروا ۲ ابن ابی شیبۃ من طریق ابی سلمۃ بن عبد الرحمن وسلیمان بن لیسار قالا عن النبی صلعم مثلہ قال وھذا سند صحیح الیھما لکنہ مرسل فیلزم من یحتج بالمرسل ان یقول بہ قلت وسیاتی عن ابی امامۃ بن سھل فی الباب الذی یلیہ شیئ من ذالک انتھی ... ۔ اور تفسیر ابن کثیر میں ہے وقیل ان وقت الذبح یمتد الی آخر ذی الحجہ وبہ قال ابراھیم النخعی و۱۴ اور زیادہ تحقیق اس مسئلہ اور اس کے مالہا وعلیہا کی بڑے رسالہ میں ہے جو طیار ہو کر عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ چھپنے والا ہے فانتظروھا ایہا المستنجون۔

المجیب محمد بشیر عفی عنہ

تصدیع! خدمتمیں ان علماء کی جن کی نظر سے یہ فتویٰ گزرے یہ ہے کہ بعد غور کامل کی موافقت یا مخالفت رائے سے احقر کو مطلع فرمائیں اور در صورت مخالفت اس کی وجہ بھی بیان کیجائے۔

(۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۰ھ یہ رسالہ مکتبہ سعیدیہ خانیوال میں موجود ہے)

باب ذبح

سوال :۔ اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کرنا عبادت ہے اس کی کیا دلیل۔

جواب :۔ اللہ تعالیٰ نے پ سورہ انعام میں فرمایا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

بے شک میری نماز۔ میری قربانی۔ میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ رب العلمین کیلئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

حدیث میں ہے۔ لَعَنَ اللہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللہِ۔ جو شخص غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے۔ (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۲۲)

سوال :۔ ذبح سے کیا مراد ہے۔

جواب :۔ ذبح سے مراد وہ جانور مراد ہے جو کسی بزرگ یا پیر کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کیا جاتا ہے۔ ایسا جانور حرام ہے اور ذبح کرنے والا مشرک ہے۔ اس لئے کہ تقرب اور احترام

کیلئے جانور ذبح کرنا عبادت ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو جانور کسی مہمان یا بزرگ کی آمد پر اس کے کھانے کیلئے ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مہمانی میں داخل ہے اور مہمانی سنت ہے۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۲۲)

توضیح: مہمان نوازی بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔ (سعیدی)

سوال:۔ آیا عورت جانور ذبح کر سکتی ہے۔

جواب:۔ عورت کا ذبح کردہ جانور حدیث کی رو سے جائز ہے۔

(مولانا: ابو البرکات احمد گوجرانوالہ اہلحدیث لاہور جلد ۳ ش ۱۸)

سوال:۔ سخت بیماری کی حالت میں بعض اس خیال سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کرتے ہیں کہ اس جانور کے بدلے میں مریض کی جان بچ جائے گی ایسا کرنا درست ہے۔

جواب:۔ اس خیال سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے موت کا وقت مقرر ہے۔

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ه إِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ۔

صدقہ رد بلا خیال سے جائز ہے (مولانا: عبدالسلام بستوی دہلوی اخبار اہلحدیث جلد ۹ ش ۳۰)

سوال:۔ ایک بھینس بیمار تھی وہ مرنے لگی تقریباً چالیس افراد کی موجودگی میں اس کو ایک بے نماز تارک صلوٰۃ نے ذبحہ کیا کیونکہ وہ بیمار ہو گئی تھی اب سوال یہ ہے کہ تارک نے چونکہ یہ ذبح کی تھی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ بھینس کو حرام موت بچانے کی غرض سے شخص مذکور کا ذبحہ جب کہ اس نے تکبیر بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ کہہ کر ذبح کیا ہے حلال ہے اگر بھول سے تکبیر بھی نہیں کہی تو بسم اللہ پڑھ کر۔ اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا کھالینا جائز درست ہے البتہ آئندہ احتیاط کی جائے کہ نمازی لوگ موجود ہوتے خود ذبحہ کریں بے نماز کو ذبح نہ کرنے دیں۔ فقط راقم الحروف عبدالقہار غفرلہ الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار دہلوی (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ صفحہ ۱۹)

سوال:۔ اگر ایک مسلم سہواً ذبح کے وقت تکبیر بھول گیا تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام اور تکبیر نے ساتھ إِنِّي وَجَّهْتُ الخ پڑھنا ضروری ہے۔

جواب:۔ مسلم بسم اللہ بھول جائے تو معاف ہے حدیث میں آیا ہے کہ مسلم کے دل میں بسم اللہ ہے

عند الذبح اِنِّی وَجَّهْتُ پڑھنا مسنون ہے اہلحدیث ۲۴ جون ۱۹۳۲ء)

شرفیہ :- قولہ مسلم بسم اللہ بھول جائے الخ حرام ہے اس لئے کہ یہ نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے ۔ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الآیۃ... پ ۸ ع ۱ ۔ یہ ایسا ہے جیسے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (الآیۃ پ ۵ ع ۲ اور جس حدیث کا مولانا نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں وہ ابن عباس سے مروی ہے بلفظ المسلم يكفيه اسمه فان نسي ان يسمي حين يذبح فليسم ثم ليأكل أخرجه الدارقطني وفيه راو في حفظه ضعف وفي إسناده محمد بن يزيد بن سنان وهو صدوق ضعيف الحفظ وأخرجه عبد الرزاق بإسناد صحيح إلى ابن عباس موقوفا عليه وله شاهد عند أبي داود في مراسيله بلفظ ذبيحة المسلم حلال ذكر اسم الله عليه أم لم يذكر ورجاله موثقون انتهى ما في بلوغ المرام وقال في تقريب التهذيب محمد بن يزيد بن سنان ليس بالقوي والمراسيل رواه البيهقي موصولا وفي إسناده ضعف وقال البيهقي الأصح وقفه على ابن عباس وقد روي عن أبي هريرة وهو منكر أخرجه الدارقطني وفيه مروان بن سالم وهو ضعيف انتهى ما في تلخيص الحبير ص ۳۸۳ - وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أنهر الدم وذكر اسم الله عليه فكل الحديث متفق عليه كذا في بلوغ المرام ۔

پس کتاب اللہ اور حدیث سے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ذبیحہ کیلئے شرط ہے فاذا فات الشرط فات المشروط ۔ نص کتاب وسنت کے مقابل قول صحابی حجت نہیں اور مرفوع روایت جو خلاف ہے اول تو صحیح نہیں دوم نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے ۔ لہذا قابل عمل نہیں ۔ اور کتاب وسنت صحیحہ کے ہوتے ہوئے کسی کا قول حجت نہیں

ابوسعید شرف الدین (محدث) دہلوی فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۷۰

توضیح :-

حافظ ابن کثیر رحمہ نے اس بارہ میں علماء کے تین قول نقل کئے ہیں اول یہ کہ ایسا ذبیحہ حرام ہے

خواہ بسم اللہ کو بوقت ذبحہ عمداً ترک کرے یا سہواً یہ مروی ہے عبداللہ بن عمر۔ نافع۔ عامر شعبی۔ ابن سیرین سے اور وہ مروی ہے۔ امام مالک اور امام احمد سے اور ایک جماعت اصحاب اسکے سے متقدمین اور متاخرین اور یہی مختار ہے ابوثور اور داؤد ظاہری کا۔ اور یہی مختار ہے۔ متاخرین شافعیہ کا جیسا کہ محمد بن محمد متاخرین شافعیہ سے اور دلیل انکی آیۃ ہے وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

مذہب ثانی یہ ہے کہ بسم اللہ بوقت ذبحہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اگر عمداً یا نسیاناً رہ جائے تو کوئی مضر نہیں یہ مذہب ہے امام شافعی اور اسکے تمام اصحاب کا اور ایک روایت میں امام مالک اور احمد بن حنبل کا بھی ہے اشہب بن عبدالعزیز نے اسکے اصحاب سے نص فرمائی ہے حضرت ابن عباس۔ ابوہریرۃ۔ اور عطاء بن ابی رباح سے یہ مروی ہے وحمل الشافعی واصحابہ الایۃ الکریمۃ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَىٰ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ۔

مذہب تیسرا ترک بسم اللہ عندالذبحہ نسیاناً کوئی مضر نہیں دیدہ دانستہ حلال نہیں۔ یہ مشہور ہے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رح اور اسکے اصحاب واسحاق بن راہویہ کا۔ اور وہ مروی ہے حضرت علی۔ ابن عباس۔ سعید بن المسیب عطاء۔ طاؤس۔ حسن بصری۔ ابی مالک۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ۔ جعفر بن محمد۔ ربیع بن ابی عبدالرحمن وغیرہ سے امام ابوالحسن مرغیانی نے اپنی کتاب میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء اور نسیان کو معاف کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اگر روزہ دار بھول چوک سے کھا پیں لئے تو معاف ہے روزہ میں نقص نہیں ہے اگر کوئی نماز کو بھول جائے جب یاد آئے پڑھے اس کا وہ یہی وقت ہے۔ کھانے اور پینے میں بسم اللہ بھول جائے تو جب یاد آجائے پڑھ لے اسی طرح بوقت ذبحہ بسم اللہ بھول جائے یاد آنے پڑھ لے شیخ الاسلام حضرت مولنا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم کا فتویٰ تیسرے مذہب کے مطابق ہے اور حضرت ابوسعید محمد شرف الدین مرحوم کا فتویٰ مطابق مذہب اول کے ہے۔ شیخ الاسلام کا فتویٰ جواز پر ہے اور مفتی ثانی کا فتویٰ احتیاط پر ہے۔ دلائل کی روسے تیسرا مذہب قوی ہے۔

ہذا ما عندی اللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب محمد ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(جامعہ سعیدیہ خانیوال)

الاستفتاء

(متعلقہ ذبیحہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصاب نے بوقت ذبح گھنڈی کو بجانب سینہ کر دیا ہے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ ذبیحہ حلال ہے۔ کیونکہ هدایہ میں ہے:۔ وهی اختیاریة کالجرح فیما بین اللبة واللحیین ج ۴ ص ۴۱۸ اور دوسرے جگہ ہے والاصل فیہ قولہ علیہ السلام الزکوٰة مابین اللبة واللحیین ولانہ مجمع المجری والعروق فیحصل بالفعل فیہ انهار الدم علی ابلغ الوجوہ فکان حکم الکل سواء ج ۴ ص ۴۲۱۔ اور عینی شرح بخاری جلد ۱۰ ص۳۷ میں ہے:۔ وفی المبسوط مابین اللبة واللحیین واللبة راس الصدر واللحیان الذقن اور کنز کی شرح میں ہے:۔ وفی البنایة هذا صحیح لانه لا اعتبار ان یکون العقدة من فوق او من تحت الاتری الی قول محمد بن الحسن فی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کله اسفله ووسطه واعلاه فاذا ذبح فی الاعلی لابد ان تبقی العقدة من تحت ولم یلتفت الی العقدة لا فی کلام اللہ ولا فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل الذکاة مابین اللبة واللحیین بالحدیث۔ کتاب الذبائح۔ اور عینی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۳۷، اور ہدایہ جلد ۴ ص۴۳۱ میں ہے، وفی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کله ووسطه واعلاه واسفله اور شرح وقایہ کے حاشیہ میں ہے وقال الشامی لکن روایة الامام الرستغفنی تخالف هذه حیث قال هذا قول العوام ولیس بمعتبر فتحل سواء بقیت العقدة مما یلی الراس او الصدر لان المعتبر عندنا قطع اکثر الاوداج وقد وجد وکان شیخی یفتی بهذه الروایة ویقول الرستغفنی امام معتمد فی القول والعمل ولان اخذنا یوم القیمة للعمل بروایة فاخذه کما اخذناه وذکر فی البنایة اما الحدیث دلیل ظاهر لهذا الروایة وروایة المبسوط تساعدها ومافی الذخیرة مخالف لظاهر الحدیث

اور نیز جو عروق فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے ذبح کیوقت کٹنے کی لکھی ہیں وہ ۲ دو ودج ایک حلقوم اور مری ہیں اور امام علیہ الرحمۃ کے نزدیک تین پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہدایہ جلد ۴ ص۲۱۴ میں ہے۔ فالحاصل ان عند ابی حنیفۃ اذا قطعت الثلاث ای ثلاث کان یحل۔

اور دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ذبیحہ حرام ہے۔ کیونکہ گھنڈ کے اوپر حلقوم اور مری نہیں لہٰذا دو رگیں کٹیں۔ پس ذبیحہ موافق مذہب امام ابی حنیفہ رح حرام ہوا۔ کیونکہ کاٹنا اکثر کا شرط ہے اور شرح وقایہ میں ہے۔ فلم یجز فوق العقدۃ اگرچہ شرح میں ہے والبعض افتوا بالجواز لقولہ علیہ السلام الذکوٰۃ بین اللبۃ واللحیین اور متن شرح پر مقدم ہے۔ اور حدیث جو ذکر کی ہے وہ ضعیف ہے۔ شامی اور ذخیرہ میں اسی طرح ہے اب سوال یہ ہے کہ کس کا فتویٰ ازروئے شرع شریف مذہب اہل سنت میں صحیح اور درست ہے؟ اور فوق الحقدۃ حلقوم اور مری اور دیگر رگیں ہیں یا نہیں اور فوق العقدۃ ذبح ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

۲۲۳۳/۱۲۲ ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء یوم سہ شنبہ

مستفتی (مولوی) عبدالرزاق (صاحب مدرس سوم مدرسہ سعیدیہ) موذن مسجد الخالق پل بنگش دھلی

مندرجہ بالا استفتاء حضرت مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی نے خود مولوی عبدالرزاق صاحب کے نام سے بھیجکر جواب حاصل کیا تھا تاکہ احناف پر حجت قائم رہ سکے (سعیدی)

الجواب

ذبیحہ فوق العقدہ کی حلت کے بارے میں پہلے مولوی صاحب کا بیان وتحریر صحیح ہے (والذبح بین الحلق واللبۃ وفی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ) واتی بلفظ الجامع الصغیر لان فیہ بیانا لیس فی روایۃ القدوری اذ الذبح بین الحلق واللبۃ ولیس بینہما مذبح غیرھما فیحمل علی مایدل علیہ لفظ الجامع الصغیر والاصل فیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکاۃ مابین اللبۃ واللحیین وھو یقتضی جواز الذبح فوق الحلق قبل العقدۃ لانہ وان کان قبل العقدۃ فھو بین اللبۃ واللحیین وھو دلیل ظاھر للامام الرستغفنی رحمہ اللہ تعالیٰ فی حل مابقی عقدۃ الحلقوم ممایلی الصدر وروایۃ المبسوط ایضا تساعدہ ولکن صرح فی ذبائح

الذخیرۃ ان الذبح اذا وقع اعلیٰ من الحلقوم لا یحل وکذلک فی فتاوی سمرقند لانہ ذبح فی غیر المذبح وھو مخالف لظاھر الحدیث کما تری ولان ما بین اللبۃ واللحیین مجمع العروق والمجاری فیحصل بالفعل فیہ انھا الدم علی ابلغ الوجوہ وکان حکم الکل سواء ولا معتبر بالعقدۃ" عنایہ شرح ھدایہ علی ھامش تکملۃ فتح القدیر الجزء الثامن ص ۵۷۔ دوسرے مولوی صاحب کا اس حدیث مذکورہ کو ضعیف ٹھیرانا بغیر بیان کرنے وجہ ضعف کے صحیح اور قابل اعتبار نہ ہوگا۔ فقہائے عظام رضی اللہ عنہم کا استدلال اس حدیث سے اس حدیث کے معتبر وقابل استدلال ہونے کی دلیل ہے تو ضعیف ٹھیرانے کا دعویٰ بغیر بیان کرنے وجہ ضعف کے صحیح نہ ہوگا فقط واللہ اعلم۔



اجابہ، وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی (نقشہ مہر)

الجواب صحیح

(مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال:- میں ایک ٹھاکر کے یہاں ملازم ہوں کھانا بھی ان کے یہاں سے آتا ہے گوشت انکے یہاں پکتا ہے جسکے متعلق مجھے تردد ہے گوشت یا تو وہ شہر سے منگاتے ہیں یا مجھ سے بکرا ذبح کراتے ہیں میرے خیال میں جب کبھی گوشت ان کے یہاں پکتا ہے میرا ہی ذبح کیا ہوا پکتا ہے لیکن چونکہ وہ گوشت نظروں سے غائب ہو جاتا ہے اور گھر کے اندر سے پک کر آتا ہے اسلیئے میں نہیں کھاتا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انکا یہ کہنا کہ اسی گوشت میں سے ہے دیانت میں داخل نہیں اور اسکا کھانا جائز ہے۔ پکا ہوا کھانا دیتے وقت وہ کچھ بھی نہیں کہتے دریافت کرنے بھی کبھی کہتے ہیں کہ آپکا ذبح کیا ہوا گوشت ہے یا قبل اسکے اور کوئی بات بہرحال مجھکو کیا کرنا چاہیئے آیا گمان غالب پر کھا لینا چاہیئے کیونکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرے ہی ہاتھ کا ذبیحہ گھر میں سے پک کر آتا ہے قاضی خاں وغیرہ نے تو ان شبہات کو رفع کیا ہے یعنی اگر وہ یہ کہائیں کہ یہ گوشت اسی میں کا ہے تو معاملہ ہے اور اگر کہیں کہ یہ تمہارا یا کسی مسلمان کا ذبیحہ ہے تو دیانت ہے لیکن مجھکو ابھی اطمینان نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا مفصل جواب مرحمت فرما دیں۔

الجواب:- فِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ وَيُقْبَلُ قَوْلُ كَافِرٍ وَلَوْ مَجُوسِيًّا قَالَ اشْتَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ كِتَابِيٍّ

فیعمل او قال اشتریتہ من مجوسی فیحرم ولا یردہ یقول الواحد واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات اھ۔

پس کافر کا یہ کہنا کہ یہ اسی ذبیحہ کا گوشت ہے منجملہ دیانات متعلقہ حل وحرمت ہے لہٰذا حسب روایات بالا اس کا قول مقبول نہیں جیسا ظاہر ہے۔

قلت ھذا ھو القول المشھور وفیہ سلامۃ العوام لکن فاتت فیہ دقیقۃ وھی ان ھذا اذا لم یقم علی کونہ ذبیحۃ للمسلم دلیل الا قول الکافر فیصح فیہ الحکم اما اذا حفت بہ قرائن قویۃ تفید الطمانینۃ بکونہ ھو فھو حلال بلا تلعثم لان العمل فی ھذہ الصورۃ یکون بالدلیل غیر قول الکافر نظیرہ ما ورد فی الاحادیث ان بعض من صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما حولت القبلۃ شھد قباء وقت الفجر وشھد ان القبلۃ تحولت فتحولوا عن آخرھم مع خبر الواحد ظنی والقبلۃ السابقۃ کانت قطعیۃ فکیف رأوا الظنی معارضا للقطعی فذلک الذی ذکرت ھو الموجب فی ھذا الحدیث فان اکلتم فی الصورۃ المسئولۃ لا باس بہ بشرط شھادۃ القلب انہ ھو فقط۔

واللہ اعلم

سوال :۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا۔ (بخاری)

مرزائی ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہمارے جیسی نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں، کیا اس حدیث کے پیش نظر وہ مسلمان تصور ہوں گے؟ اگر نہیں تو حدیث کا کیا منشا ہے۔؟

سائل :۔ صدیق الحسن فاروقی

الجواب :۔ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپؐ پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ مسئلہ ختم نبوت تواتر سے ثابت ہے۔ اور اس پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ جو بھی شرعی مسئلہ تواتر سے ثابت ہو، اس کا انکار یا اس کے خلاف عقیدہ رکھنا صریح کفر ہے، کیونکہ شرعاً کفر کی تعریف یہ ہے :۔

انکار ما علم بالضرورۃ مجیئ الرسول بہ۔ شریعت میں جو بھی مسئلہ تواتر سے ثابت ہو، اس کا انکار کفر ہے، مرزائی چونکہ ختم نبوت کے منکر ہیں جو کہ تواتر سے ثابت ہے اور مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔

اس بدعقیدہ کی بناء پر مرزائی مطلقًا کافر ہیں۔

مندرجہ حدیث میں لفظ صلوٰۃ، قبلہ، ذبیحہ کی اضافت لفظ "نا" کی طرف ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہوئے آپ کی بتائی ہوئی نماز پڑھے اور آپ کی تصدیق کی رُو سے ہی قبلہ خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کی اطاعت اور ہدایت کی بناء پر ہی مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے، وہ صحیح العقیدہ مسلمان تصور ہوگا۔

لیکن مرزائیوں کا معاملہ سراسر مندرجہ حدیث کے مفاد کے برعکس ہے۔ مرزائی دنیا جس حد تک شرائع اسلام کی قائل یا عامل ہے اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کا اتباع ہے۔

چونکہ متنبی قادیان کے پاس کوئی اصلاحی اور تعمیری پروگرام نہ تھا، اس لیے اسی میں عافیت سمجھی کہ گمراہ عوام کو شرائع اسلام کی تلقین کی جائے اور یہی فارمولا ان کے سامنے رکھا جائے چنانچہ مرزائی دنیا نماز روزہ وغیرہ شرائع اسلام کی اس لیے قائل ہے کہ ان کے جھوٹے نبی کی یہی ہدایت ہے۔

اگر مرزا دجال اپنے پیروکاروں کو شرائع اسلام سے منع کر دیتا تو یقینًا اس کے متبعین سب احکامات کو خیرباد کہہ دیتے۔ اس کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ سے جہاد کی اہمیت اور قیامت تک اس کا دوام ثابت ہے۔

ہماری شریعت نے اسلام کی سربلندی اور امتِ مسلمہ کی خوشحالی کو جہاد سے ہی وابستہ فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ الجهاد ماض الى يوم القيامة لا يبطله عدل عادل ولا جور جائر آپ نے فرمایا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اسے کسی انصاف پسند بادشاہ کا عدل، یا ظالم کا ظلم نہیں مٹا سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا نصب العین ہی یہ بتایا ہے کہ مجھے ابلیس لعین نے محض جہاد کو منسوخ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ اس جھوٹے بے حیا نے علی الاعلان کہا کہ جہاد منسوخ ہے۔ اور اب کوئی بھی اس کے جواز کا عقیدہ نہ رکھے۔

آج جس حد تک مرزائی دُنیا موجود ہے، مرزا غلام احمد کی اطاعت کی بناء پر ان کا عقیدہ ہے کہ جہاد منسوخ ہے۔ گو قرآن وحدیث کی نصوص اس کے منافی ہیں۔

اسی طرح اگر قادیان کا متنبی یہ کہہ دیتا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں اور خانہ کعبہ ہمارا قبلہ نہیں۔ نہ نماز ہے اور نہ ہی روزہ وغیرہ

احکامات، تو مرزائیوں نے جھوٹے مدعی نبوت کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے سب کچھ قبول کر لینا تھا۔

اس سے بالکل عیاں ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اتباع کا ذکر ہے اور مرزائی غلام احمد کے اطاعت گزار ہیں لہٰذا مذکورہ حدیث کی بنا پر ان کو مسلمان تصور کرنا انتہائی جہالت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی غور ضروری ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا گروہ موجود تھا، وہ ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہمارے جیسی نمازیں بھی پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھا لیتے، جنگوں میں شریک ہوتے۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے ان کو بدترین قسم کا کافر قرار دیا ہے۔ اور مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر ان کے مسلمان ہونے کے بارہ میں کسی کو وہم و گمان تک پیدا نہیں ہوا۔ مرزائی ختم نبوت کے منکر ہیں اس کے باوجود بعض علم و فضل کے مدعی مرزائیوں کو مندرجہ بالا حدیث کی رو سے مسلمان ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور بعض اقتدار کے حریص اور عوام کے ووٹوں کے بھوکے یہ نظریہ بنائے ہوئے ہیں کہ جو مرزائی ہمیں (مسلمانوں) کو کافر کہیں گے تو ہم بھی ان کو کافر کہیں گے ورنہ نہیں۔ بات صاف ہے کہ جن وجوہات سے منافقین کافر ہیں، انہیں کی بنا پر مرزائی بھی کافر ہیں۔
مذکورہ حدیث میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی بظاہر امتیازی علامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر ان کے کسی ایسے اعتقاد کا انکشاف ہو جائے جو کہ صریحاً کفر ہے تو بلاشبہ وہ کافر ہوں گے۔ ہفت روزہ الاسلام لاہور۔

سوال :۔ کوئی شخص گائے یا بکرا یا مرغ کسی شہید یا ولی کے نام ذبح کرے اس مسئلہ میں کیا حکم ہے

جواب :۔ ذبح کرنا جانور کو بنام غیر خدا حرام ہے وہ غیر خدا خواہ پیغمبر ہو خواہ ولی ہو خواہ شہید خواہ غیر انسان ہو اور اگر بہ قصد کے تقرب کے ان لوگوں کے نام پر جانور ذبح کیا جاوے تو وہ جانور حرام و مردار ہو جاتا ہے اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جاتا ہے اس فعل سے پرہیز لازم ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشا پوری اور دوسری تفسیروں میں مذکور ہے ۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهِ التَّقَرُّبَ اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ انتهٰى ۔

یعنی علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اسکے ذبح سے تقرب غیر اللہ کا مقصود ہو تو وہ مسلمان مرتد ہو جاویگا اور اس کا ذبیحہ مانند ذبیحہ مرتد کے ہو جاویگا یہ مضمون کتب تفاسیر کی عبارت مذکور ہے : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۹۷

سوال :۔ کیا عورت کسی جانور کو ذبح کر سکتی ہے ۔

جواب :۔ بوقت ضرورت عورت جانور کو ذبح کر سکتی ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا حلال و درست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے بکری ذبح کر دی تھی آپ نے حلال کا حکم فرمایا تھا ۔ (بخاری شریف)

از مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۳ ص ۱۶

توضیح :۔ بوقت ضرورت کی قید اتفاقی ہے ورنہ مطلقاً عورت جانور ذبح کر سکتی ہے ممانعت پر دلیل نہیں ۔ (سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال :۔ بوقت ذبح گردن الگ ہو جائے تو ذبیحہ حلال ہو گا یا حرام ۔

عمداً اس طرح ذبح نہ کرنا چاہئے ۔ اگر تیز چھری سے اتفاقیہ ایسا ہو جائے تو جانور حرام نہیں ہوتا کیونکہ حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ۔ جب اللہ کا نام لیا گیا اور خون جاری ہو گیا اور رگیں کٹ گئیں جن سے خون حرام نکل گیا تو جانور حلال ہے قرآن مجید میں حکم ہے ۔ كُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی جس جانور کے ذبح پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اس کو کھالو ۔ جو شخص حرام کہتا ہے اس سے دلیل طلب کرو ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب (کتبہ عبدالقادر الحصاری غفرلہ الباری)

الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار دہلوی (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

سوال: ایک شخص نے دو مرغ ذبح کیے، مگر ناواقفی کی وجہ سے ان کی گھنڈی کا کچھ حصہ زبان کا کٹ کر نیچے آگیا۔ کیا یہ حلال ہے یا حرام

جواب:۔ حلال۔ اس قسم کی بھول چوک معاف ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۱۱ دہلی)

زندہ جانور سے کوئی حصہ کٹ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

سوال:۔ ایک بھینسا گاڑی کی زد میں آکر پچھلا حصہ کٹ گیا اسے موقعہ پر ہی ذبح کر لیا گیا۔ پچھلا حصہ جو ذبح کرنے سے پہلے کٹ گیا تھا اسے کھانا جائز ہے

(چوہدری اللہ دتہ موضع نیامی اوکاڑہ)

الجواب بعون الوہاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَہِیْمَۃِ وَہِیَ حَیَّۃٌ فَہُوَ مَیِّتٌ۔

ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چارپائے کے جسم سے جو حصہ ایسے حال میں کٹ جائے کہ چوپایہ زندہ ہو تو وہ کٹا ہوا حصہ مردار ہے۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ اس بھینسے کا جو حصہ گاڑی کی زد میں آکر کٹ گیا ہے وہ مردار اور حرام ہے اور باقی ذبح شدہ حلال ہے۔

(حافظ عبدالقادر روپڑی

اخبار تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۲۶)

باب عقیقہ

سوال: کیا بڑی عمر میں عقیقہ کیا جا سکتا ہے جب کہ علم ہی نہ ہو کہ میرا عقیقہ کیا ہے یا نہیں۔

الجواب بعون الوہاب صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عقیقہ کیا جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں۔ عقیقہ اگر پہلے ہو گیا ہے تو صدقہ ہی ہو جائے گا ورنہ عقیقہ۔ قربانی علیحدہ ہو یا شرکت میں ہو کر سکتا ہے فقط۔ عبد القہار غفرلہ ۲۲ صفر ۱۳۸۲ھ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص ۵۲)

سوال: قربانی کی طرح عقیقہ کی گائے میں تو غالباً سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: گائے سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔ سات لڑکیوں یا دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ ہو سکتا ہے۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ۔ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص ۶۵)

سوال: کیا صرف گائے ذبح کرنے سے عقیقہ ہو جائیگا۔

جواب: بنیت عقیقہ گائے ذبح کرنے سے عقیقہ ہو جائے گا۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۳)

سوال: کیا ایک گائے سات بچوں کی طرف سے عقیقہ میں ہو سکتی ہے۔

جواب: ایک گائے شرعاً سات بکریوں کے قائم مقام ہوتی ہے لہٰذا ایک گائے تین لڑکوں اور ایک لڑکی یا صرف سات لڑکیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۳)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ زید سفر میں ہے زید کے گھر لڑکی لڑکا پیدا ہوا زید سفر میں عقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں از رد دے قرآن وحدیث حوالہ تحریر کریں۔

جواب: بحکم وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ۔ عقیقہ کرنا والد کے ذمہ ہے وہ اپنا ذمہ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ۔ دہلی
جلد ۲ ص ۱۲۳

سوال :۔ لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کس طرح کیا جائے۔ کتنے دن کے بعد کرنا سنت ہے ہم نے سوانح میں دیکھا ہے کہ بعد ہفتہ کے کرنا سنت ہے۔ اگر ہفتہ کو نہ کرسکا تو کب تک کرسکتے ہیں۔ کتنے بکرے لڑکی کے واسطے اور کتنے لڑکے کیلئے۔ بعد ذبح کس کس کو حق ہے کہ گوشت عقیقہ کا تقسیم کیا جائے۔ اور کون کون لوگ عقیقہ کا ذبیحہ کھانے کے مستحق ہیں۔ اور کھانا کھلانا بھی سنت یا نہیں؟ کیا عقیقہ کے ذبیحہ کی ہڈی توڑی نہیں جاسکتی تفصیل وتشریح سے جواب دیں۔

جواب :۔ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے: جتنی عمر کا جانور قربانی میں ہوسکتا ہے اتنی ہی عمر کا عقیقہ میں جس طرح قربانی کی تقسیم ہے اسی طرح عقیقہ کی۔ عقیقہ کا اصل وقت پیدائش سے ساتواں دن ہے۔ اگر نہ ہوسکے تو بطور قضا کے چودہواں۔ اکیسواں اقوال ہیں۔ عقیقہ کا گوشت جو اپنے اور برادری کے حصہ کا ہو اسکو پکا کر کھلادے تو منع نہیں جائز ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔

(فتاویٰ ثنائیہ دہلی جلد ۱ ص ۵۶۶)

سوال :۔ گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو سات حصے شمار کئے جائیں گے یا نہیں۔

جواب :۔ گائے کا عقیقہ کسی حدیث میں مجھے یاد نہیں۔ پھر شرکت تو اور بھی قابل ثبوت ہے۔ قربانی میں گائے لگتی ہے مگر عقیقے کا حکم خاص ہے جس کی بابت فرمایا عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ لڑکے سے دو بکریاں ذبح کی جاہیں۔ ۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ۔

تعاقب : بقرو ما جزائے بقر عقیقہ میں آپ کو تردد ہے لہٰذا ثبوت پیش خدمت ہے۔

باب العقیقہ عون المعبود ص ۶۵ حدیث عند الطبرانی وابی الشیخ عن انس رفعہ یعق عنہ من الابل والبقرۃ والغنم ونقلہ ابن المنذر ص ۶۵ عن حفصۃ بنت عبد الرحمن بن ابی بکر والجمہور علی اجزاء الابل والبقر فتاوی نذیریہ ص ۲۳۵ باب العقیقہ میں ابن حجر (ہیثمی) سے ہے وسبع البقرۃ والبدنۃ کشاۃ۔

از حکیم عبدالرزاق آسفول ومولانا ابوالقاسم بنارسی مرحوم مفتی۔ اس اطلاع کیلئے آپ اور مولوی ابوالقاسم بنارسی شکریہ کے مستحق ہیں گائے کا عقیقہ جائز ہے (اہلحدیث سوہدرہ ۱۶ مئی ۱۹۵۲ء)

تعاقب۔ بر تعاقب اور پھر اس کا جواب۔

نوٹ:۔ تعاقب کا ملخص بھی چونکہ جواب تعاقب میں آگیا ہے۔ اس لئے اس کی نقل ضروری نہیں سمجھی گئے (راز) از قلم جناب مولنا ابو القاسم صاحب بنارسی:

اخبار اہلحدیث ۱۰ اکتوبر مـــــ۱۳ پر ایک طویل تعاقبی مضمون شائع ہوا ہے جس میں طبرانی صیغر کی حدیث (لگائے اونٹ عقیقہ میں ذبح کرنے جواز والی) کے ہر راویوں پر جرح نقل کی گئی ہے یہ ساری بحث ایک اردو رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔ جو اس باب میں کچھ عرصہ ہوا ایک مولوی صاحب نے بنگال میں شائع کیا تھا۔ یہی جرحین مولوی عبد الحنان صاحب دلالپوری نے بھی ۱۹۲۱ء میں اخبار اہلحدیث میں شائع کرائی تھیں۔ میں نے انہی دنوں اس مسئلہ پر ایک لبسط مضمون اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا تھا جس میں نہایت تفصیل سے ان تمام اعتراضوں کا جواب دیا تھا جن کو اب مولوی عین الحق صاحب دلالپوری نے دوبارہ اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا ہے اور اسکے وَمَالَہٗ وَمَا عَلَیکہ پر معقول بحث کی جا چکی ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ حافظ ابن حجر جو اصول حدیث کے بھی مصنف ہیں اور اسماء الرجال کے بھی جن کی شرح تخبہ سے اب بھی متعاقب نے استدلال کیا ہے جنہوں نے ذہبی کی میزان الاعتدال پر لسان میزان لکھی ہے اور اس میں ان راویوں پر وہ تمام جرحین مرقوم ہیں جو متعاقب نے لکھی ہیں باوجود اس بات کے علم کے وہ حدیث مذکور کو فتح الباری میں نقل کرتے ہیں اور کسی راوی پر کوئی جرح نہیں کرتے اور مقدمہ میں لکھ چکے ہیں کہ شرح بخاری میں جن احادیث کو میں بغیر جرح کے نقل کروں گا وہ صحیح ہوگی یا حسن۔ علاوہ ازیں اسی حدیث کے راوی انس اپنے بچوں کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ ابوبکر صدیق بھی عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ دیگر صحابہ کا بھی یہی تعامل رہا ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم نے تحفۃ الودود باحکام المولود میں بالتفصیل نقل کیا ہے۔ پھر جمہور محدثین کا بھی یہی تعامل رہا ہے اور دلیل وہی ہے۔ حدیث آخر حضرت میاں صاحب کا بھی (فتویٰ (فتاویٰ نذیریہ جلد دوم صـــ۲۲۸ راز) بھی یہی ہے اور جرحین سب کی سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ تو کیونکہ حدیث مذکورہ مردود ہو گی یہ ساری بحثیں اخبار اہلحدیث جلد ۱۹ مـــ۲ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۱ء ۵ مـــ۳۲ مـــ۳۴ صـــ۳۵ مـــ۳۶ مـــ۳۷ و ۳۹ از ۹ جون ۱۹۲۳ء تا ۲۸ جولائی مـــ۳۲ میں

شائع ہو چکی ہیں۔ جن صاحبوں کے پاس مذکورہ پرچے موجود ہوں وہ ان دلالپوری صاحب کے اعتراض کا شافی جواب ملاحظہ کریں اور حضرت فاضل مدیر اہلحدیث اگر مناسب سمجھیں تو اس مضمون کو کسی پرچہ میں شائع کر دیں۔ غرض متعاقب کے تعاقب سے کوئی صاحب دھوکہ نہ اٹھائیں ان کی ساری جرحیں مرفوع ہیں۔

نوٹ:۔ کوئی صاحب متعاقب کا اصل مضمون ملاحظہ کرنا چاہئیں تو وہ اہلحدیث ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء پھر ۱۷۔ اکتوبر ۳۰ ملاحظہ کریں: راز مرحوم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۹۶/۵۹۷ دہلی)

سوال:۔ عقیقہ کیلئے گائے ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایک گائے دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے کافی ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ جائز ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچوں کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے تھے جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں بَابُ الْعَقِیْقَۃِ عَوْنُ الْمَعْبُوْدِ ص ۶۵ حدیث عند الطبرانی وابی الشیخ عن انس رفعہ یُعَقُّ عَنْہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ونقلہ ابْنُ الْمُنْذِرِ ثم ص ۶۵ عَنْ حَفْصَۃَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَالْجُمْهُوْرُ عَلَی الْاِجْزَاءِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ ابن حجر ہیثمی: الشرح القویم فی شرح مسائل التسلیم ص ۱ میں فرماتے ہیں سَبْعُ الْبُدْنَۃِ وَالْبَقَرَۃِ کَشَاۃٍ اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الودود باحکام المولود ص ۳۲ میں فرماتے ہیں وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ هَلْ تَقُوْمُ غَیْرُ الْغَنَمِ مَقَامَهَا فِی الْعَقِیْقَۃِ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْعَقِیْقَۃِ بِغَیْرِ الْغَنَمِ فَرُوِّیْنَا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَعُقُّ عَنْ وَلَدِہٖ الْجَزُوْرَ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّہٗ عَقَّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ جَزُوْرًا فَاَطْعَمَ اَهْلَ الْبَصْرَۃِ ثُمَّ سَاقَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ کَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ یَعُقُّ عَنْ وَلَدِہٖ الْجَزُوْرَ ثُمَّ ذَکَرَ مِنْ حَدِیْثِ یَحْیٰی بْنِ یَحْیٰی اِبْنَا هُشَیْمُ بْنُ عُتْبَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْہِ مِنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ وُلِدَ لَہٗ اِبْنُہٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَکَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ بِالْبَصْرَۃِ فَنَحَرَ عَنْہُ جَزُوْرًا فَاَطْعَمَہٗ اَهْلَ الْبَصْرَۃِ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَلَعَلَّ مِنْ حُجَّۃِ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْعَقِیْقَۃَ تُجْزِیْ بِالْاِبِلِ وَالْبَقَرِ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَۃٌ فَاَهْرِیْقُوْا عَنْہُ دَمًا وَلَمْ یَذْکُرْ دَمًا دُوْنَ دَمٍ فَمَا ذُبِحَ عَنِ الْمَوْلُوْدِ عَلٰی ظَاهِرِ هٰذَا الْخَبَرِ یُجْزِیْ۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے سے عقیقہ کرنا درست ہے

ایک اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ تو عقیقہ بھی سات ان بچوں کی طرح سے جائز ہے جبکہ ساتوں لڑکیاں ہوں اور تین لڑکے اور ایک لڑکی کی طرف سے اونٹ یا ایک گائے درست ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(مولنا) عبدالسلام لبستوی دہلوی اخبار اہلحدیث دھلی جلد ۹ ش ۱

سوال:۔ گائے یا اونٹ میں عقیقہ کے سات حصے رکھنے جائز ہیں یا نہیں با دلیل بیان فرمادیں۔

الجواب:۔ گائے یا اونٹ میں عقیقہ کا ذکر صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ صرف قیاس ہے اور قیاس صحیح ہے کیونکہ اونٹ گائے کا ہر حصہ ایک بکری کی طرح ہے۔

حافظ: محمد گوندلوی گوجرانوالہ۔ الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۰ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ قربانی کے جانور گائے وغیرہ میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ عقیقہ میں جانور کی عمر کا لحاظ ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ مگر قیاس سے جواز ثابت ہوتا ہے حدیث عمر کی تصریح میں آیا ہے صرف عقیقہ میں شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ کا لفظ آیا۔ جس سے بعض علماء یہ معنی اخذ کرتے ہیں۔ کہ عقیقہ کے جانور قربانی کے برابر ہونے چاہئیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ عقیقہ میں بھی قربانی کے شرائط ملحوظ رکھے جاتے ہیں:

حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ: الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۰ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ عقیقہ کا گوشت کچھ کھلایا جائے کچھ غریبوں میں تقسیم کیا جائے اگر باقی گوشت بچ جائے تو فروخت کر کے غریبوں میں رقم تقسیم ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اس کا شرعی کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ عقیقہ کا حکم اضحیہ کا ہے اس کا گوشت بیچنا نہیں چاہیئے۔

حافظ: محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۰ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ عقیقہ میں لڑکے کے لئے دو بکری اور لڑکی کیلئے ایک تو ثابت ہے اگر کسی وجہ سے دو سے زائد بکریاں ذبح کی جائیں تو درست ہے یا نہیں۔

جواب: صحاح ستہ میں جسقدر روایتیں عقیقہ کے بارہ میں وارد ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرزند کے واسطے دو بکری یا دو دبنے اور دختر کے واسطے ایک بکری یا ایک دبنے ذبح کرنا چاہیے لیکن امام شوکانی رح نے نیل الاوطار جلد ۴ صہ ۳۴۲ میں طبرانی سے حضرت انس رض کی ایک روایت کی ہے قَالَ رَسُوْلُ یُعَقُّ عَنْہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عقیقہ میں اونٹ اور گائے کا ذبح کرنا مسنون و مشروع ہے شارع عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک گائے کو سات سات بکریوں کے قائم مقام فرمایا ہے اس واسطے ایک گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے اس لحاظ سے بعض ائمہ محدثین نے ایک گائے میں سات شخص عقیقہ والوں کی شرکت جائز رکھی ہے چنانچہ نیل الاوطار میں مذکور ہے وَذَکَرَ الرَّافِعِیُّ اَنَّہٗ یَجُوْزُ اِشْتِرَاکُ سَبْعَۃٍ فِی الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ کَمَا فِی الْاُضْحِیَّۃِ وَلَعَلَّ مَنْ جَوَّزَ اِشْتِرَاکَ سَبْعَۃٍ یُجَوِّزُ ھٰھُنَا۔ انتہی امام احمد کے نزدیک بھی گائے اور اونٹ عقیقہ میں کافی ہو سکتے ہیں امام مالک سے اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں امام شافعی نے اس بارہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر کبھی دو بکری سے زائد ذبح کی جائیں تو کوئی قباحت نہیں واللہ اعلم۔

تالیف مولنا مولوی: محمد عبدالجبار مرحوم عمرپوری ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین صہ ۲۵-۲۶

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ عقیقہ کیلئے جانور موٹا تازہ ہو تو سات حصے ہو سکتے ہیں اور دانتوں کی شرط نہیں مگر قربانی میں دانتوں کی شرط ہے۔ بخلاف اس کے بکر کہتا ہے کہ نہیں عقیقہ کا جانور بھی قربانی کے جانور کی طرح دو دانت ہونا ضروری ہے اب زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا

جواب:۔ گائے میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اَلْبَقَرَۃُ عَنْ سَبْعَۃٍ۔ سبل السلام ج ۱ صہ ۱۲۶ فتح الباری پ ۲۲ صہ ۱۸۰ کتاب العقیقہ میں ہے وَالْجُمْہُوْرُ عَلَی اِجْزَاءِ

الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ اَیْضًا وَفِیْهِ حَدِیْثٌ عِنْدَ الطَّبْرَانِیِّ وَاَبِی الشَّیْخِ عَنْ اَنَسٍ رَفَعَهٗ یُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ... یعنی طبرانی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقیقہ میں اونٹ گائے بکری تینوں جانور ہو سکتے ہیں۔

علامہ رافعی رح فرماتے ہیں کہ گائے میں جیسے قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں ویسے ہی عقیقہ میں بھی ہو سکتے ہیں وَذَكَرَ الرَّافِعِیُّ بَحْثًا اَنَّهَا تَتَاَدّٰی بِالسَّبْعِ كَمَا فِی الْاُضْحِیَّةِ۔ فی زماننا بعض احباب کا یہ کہنا کہ اول تو گائے عقیقہ میں جائز نہیں اگر جائز بھی ہو تو گائے صرف ایک بکری کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ بلا دلیل۔ اور اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کے خلاف ہے۔ بجانب خود دین میں تنگی پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی روایت میں صراحت ہوتی تو ایسا کہنا بجا تھا اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط بطور افضلیت کے ہیں نہ وجوبا

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ صـ ۵۰)

سوال: کیا مولود تاریخ عقیقہ سے قبل فوت ہو جائے تو اس کے عقیقہ کیلئے خریدے ہوئے جانور کو لواحقین فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب بعون الوہاب: حدیث شریف میں ہے عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِیْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُحْلَقُ رَاْسُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ مشکوٰۃ باب العقیقۃ صـ ۳۶۲۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بچہ اپنے عقیقہ میں رہن ہوتا ہے۔ ساتویں روز اسکی طرف سے ذبح کیا جائے اور ساتویں روز ہی اس کا سر مونڈا جائے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عقیقہ بچہ کی پیدائش سے ساتویں روز لازم ہوتا ہے۔

جو بچہ اس سے پہلے فوت ہو جائے اس کی طرف سے عقیقہ چونکہ لازم ہی نہیں ہوا لہٰذا اس کیلئے جو جانور خریدا گیا اس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ صدقہ کر دیں تو بھی جائز ہو گا۔ حافظ: عبد القادر روپڑی۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۳ ش ۶)

عقیقہ کے جانور کی شرائط

سوال:۔ کیا جو شرائط قربانی کے جانور کی ہیں وہی شرائط عقیقہ کے جانور میں بھی ہونی لازمی ہیں

الجواب بالصواب۔ عقیقہ کے بارہ میں حدیث میں مُکَافِئَتَانِ کا لفظ آیا ہے یعنی ہر دو جانور ہم عمر ہونے ضروری ہیں اس کا مطلب علماء کرام نے یہ بیان کیا کہ بھیڑ اور دنبہ کے علاوہ باقی جانور دو دانت ہوں اسکے علاوہ جو شرائط قربانی کے جانور کی ہیں ان کا عقیقہ کے جانور میں ہونا ضروری نہیں فقط: حافظ عبد القادر روپڑی اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ اش ۲۸

توضیح:۔ جو شرائط جانور قربانی کے ہیں وہ ہی شرائط جانور عقیقہ میں ہونے افضل ہیں کیونکہ عقیقہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْسُكَ فَلْيَنْسُكْ ۔ اور علامہ شمس الحق ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقیقہ پر ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام رکھا ہے نسیکہ جب حدیث اور علماء کرام کی اصطلاح میں عقیقہ کو نسیکہ یعنی قربانی فرمایا ہے۔ تو عقیقہ میں قربانی کے شرائط ہونے ضروری ہیں ۔ واللہ اعلم

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کرنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور کیا کیا اسکے احکام ہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ عقیقہ جمہور کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مستحب ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک واجب ہے مگر قول جمہور اصح اصوب ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ ثابت ہے اور اس کا ترک ثابت نہیں ہے اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے تو سنت ہوا اسلئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز ثابت ہے بغیر ترک کے وہ سنت ہے جب تک کوئی دلیل وجوب کی نہ ہو اور یہ جو حدیث میں لفظ امر آیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ کرو عَنْ سلیمان رض بن عامر الضبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الغلام عقیقۃ فَاهْرِيقُوا عنه دما واميطوا عنه الاذى رواه الجماعة الا مسلما كذا فى المنتقى انتهى ۔ ۔ ۔ ۔

یہ امر وجوب عقیقہ پر دلیل لائی جائے کیونکہ دوسری حدیث میں (جو آگے آتی ہے) کہ جو شخص

عقیقہ کرنا چاہئے کرے اس اختیار دینے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں تو ضرور ہوا کہ حدیث سابق کے امر کو وجوب کیلئے نہ لیں تاکہ دونو حدیثوں میں مطابقت ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رح رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ عقیقہ مستحب ہے سنت نہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اختیار کسی فعل میں شارع کی طرف سے مخالف اس کی سنت کے نہیں ہے اس لئے کہ سنت میں ہی اختیار حاصل ہوتا ہے بلکہ مستحب وہ ہے جسکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو کما لا یخفی علی الماہر بالاصول قولہ فاھریقوا عنہ دما تمسک بھذا وبقیۃ الاحادیث القائلون بانھا واجبۃ وھو الظاھریۃ والحسن البصری وذھب الجمھور من العترۃ وغیرھم الی انھا سنۃ وذھب ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الی انھا لیست فرضا ولا سنۃ وقیل انھا عندہ تطوع احتج الجمھور بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان ینسک عن ولدہ فلیفعل وسیاتی وذلک یقتضی عدم الوجوب لتفویضہ الی اختیارہ فیکون قرینۃ صارفۃ للاوامر ونحوھا عن الوجوب الی الندب وبھذا الحدیث احتج علی عدم الوجوب والسنیۃ ولکنہ لا یخفی انہ لا منافاۃ بین التفویض الی الاختیار وبین ما فی نیل الاوطار اور

۳ لڑکے کے پیدا ہونیکے ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے۔ عن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل غلام رھینۃ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم سابعہ ویسمی فیہ ویحلق راسہ رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار ویدل علی ذلک ما اخرجہ البیہقی عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ[1] تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی و اور اگر اکیسویں دن نہ کرے اس سبب سے کہ اسکو مقدور نہیں یا اور کسی دوسرے سبب سے تو جب مقدور ہو کرے کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ اور بعد بلوغ کے باپ وغیرہ سے طلب کرنے کا حق نہیں خود آپ اپنی طرف سے کرے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد بعثت کے اپنا عقیقہ کیا ہے العقیقۃ سنۃ مؤکدۃ ووقتھا من

---

[1] قولہ العقیقۃ تذبح الخ اخرجہ ایضا الطبرانی فی الاوسط والضیاء وضعفہ فی فتح الباری وجامع الصغیر والسراج المنیر لانہ تفرد بہ اسمعیل بن مسلم وھو ضعیف متروک رواہ کما فی میزان وغیرہ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

الولادۃ الی البلوغ ولیسقط الطلب عن الاب والحسن ان یعق عن نفسہ بعد نبوت لما رواہ البیہقی وتکلم بعض العلماء بصحۃ ھذا الخبر وسبع البدنۃ والبقر کشاۃ انتہی مافی شرح القویم فی شرح مسائل التعلیم لابن حجر الھیتمی الشافعی۔

اور لڑکے کیطرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کرنا چاہیے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال سئل رسول اللہ صلعم عن العقیقۃ فقال لا احب العقوق وکانہ کرہ الاسم فقالوا یا رسول اللہ صلعم انما نسئلک عن احدنا یولد لہ قال من احب منکم ان ینسک عن ولدہ فلیفعل عن الغلام شاتان مکافاتان وعن الجاریۃ شاۃ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی کذا فی منتقی الاخبار وعن ابن عباس ؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین ؓ کبشا کبشا رواہ ابو داؤد والنسائی وقال کبشین کبشین کذا فی منتقی الاخبار۔

اور جمیع احکام اس کے مثل احکام جانور قربانی کے ہیں کیونکہ حدیث سے کچھ فرق دونوں میں ثابت نہیں ہوتا مگر جن جن عیوب سے جانور قربانی کا مبرا یعنی پاک ہونا ضروری ہے جسکی تفصیل گذر چکی ان سے جانور عقیقہ کا مبرا ہونا ضروری نہیں کیونکہ کسی حدیث[1] سے ثابت نہیں ہوتا الثانی ھل یشترط فیھا ما یشترط فی الاضحیۃ وفیہ وجہان للشافعی فقد استدل باطلاق الشاتین علی عدم الاشتراط وھو الحق لکن لا لھذا الاطلاق بل بعدم ورود ما یدل ھھنا علی تلک الشروط والعیوب المذکورۃ فی الاضحیۃ وھی احکام شرعیۃ لا تثبت بدون دلیل انتہی مافی نیل الاوطار اور اس کے کھانے کا بھی حکم گوشت قربانی کا حکم ہے یعنی کرنیوالہ کھاوے اور دوسروں کو کھلاوے یہ جو مشہور کہ ماں باپ عقیقہ کا گوشت نہ کھاویں بالکل بے اصل ہے اور اسی طرح سے عقیقہ میں سے دائی کو دینا جیسا کہ مروج ہے ضروری[2] نہیں ہے لیکن وہ اگر محتاج ہو تو بذمرہ محتاجان وہ بھی مستحق ہے چنانچہ اس بارہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتویٰ ایسا ہی ہو چکا ہے اور لڑکے

---

[1] جب گذشتہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ عقیقہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمایا ہے تو احکام عقیقہ الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے

---

[2] اقول روی الحاکم من حدیث علی امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ ؓ فقال زنی شعر الحسین وتصدقی بوزنہ فضۃ واعطی القابلۃ رجل العقیقۃ ورواہ حفص بن غیاث عن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلا انتہی تلخیص الحبیر ص ۳۸۵ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ ۱۲ ۔

کا سر منڈادے اور اس کے بالوں کے برابر چاندی تول کر کے خیرات کرے اور اسی دن نام رکھے یہ بھی سنت ہے اور عقیقہ کے لوازمات میں سے ہے وعن ابی رافع ان حسن بن علی رضی اللہ عنہما لما ولد ارادت امہ فاطمہ رض ان تعق عنہ بکبشین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعقی عنہ ولکن احلقی شعر راسہ فتصدقی بوزنہ من الورق ثم ولد حسین رض فصنعت مثل ذالک رواہ احمد کذا فی منتقی الاخبار ---- اور حضرت فاطمہ رض کو حضرت حسن کے عقیقہ کرنے سے جو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا عقیقہ کر چکے تھے جیسا کہ حدیث سابق میں گذرا قولہ لا تعقی عنہ قیل یحمل ہذا علی انہ قد کان صلی اللہ علیہ وسلم عق عنہ وہذا ہو المتعین لما قدمنا فی روایۃ الترمذی والحاکم عن علی علیہ السلام انتہی ما فی نیل الاوطار وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمیۃ المولود یوم سابعہ ووضع الاذی والعق وقال حدیث حسن غریب کذا فی اور عقیقہ کے مناسبات سے یہ بھی ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں کہ لڑکے کے پیدا ہونیکے دن کان میں اذان دینی چاہیئے۔ وعن ابی رافع رض قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی اذن الحسین رض حین ولدت فاطمۃ رض بالصلوٰۃ رواہ احمد وکذالک ابوداؤد والترمذی وصححہ وقال الحسن کذا فی منتقی الاخبار۔ حررہ ابو الخیر محمد یٰس الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ

نازل شدہ درشان محمد یٰس

فقیر محمد عبد الحق ــ ۱۲۹۵

الجواب صحیح حمید اللہ عفی عنہ ۔ مدرس مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ الجواب صحیح محمد طاہر سیٹھی ۔ محمد عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند ۔

محمد عبید اللہ ۱۲۹۱

اصاب من اجاب۔ حسبنا اللہ یٰس حفیظ اللہ۔

عقیقہ سنت ہے اگر کیفیت وکمیت میں سہولت ہے امیر احمد پشاوری۔ یہ جواب صحیح ہے ۔ حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمٰن الاعظم گڑھی المبارکفوری عفی عنہ ۔ +

الجواب صحیح والمجیب نجیح حررہ ابو عبد اللہ فقیر اللہ متوطن ضلع شاہپور پنجاب۔ مجیب صاحب نے جواب محققانہ دیا ہے اور بہت صحیح ہے ولیکن یہ ضرور معلوم کرنا چاہیے کہ یہ جو عوام الناس بلکہ بعض خواص میں بھی مشہور ہو رہا ہے کہ لڑکے کیلئے نر چاہیے اور لڑکی کیلئے مادہ

سو یہ بات بالکل غلط اور بے اصل ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ حرج و مضائقہ نہیں خواہ نر ہو یا مادہ اور اذان کا حکم یہ ہے کہ داہنے کان میں اذان کہنی چاہیئے۔ اور بائیں میں تکبیر حضرت فرماتے ہیں کہ مولود ام صبیان سے محفوظ رہے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یضرکم ذکرانا او اناثا کذا فی ابی داؤد والترمذی۔ والنسائی والمشکوۃ وغیرہا وکذا فی الشروح الکبار مثل فتح الباری وغیرہ۔ فی مسند ابی یعلی الموصلی عن الحسین رضی مرفوعا من ولد له ولد فاذن فی اذنه الیمنیٰ واقام فی اذنه الیسریٰ لم تضره ام الصبیان رواہ فی جامع الصغیر وکذا فی المرقاۃ وفی شرح السنۃ ان عمر بن عبد العزیز کان یؤذن فی الیمنی ویقیم فی الیسری اذا ولد الصبی انتہی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی

خادم شریعت رسول الاداب
ابو عبد الوہاب ۱۳۰۰

الجواب صحیح۔ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی

محمد امیر الدین

خادم شریعت رسول الثقلین
محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

الجواب صحیح۔ عبد اللطیف عفی عنہ سہسوری

عبد اللطیف ۱۲۹۵

الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الرؤف بہاری عفی عنہ

عبد الرؤف ۱۳۰۳

۱۲۹۹ محمد عبد السلام غفرلہ

عبد الجلیل

محمد شمس الدین ۱۳۰۵

ابو محمد عبد الحق لودہانوی ۱۳۰۵

اصل عقیقہ ساتویں ہی روز ہے

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صہ ۱۴۷

ثم الملتانی تتر وید الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبه

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

عقیقہ کے بارے میں ایک تحقیقی بحث

سوال :۔ (۱) اگر بچہ پیدائش کے بعد ساتویں دن سے پہلے ہی وفات پا گیا ہو، اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو کیا اس کی وفات کے بعد عقیقہ ہو سکتا ہے؟

(۲) عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۳) اگر بچہ پیدائش کے چند ماہ بعد فوت ہو گیا ہو، اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو اب اس کی وفات کے بعد اس کے عقیقہ کا جانور ذبح کر دینا عقیقہ کا مکمل ثواب رکھتا ہے؟

(۴) مسمی بکر کا عقیقہ پیدائش کے بعد مسنونہ ایام میں نہیں کیا گیا۔ کیا وہ شخص اپنے سن بلوغت کے بعد اپنے عقیقہ کا جانور ذبح کرا دے تو عقیقہ کا مکمل ثواب ملے گا؟

(۵) مندرجہ بالا صورتیں بوجہ مفلسی بچوں کے والدین کو پیش آئی ہیں اس لئے والدین بچوں کی زندگی میں عقیقہ کی سنت ادا نہیں کر سکے۔

جواب :۔ (۱) شریعت مطہرہ میں عقیقہ کا دن ساتواں مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت سمرہ کی روایت میں ہے کُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ الحديث اخرجه الخمسة وصححه الترمذي وغيره۔

غالباً اسی بنا پر امام مالک کا فیصلہ ہے کہ ساتویں دن سے پہلے اگر بچہ فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ نہیں ہے منتقی شرح موطا للعلامۃ القاضی ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی المتوفی ۴۹۴ھ میں ہے:

قال مالك في المبسوط ان مات صبي قبل السابع فليس عليهم ان يذبحوا عنه فاقتضى ذالك ان وقت ثبوت حكمها هو الوقت المذكور من اليوم السابع فان ادرك الصبي ذالك الوقت ثبت حكمها وان مات قبل ذالك بطل حكمه اھ۔ نیل الاوطار میں ہے:۔ وفيه دليل على ان وقت العقيقة سابع الولادة وتسقط ان مات قبله اھ (ملحض ص ۱۱۳ ج ۵)۔

خلاصہ یہ کہ جب بچہ پر ساتواں دن آیا ہی نہیں، تو ادائے حکم کا وقت نہ آیا پھر عقیقہ کیسا!

(۲) اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عقیقہ ضروری ہے یا استحبابی۔ حافظ ابن حزم رح اور ان کے ساتھی وجوب و فرضیت کے قائل ہیں (محلی ص ۵۲۵ ج ۷) لحدیث کُلُّ غلامٍ رهينةٌ بعقيقتهٖ اخرجه الخمسة وصححه الترمذي عن سمرة وان النبي صلى الله عليه وسلم اَمَرَ بتسميته المولود والعق اخرجه ترمذي وحديث عائشة اخرجه ابي شيبة عن عائشة كذا في تحفة الودود۔

دوسری طرف ایک جماعت کثیرہ ہے کہ عقیقہ واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے۔ امام مالک رح۔ احمد بن حنبل رح اسی طرف ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، عام مذکورہ کا صارف عن الوجوب۔ من احب منكم ان ينسك عن ولده فليفعل اخرجه احمد وابوداؤد والنسائي عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده كذا في المنتقى لابن تيميه واخرج مالك وسعيد بن منصور من وجه آخر عن رجل من بني ضمرة

پہلی روایات کا ماحصل آنحضرت صلعم کا تاکیدی حکم ہے کہ عقیقہ کیا جائے دوسری روایات کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی چاہے تو عقیقہ کر سکتا ہے۔ قال في النيل (ص ۱۱۲ ج ۵) بعد ذكر هذه الرواية وذلك يقتضي عدم الوجوب لتفويضه الى الاختيار فيكون صارفة للاوامر ونحوها عن الوجوب الى الندب .... امام بخاری رح نے بھی عدم وجوب کا مسلک ہی اختیار فرمایا ہے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن الجاموسی، عبداللہ بن طلحہ اور ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیقے منقول نہیں ہیں (ص ۲۷۰ ج ۵ مطبوعہ انصاری) اگرچہ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ عدم ذکر عدم حکم کو مستلزم نہیں۔

حافظ ابن القیم نے تحفۃ الودود باحکام المولود (ص ۱۶-۱۸) میں دونوں فریق (قائلین وجوب وسنت) کے دلائل تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں۔ ان کا ایماء رجحان آخر الذکر کی طرف معلوم ہوتا ہے اور یہی راجح بھی ہے۔ ہاں امام احمد رح کے مسلک میں یہ ہے کہ قرض اٹھا کر بھی اس فضیلت سے محروم نہیں رہنا چاہیے کیونکہ عقیقہ کو رواج دینا ایک سنت کا احیاء ہے۔

لارجوان استقرض ان يعجل الله له الخلف لانه احيى سنة من سنن رسول الله صلى الله عليه

علیہ وسلم (تحفۃ الودود ص۱۷)

(۳) کسی صحیح حدیث میں اس کا صاف ذکر نہیں ہے کہ عقیقہ کا دن گزرنے کے بعد بھی عقیقہ ضروری ہے۔ بنابریں علماء کرام کی رائیں اس بارے میں مختلف ہو گئی۔

(الف) امام مالکؒ کا ایک فتویٰ یہ ہے کہ ساتویں دن کے بعد وقت ختم ہے اس کے بعد عقیقہ کا ثواب نہیں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ ۷۔۱۴۔۲۱ تک گنجائش ہے اس کے بعد وقت ختم۔ ابن وھب عن مالک من ترک ان یعق عن ابنہ فی یوم سابعہ فانہ یعق فی السابع الثانی فان ترک ذلک ففی الثالث فان جاوز ذلک فقد فات وقت العقیقۃ وروی ابن حبیب عن مالک لا یجاوز بالعقیقۃ الیوم السابع۔ (المنتقی للباجیؒ ص۱۰۲ ج۳)۔ اس دوسرے قول کی بنیاد ممکن ہے یہ حدیث ہو۔ عن عبد اللہ ابن بریدہ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی وعشرین اخرجہ البیہقی (ص۳۰۳ ج۹) لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم ایک راوی جو ضعیف ہے اور اس حدیث کا دارومدار اسی پر ہے (فتح الباری ص۲۸۱ ج۵) یہ ضرور ہے کہ اس پر اہل علم کا عمل امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے تحفۃ الودود (۱۹) میں ہے۔ وھو قول عائشۃ وعطاء واحمد واسحٰق۔ یعنی حضرت عائشہؓ، عطاءؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ کا یہ مسلک ہے۔

(ب) امام ابن حزمؒ کی رائے ہے کہ ساتویں دن اگر میسر نہ ہو سکے تو دوسرے کسی وقت میں جب ممکن ہو اس ذمہ سے عہدہ برآء ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے ـــ فان لم یذبح فی الیوم السابع ذبح بعد ذلک متی امکن فرضا (محلی ۵۲۳ ج۷)

امام لیثؒ فرماتے ہیں ساتویں پر مہیا نہیں ہو سکا تو اس کے بعد ضروری نہیں ہے تاہم اگر بعد میں عقیقہ کر دیا جائے تو ٹھیک ہے۔۔۔ فان لم یتہیا لھم العقیقۃ یوم سابعہ فلا باس ان یعق عنہ بعد ذلک ولیس بواجب ان یعق عنہ بعد سبعۃ ایام۔ (تحفۃ الودود ص۱۹)

بلکہ امام محمد بن سیرینؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں اگر مجھے پتہ چلے کہ میرا عقیقہ نہیں ہوا تو میں خود اپنا عقیقہ کر دوں گا ـــ لو اعلم انی لم یعق عنی لعققت عن نفسی (فتح ۲۸۱ ج۵)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کسی واقعی عذر کے بغیر ساتویں دن کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ یہ ایک تعبدی چیز ہے اور عبادت سمجھ کر ہی اسے بجا لانا ضروری ہے۔ یہ تقریب نہیں ہے

کہ تقریب کے لوازم پورے کرنے کے لیے ساتواں دن ضائع کر دیا جائے اسی صورت میں خطرہ ہے کہ عقیقہ کی اصل غرض ادائے شکر جس کا نتیجہ ثواب ہے) حاصل نہ ہو، لیکن اگر کسی واقعی عذر (افلاس وغیرہ) کی وجہ سے ساتویں تاریخ رہ گئی ہے تو پھر ممکن حد تک جلدی کرنے کی صورت میں عقیقہ کا ثواب پانے کی قوی امید ہے۔ دلیل اس آیات قرآنی کا عموم ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن) وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (سورہ طلاق) واللہ اعلم بمانی نفوسکم۔

(۴) جہاں تک ظاہر حدیث کا تعلق ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کی ذمہ داری جیسی کچھ بھی ہے والد پر عائد ہوتی ہے یجب علی الاب وھو منصوص عن احمد (تحفۃ الودود ص۱۷)۔ امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ البتہ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا تھا لیکن وہ روایت کمزور ہے حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری ص۲۸۲ ج۵ اور تلخیص الجبیر ص۳۸۶ میں اس کا ضعف اور عدم ثبوت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس پر مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی ایسے کوئی اپنے طور پر کر دے تو امام ابن سیرین رح نے اپنا خیال ظاہر کر ہی دیا ہے۔

(۵) ایک قرض تو معتاد قسم کا ہوتا ہے ادھر لیا اُدھر دے دیا ایسا قرض تو اس قسم کے کار خیر سے مانع نہیں ہونا چاہیئے۔ حضرت حسن بصری رح فرماتے ہیں قرض لیکر احیاء سنت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا اور زیادہ عنایت فرمائے گا دانی لاحب ان تحیی ھذہ السنۃ ارجوا ان یخلف اللہ علیہ ۔۔۔۔ تحفۃ الودود ص۱۷ لیکن خدانہ کرے اگر قرض ہی ایسا ہو جس نے کمر توڑ رکھی ہو تو حق تعالیٰ سے درگزر کی توقع ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ ع) ۔۔ گروی کا مطلب شفاعت ہی ہو تو ایسا قوی عذر مانع شفاعت نہیں ہو گا۔ انشاء اللہ۔ لیکن کل غلام مرتھن بعقیقتہ ۔۔۔ یہ مشہور مطلب بعض علماء نے بیان فرمایا ہے لیکن اس کے اور معانی بھی ہیں۔ حافظ ابن القیم نے تحفۃ الودود میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث فرمائی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ عقیقہ کا فائدہ بچے کی روحانی پائندگی ہے عقیقہ نہ ہونے

کی صورت میں شیطان اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے درپے رہتا ہے مگر
جب اس کی طرف سے ایک جانور حق تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیا جاتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ شیطانی
بند کھولنے کا سبب بنا دیتا ہے

اخبار الاعتصام جلد ۲ ش نمبر ۱ لاہور

از حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

الاستفتاء

گائے کے عقیقہ کا کیا حکم ہے، عقیقہ میں قربانی کے شرائط ہیں یا نہیں؟ عقیقہ واجب ہے یا سنت؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ گائے کا عقیقہ کرنا قرون ثلاثہ میں
سے اصح الحدیث والاثر کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں۔ ماسوا طبرانی کی روایت کے جو نیل الاوطار
میں ہے اور آنحضرت سرور کائنات ﷺ نے جو لفظ عقیقہ کو مکروہ جان کر اس کا نام نسیکہ رکھا ہے۔
اس سے ثابت ہوتا ہے؟ کیا جو شرائط قربانی میں ہیں۔ اس میں بھی مشروط ہیں یا نہ۔ یعنی عیب اور
نقصان وغیرہ سے جانور کا بری ہونا اور دو دانت ہونا۔ اور گائے کا سات سات کی طرف سے
مشروع ہونا شرط ہے یا نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اور رافعی رحمہ وغیرہ کا مذہب کہاں تک صحیح ہے
اور جمہور کے پاس کیا دلیل ہے جو گائے کے عقیقہ کے بھی قائل ہیں۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

جواب:۔ (۱) طبرانی اور ابو الشیخ کی روایت جو نیل الاوطار میں ہے اسکے سوا اور کوئی روایت یاد نہیں
(۲) مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيقَةِ

فَقَالَ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوقَ كَانَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۔ (مشکوٰۃ باب العقیقۃ فصل ۲ ص ۳۶۳)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا خدا عقوق کو پسند نہیں کرتا۔ گویا کہ آپؐ نے عقیقہ کا نام مکروہ سمجھا اور فرمایا کہ جس شخص کے ہاں اولاد ہو اور وہ نسیکہ کرنا دوست رکھے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

منتقیٰ میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَا اُحِبُّ الْعُقُوْقَ وَكَانَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا نَسْئَلُكَ عَنْ اَحَدِنَا يُوْلَدُ لَهٗ قَالَ مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْ وَلَدِهٖ فَلْيَفْعَلْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ رواہ احمد وابوداؤد (منتقی کتاب العقیقہ)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال ہوا فرمایا میں عقوق کو دوست نہیں رکھتا۔ گویا آپ نے عقیقہ نام مکروہ سمجھا۔ لوگوں نے کہا یا رسول ہمارا سوال اس شخص سے ہے جس کے ہاں اولاد ہو فرمایا جو دوست رکھے۔ کہ اپنی اولاد کا عقیقہ کرے تو وہ دو بکریاں ہم عمر لڑکے کی طرف سے کرے اور ایک لڑکی کی طرف سے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نسیکہ کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ اس کے احکام قربانی کے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیقہ چونکہ عقوق سے ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں اور اسی سے عاق ہے، اس لیے عقیقہ کے نام کو مکروہ جانا اور اس کی بجائے نسیکہ نام پسند کیا۔ پس اس سے قربانی کے احکام سمجھنا غلطی ہے۔ علاوہ اس کے قربانی میں تو ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔ اور عقیقہ میں ایک بکری ایک لڑکے کی طرف سے کافی نہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں دو بکریاں بتلائی ہیں تو پھر اس سے قربانی والے احکام کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں۔ ہاں بعض اور روایتوں سے پتہ چلتا ہے ہے کہ عمر قربانی والی ہونی چاہیئے۔

نوٹ:۔ عقیقہ کے نام سے کراہت تنزیہی مراد ہے یعنی یہ نام بہتر نہیں۔ اگر بالکل منع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا استعمال نہ کرتے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ۔

نوٹ:- عقیقہ کے واجب غیر واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ حسن بصری تابعی اور ظاہریہ وجوب کے قائل ہیں۔ اور جمہور کہتے ہیں سنت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں نہ فرض ہے نہ سنت۔ اور کہا گیا ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک نفل ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد امام محمد رح کے نزدیک قربانی کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہ رح سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے اس کو مٹا دیا۔ شاید امام حنیفہ رح کو عقیقہ کی احادیث نہ پہونچی ہوں۔ یہ تمام اقوال امام شوکانی رح نے نیل الاوطار جلد ۴ صـ۳۶۷ میں ذکر کئے ہیں۔ امام شوکانی رح کا میلان جمہور کے مذہب کی طرف مائل معلوم ہوتا ہے۔ جمہور کی دلیل حدیث مذکور پیش کی ہے۔

اس حدیث میں مَنْ اَحَبَّ (جو دوست رکھے) کا لفظ چاہتا ہے کہ عقیقہ ضروری نہ ہو مگر دلیل کمزور ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث سے ضروری ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض روایتوں میں صیغہ امر آیا ہے اَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا "اس سے خون بہاؤ" آیا ہے۔ جو وجوب کے لیے آیا ہے۔ اور بعض میں "رَهِيْنَةٌ" کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ عقیقہ نہ ہو تو بچہ ماں باپ کی شفاعت نہیں کر سکتا۔ یا عقیقہ ایسا لازمی ہے جیسے کوئی شے گرد ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بغیر چھوٹ نہیں سکتی اور بعض نے اس کے معنی کیے ہیں کہ وہ گرد کی طرح بند ہے جب تک عقیقہ نہ کیا جائے نہ نام رکھا جائے نہ بال اتارے جائیں نام رکھنے بال اتارنے سے تو چارہ نہیں۔ پس عقیقہ بھی ضروری ہو گیا۔

اور بعض روایتوں میں اَمَرَنَا کا لفظ آیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عقیقہ کا حکم دیا اس سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے۔

امام شوکانی رح نیل الاوطار جلد ۴ صـ۳۶۷ میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ اصل میں وجوب کے لیے ہیں مگر مَنْ اَحَبَّ کا لفظ قرینہ صارفہ ہے۔ اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے وجوب مراد نہیں۔ بلکہ امر استحبابی مراد ہے لیکن امام شوکانی کا یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ امر کا صیغہ یا امر کا لفظ تو کبھی قرینہ کے ساتھ استحباب کے لیے آجاتا ہے لیکن رهينة کے معنی استحباب کے مشکل ہیں۔ علاوہ اس کے مَنْ اَحَبَّ کا لفظ استحباب کے لیے تسلی بخش دلیل نہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔ کہدے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو

میری اتباع کرو" اس آیت میں وہی محبت کا لفظ ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ کی اتباع ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح حدیث مذکور کو سمجھ لینا چاہئے۔ اصل بات یہ کہ:

شرط ہوتی ہے ویسے ہی اجزا کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت چونکہ ضروری ہے اس لیے آپ کی اتباع بھی ضروری ہے اسی طرح عقیقہ چونکہ ضروری ہے جیسے کہ ابھی بیان ہوا ہے، اس لیے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہم عمر[1] اور لڑکی کی طرف سے ایک ضروری ہے۔ یعنی کم نہ کرے ہاں اگر حدیث یوں ہوتی کہ جو عقیقہ کرنا دوست رکھے وہ عقیقہ کرے تو پھر یہ حدیث استحباب کی دلیل بن سکتی تھی اب نہیں۔

علاوہ اس کے محبت کے لفظ سے خلوص مقصود ہے۔ پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا! جو اخلاص سے عقیقہ کرے وہ دو بکریاں ہم عمر لڑکے کی طرف کرے۔ اور ایک لڑکی کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ:

اخلاص ضروری ہے۔ پس عقیقہ خود ہی ضروری ہوگیا۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۳ش ۱۲)

از حضرت العلامہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

کیا عقیقہ کے جانور میں قربانی کی شرائط ہیں؟

سوال:۔

حضرت العلام حافظ صاحب۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ تحریر فرمادیں کہ عقیقہ کا جانور کس عمر کا ہو کسی حدیث سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ صاحب سبل السلام

---

[1] ہم عمر سے مراد یہ ہے کہ دونوں جانور مسنہ ہوں۔

نے کہا ہے کہ شرائط اس کے صحیح حدیث ثابت نہیں بالقیاس ہیں از محمد یوسف خریدار تنظیم اہلحدیث

جواب :۔ مولنا حکیم محمد یوسف صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا لفافہ مع مافیہا سے اطلاع پائی عقیقہ کے جانور کے متعلق کسی حدیث میں تصریح نہیں آئی صرف مُکَافِئَتَانِ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی کتب لغت حدیث ۔ نہایہ ۔ مجمع البحار وغیرہ میں : مُسِنّہ وغیرہ کے لکھے ہیں مجمع البحار میں ہے ۔ وَفِیْ حَدِیْثِ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ یَعْنِیْ مُتَسَاوِیَتَیْنِ فِی السِّنِّ اَیْ لَا یُعَقُّ عَنْہُ اِلَّا بِمُسِنَّۃٍ وَاَقَلُّہٗ اَنْ یَکُوْنَ جَذَعًا کَمَا یُجْزِئُ فِی الضَّحَایَا وَقِیْلَ مُکَافِئَتَانِ اَیْ مُتَسَاوِیَتَانِ اَیْ مُتَقَارِبَتَانِ اَوْ یَکُوْنُ مَعْنَاہُ مُعَادِلَتَانِ کَمَا یَجِبُ فِی الزَّکٰوۃِ وَالْاُضْحِیَّۃِ مِنَ الْاَسْنَانِ وَیَحْتَمِلُ مَعَ الْفَتْحِ اَنْ یُرَادَ مَذْبُوْحَتَانِ مِنْ کَافَا الرَّجُلُ بَیْنَ بَعِیْرَیْنِ اِذَا نَحَرَ ھٰذَا ثُمَّ ھٰذَا مَعًا مِنْ غَیْرِ تَفْرِیْقٍ کَاَنَّہٗ یُرِیْدُ شَاتَیْنِ یَذْبَحُھُمَا مَعًا ج اَرَادَ التَّکَافُؤَ فِی السِّنِّ اَیْ تَکُوْنَانِ تُجْزِیَانِ فِی الضَّحَایَا لَا یَکُوْنُ اَحَدُھُمَا مُسِنَّۃً وَالْاُخْرٰی غَیْرُھَا (مجمع البحار ص ۲۱۶ ج ۳)

ترجمہ :۔ دونوں بکریاں سن میں برابر ہوں ۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ عقیقہ کا جانور مسنہ ہونا چاہئے اور اقل درجہ یہ ہے کہ دنبہ : جزع جیسے قربانی جزع کفایت کرتا ہے ۔ دنبہ چھ[1] ۔ سات ماہ کا بھی کافی ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ آپس میں برابر ہوں دونوں ہیں عمر کے لحاظ سے بڑا فرق نہ ۔ یا یہ معنی ہے کہ زکوٰۃ اور قربانی کے جانور کے برابر ہوں اور فا کی فتح کے ساتھ یہ معنی ہو سکتے یکے بعد دیگرے جلدی ذبح کی جائیں ۔ ایک کے ذبح کے بعد دوسری کے ذبح کرنے میں تاخیر نہ کی جائے ۔ عرب کہتے ہیں : کَافَا الرَّجُلُ بَیْنَ بَعِیْرَیْنِ پے در پے دو اونٹ ذبح کئے یہ اس وقت کہتے ہیں ۔ جب ایک بعد متصل دوسرا اونٹ ذبح کیا جائے ۔

اور شرح جامع الاصول میں ہے کہ :۔ مسنہ ہونے میں مساوات مراد ہے ۔ یعنی بکریاں ایسی ہوں جو قربانی میں کفایت کر سکیں ۔ یعنی ایک مسنہ اور دوسری غیر مسنہ نہ ہو ۔"

---

[1] جزع کا راجح معنی ایک سال کا ہے جیسا کہ جمہور علماء محدثین اور اصل لغت اور علامہ سندھی حنفی نے حاشیہ ابن ماجہ میں ایک سال کو ترجیح دی ہے اور چھ سات کو مرجوع قرار دیا ہے (سعیدی)

☆۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُکافِئتَانِ کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔

☆۔ کوئی کہتا ہے کہ: قربانی کے جانور کے برابر۔

☆۔ کوئی کہتا ہے: ایک دوسرے برابر۔

☆۔ کوئی کہتا ہے: قربانی اور زکوٰۃ کے جانور کے برابر

کوئی کہتا ہے ذبح ہوتے ہیں برابر۔ یعنی ایک دوسرے کے متصل ذبح کی جائیں۔

جب اس لفظ کا ایک معنیٰ "اور قربانی کے جانور کے برابر"، ہونا بھی ہے۔ تو ایسے موقع پر احتیاط اسی میں ہے کہ، مسنہ اور دانت، ذبح کرے۔ تاکہ: اختلاف سے نکل جائے۔

بلکہ: احتیاطاً مناسب ہے کہ باقی شرائط قربانی کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

میرا اپنا عمل اسی پر ہے۔ اور ایک سال سے کم کا جانور تو دنبہ کے سوا کسی صورت جائز ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں شاۃ کا حکم۔ بکریوں کی جنس میں چھوٹی عمر کے لیے: "عاق۔ عتود" کا لفظ بولتے ہیں۔

جیسے انسان میں چھوٹی عمر کے لیے: "جارب"، ولدہ: صلبیۂ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

جب بلوغ کا زمانہ آجاتا ہے۔ تو مراۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور ہمارے محاورے میں عورت کہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عربی محاورہ میں شاۃ کا لفظ ہے۔

اور بکری عموماً سال کے اندر بچہ جننے کے قابل نہیں ہوتی۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ:

سال سے کم تو کسی صورت جائز ہی نہیں۔ اور قربانی کے جانور کے برابر ہو۔ یعنی مسنہ ہو۔ اور باقی شرائط قربانی کے جانور کے بھی پائے جائیں۔ تو یہ اسلم طریق ہے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ اور تردد نہیں رہتا۔

حدیث میں ہے:

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ یعنی "شک والے کام کو چھوڑ کر وہ کام کرو جس میں شک نہ ہو۔" (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۳ ش ۱۹)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ اگر سات روز میں کسی باعث سے نہ ہو سکا تو بعد اس کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ جامع ترمذی میں ہے کہ اہل علم ساتویں روز عقیقہ کرنیکو مستحب جانتے ہیں اگر ساتویں روز نہ ہو سکا تو چودھویں روز کرنا چاہیئے۔ اور اگر چودھویں روز نہ ہو سکا تو اکیسویں روز کرنا چاہیئے قاضی شوکانی نیل الاوطار میں ترمذی کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں ویدل علی ذلک ما اخرجہ البیہقی عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ قال العقیقۃ تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی وعشرین. یعنی اس قول پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ جس کو عبداللہ بن بریرۃ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عقیقہ ذبح کیا جائے ساتویں روز اور چودھویں روز اور اکیسویں مگر شوکانی نے نہ اس کی سند لکھی ہے اور نہ اس کا صحیح یا ضعیف ہونا ظاہر کیا ہے۔ سبل اسلام ص۲۰۸ میں ہے۔ قال النووی انہ یعق قبل السابع وکذا من الکبیر فقد اخرج البیہقی من حدیث انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد البعثۃ ولکنہ قال منکر وقال النووی حدیث باطل۔ یعنی نووی نے کہا کہ ساتویں روز کے قبل بھی عقیقہ کرنا درست ہے اور اسی طرح بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ کرنا درست ہے اس واسطیکہ بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ بعثت کے بعد کیا ہے لیکن بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور نووی نے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے الحاصل عقیقہ کا وقت جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ ساتواں روز ہے پس ساتویں ہی روز عقیقہ کرنا متعین ہے ہاں بریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ اگر صحیح و لائق اعتبار تو چودھویں روز اور اکیسویں روز بھی عقیقہ کرنا حدیث سے ثابت ہو گا اور اکیسویں روز کے بعد یا بڑے ہونیکے بعد عقیقہ کرنا کسی حدیث معتبر سے ثابت نہیں اور علماء کی رائیں اس بارہ مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں روز کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبد الرحمن المبارکفوری

فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص۱۵۴ ۱۵۶

مشینی ذبیحہ

ایڈیٹر الاعتصام کے پریس نوٹ کا مکمل متن

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" کے ایڈیٹر نے ایک بیان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس فتویٰ کی تردید کی کہ مشین کے ذریعے ذبیحہ حلال ہے، آپ نے کہا کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حلت حرمت کا معیار اسلام میں وہی ہے جسے قرآن وسنت نے مقرر کیا ہے۔ دوسری کوئی بات معیار نہیں بن سکتی، دین اسلام محمد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو گیا ہے، اس میں اب کسی قسم کے تبدل وتغیر کی گنجائش نہیں اور نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس میں اب کسی قسم کی کوئی تبدیلی کرے، آپ نے کہا کہ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک ایسے ادارے کا سربراہ، جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا ایسے فتوے شائع کر رہا ہے۔ جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دین میں ایسی چیزیں داخل کرنا چاہتا ہے جو دین کے بالکل منافی ہیں۔

آپ نے کہا کہ قرآن کریم میں رب العزت کا واضح ارشاد ہے "تم اس جانور کا گوشت مت کھاؤ جسے اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا گیا" اور ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، کہ اس کا کھانا جائز ہے، قرآن ایک چیز کو جائز کہے اور ڈاکٹر صاحب اس چیز کو اسلام کا نام لے کر جائز بتلا دیں یہ روش قابل مذمت ہے۔

ایڈیٹر "الاعتصام" نے فرمایا، تعجب خیز بات یہ ہے، کہ اپنی مطلب برآری کے لئے یہ لوگ حدیث پاک کا نام لینے سے بھی نہیں چوکتے، حالانکہ عمومی حالات میں حدیث کے انکار میں یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا مسلک اس بارے میں بالکل واضح ہے۔ لیکن اب انہوں نے اپنے فتوے تائید میں ایک حدیث کا سہارا لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کا جو معنی انہوں نے لیا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے، اپنے بیان میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث پیش کی ہے کہ لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بعض اوقات انہیں ایسا گوشت دیا جاتا ہے، جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا بھی گیا تھا کہ نہیں، تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم خدا کا نام لے لو اور کھا لو، آپ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ تاثر دینا کہ اس میں عدم تسمیہ کی دلیل ہے نادرست ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے۔ کہ وہ ذبیحہ مسلمانوں کا ہوتا تھا، اور ظاہر ہے کہ مسلمان ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" ضرور پڑھتا ہے اور اس کا ذبیحہ اس پر محمول ہو گا شک کی ضرورت نہیں، اس لئے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر کھا لیا کرو، تحقیق کی ضرورت نہیں، کیونکہ ذبیحہ مسلمان کا ہے اور آج بھی یہی حال ہے کہ مسلمان بازار سے گوشت خریدتے وقت اس بات کی کرید نہیں کرتے کہ اس پر "بسم اللہ" پڑھی گئی ہے یا نہیں،

مشینی ذبیحہ

مفتی محمد شفیع صاحب کراچی

کراچی (ج ک م) ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے تازہ ترین بیان کا جواب دیتے ہوئے مولنا مفتی محمد شفیع نے آج یہاں واضح طور پر کہا کہ ذبیحہ کے بارے میں میرے اور مفتی محمود کے فتوے میں کوئی اختلاف نہیں انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اختلاف کا ذکر کرکے یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ذبیحہ کے مسائل میں علماء میں کچھ اختلاف ہے جبکہ ہمارے فتوے انکے سامنے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ ہماری ایک فنی بحث ہے جو اسلامی مسائل میں علماء کی بے لاگ تحقیق و تنقید کی شاہد ہے مشینی طریقہ ذبح کے ناجائز ہونے اور بغیر بسم اللہ کے ذبح حرام ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں مفتی محمد شفیع نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ملک کے علماء میں موجودہ زمانہ کی ضروریات و مشکلات کا پورا احساس ہے اور مشینی دور کے پیدا کردہ نئے مسائل میں باہمی بحث و تمحیص اور شرعی حدود کے اندر گنجائشوں کے تلاش کا سلسلہ جاری رہتا ہے فنی اور فقہی بحثیں درمیان میں آتی ہیں اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ سب علماء کی رائیں سامنے آجائے اور بعد اتفاق آراء کے کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے دکھا جائے اس کام کے لئے کراچی میں اہل فتوے علماء کی جماعت کام کر رہی ہے مفتی محمد شفیع نے ڈاکٹر فضل الرحمان کے بیان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ خود اپنے تازہ بیان میں اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان یا پاکستانی ہونا شرط ہے جبکہ اس سے پہلے بیان میں انکے لفظ یہ تھے ہر شخص کے ہاتھ کا ذبح خصوصاً اہل کتاب کا جائز ہے مگر اسکے ساتھ ہی بعض ضعیف روایات اور بااتفاق امت مرجوح اقوال کا سہارا لے کر اس پر اب بھی اصرار کیا ہے بسم اللہ کے بغیر ذبح حلال ہو جاتا ہے مفتی صاحب نے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود ذرا غور کریں کہ کتابی مسلمان کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ لوگ بسم اللہ کے بغیر ذبح کو حرام سمجھتے ہیں ورنہ چھری پھیرنے میں مسلمان اور کافر میں کیا فرق انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں کہا ہے کہ خاتم الانبیاء صلعم ہمیں کسی اندھیرے میں چھوڑ کر تشریف نہیں لے گئے اور اگر وہ زمانے کے پیدا کردہ نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اصولی طور پر وہ اس بات کو سامنے رکھیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتا گئے ہیں واضح ہدایت یہ ہے کہ اہل فتوی اور اہل تقوی علماء کے مشورے سے ایسے مسائل کا حل تلاش کیا جائے جو کتاب و سنت میں مذکور رکھیں انہوں نے کہا کہ شخص اور انفرادی رائے کا مسلمانوں پر مسلط کرنا حرام اور تاریخ شاہد ہے کہ شرعی مسائل وہی حل امت میں قابل قبول ہوتا ہے جو اہل فتوی اور اہل تقوی علماء کی رائے سے حاصل ہوا ہو اسکے خلاف کوئی فیصلہ نہ کسی حیلہ جوئی سے امت قبول کر سکتی ہے نہ کسی حکومت اور طاقت سے ان پر مسلط کیا جا سکتا ہے اکبر کے دین الٰہی اتاترک کے جاری کردہ قوانین سے عبرت حاصل کریں یہود و نصاریٰ کی تحقیقات و روایات سے زیادہ اہل تقوی علماء کی تحقیقات پہ اعتبار کریں جو پورے ملک کے علماء ان کا ہاتھ بٹائیں گے اور وہی آپ کے ادارہ کی صحیح خدمت اور نیک نامی کا ذریعہ ہوگا۔